مرشد کی باتیں

عائشہ خان عظیمی

www.ksars.org

فہرست

روشنی سفر میں ہے..5
پانی+مقداریں+رنگ+روشنی=نور...12
یاُولِی الاَلباب...19
جو سنا نہیں، سنا دیتا ہے۔۔۔جو دیکھا نہیں، دکھا دیتا ہے...................................24
پہلا دوسرا کچھ نہیں..30
مرید۔۔۔مرشد کے آئینہ میں دیکھتا ہے...36
نقابِ کائنات...42
ذہن چوری کرتا ہے۔۔۔؟...48
مرشد اور مرید..55
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ..60
رنگوں کا جہاں..66
مرشد مرشد مرشد...72
مجھے ہے حکمِ اذاں، لاالٰہ الااللہ...77
آنکھ کا لینس..82

www.ksars.org

پدرم سلطان بود...87
وَتَرَاھُمْ یَنظُرُونَ اِلَیکَ وَھُمْ لَایُبْصِرُونَ..95
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے...102
دن اور رات۔۔۔۔؟..108
طلوع غروب۔ غروب طلوع 114
زمانہ ماضی ہے...121
سوال جواب۔۔ جواب سوال ہے 127
کچھ نہ ہونے میں ہونا تغیر ہے...138
تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے 144
اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ...151
احساس برتری۔۔۔ احساس کم تری...156
پہاڑ اڑ رہے ہیں 164
دیکھتے ہیں مگر دیکھنا کیا ہے۔۔؟...169
خویش را کم تر زہر ناداں شمر..175
بُو۔۔ خوش بُو...181

www.ksars.org

مرشد مرید کو یاد کرتا ہے 187

اندر میں کون۔۔؟ 194

خیال میں بے خیال ہونا 198

تعطل+تکرار=اسپیس 203

کوئلے کی دلالی میں ہاتھ کالے 207

شام صبح اور صبح شام سے ملتی ہے 213

اس شہر میں رہنا تو پھر اوقات میں رہنا 217

چوتھا سوال۔۔۔؟ 223

دل اندر عشق او بستم نمی دانم کجا رفتم 228

تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی 234

بدتر کا مقابلہ خوب تر ہونا ہے 239

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا 243

میں کون، میں کون۔۔۔؟ 250

مزید بیان کرنے کی اجازت نہیں 256

www.ksars.org

KSARS

روشنی سفر میں ہے

اس کی نظر آسمان کی طرف تھی جہاں جگ مگ کرتے ستارے اپنے آگے کسی اور جہاں کا پتہ دے رہے تھے۔ارد گرد سے بے نیاز خیالوں ہی خیالوں میں ان ستاروں کا پیچھا کرتے وہ اس نئے جہان کی تلاش میں تھا۔ہر طرف گہری خاموشی تھی یا پھر اس کے اندر کا سکوت تھا جو ماحول پر حاوی تھا اور ہر شے کو خود میں جذب کر رہا تھا۔گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوش بو آہستہ آہستہ رگوں میں سرایت کر رہی تھی۔مٹی۔۔۔مٹی کو کھینچ رہی تھی لیکن۔۔۔خلا میں موجود وجود خود کو مٹی سے آزاد کرنے کی جستجو میں تھا۔

نہ جانے کتنی دیر سوچوں میں گم بیٹھا رہا۔یہاں تک کہ سیاہ بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا۔اچانک بجلی کڑکی۔۔اس زور سے کہ تاریک رات کا ایک لمحہ روشن ہوا اور اگلے لمحے پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔کچھ دیر تک اندھیرا روشنی اندھیرے میں بدلتی رہی،لہروں میں ڈوبتے ابھرتے سورج کی طرح جو پانی میں نہ ہوتے ہوئے بھی پانی میں معلوم ہوتا ہے۔

بجلی کی کڑک کے ساتھ ایک جھماکا اس کے اندر بھی ہوا تھا۔۔اس نے ایک لمحہ میں رات کو دن اور دن کو رات ہوتے دیکھا تھا جیسے کوئی دن کو رات میں سے اور رات کو دن میں سے ادھیڑ رہا ہو۔ تفکر نے نیا سوال سوچنے کے لئے دیا۔۔اس وقت جب رات یہاں موجود ہے اور اس رات کے اندر دن بھی تو پھر دن کیا ہے اور رات کیا ہے۔۔اندھیرا کیا ہے اور روشنی کیا ہے۔۔کیا اندھیرا ہی روشنی ہے۔۔۔اگر دن اور رات دیکھنے کی دو طرزوں کی تخلیق ہے تو پھر وقت کیا ہے۔۔؟

"وہ جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں موجود چیزوں کو چھ ایام میں پیدا کیا۔پھر عرش پر قرار پکڑا،وہ رحمن ہے۔اس کی شان کسی خبر دار سے پوچھو۔"

(الفرقان:۵۹)

www.ksars.org

اندر داخل ہوتے ہی جوتے بائیں جناب شواسٹینڈ پر ترتیب سے رکھے اور وضو خانہ کی طرف بڑھ گیا۔ اگرچہ طویل سفر کے باوجود چہرہ کی تازگی برقرار تھی لیکن وہ ہمیشہ محسوس کرتا تھا کہ وضو سے جسم کے ساتھ خیالات میں بھی لطافت پیدا ہوتی ہے۔اور پھر جس ہستی کی محفل میں وہ شریک ہونے آیا تھا وہ ایک عارف کی تھی۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ عارفین کی خدمت میں بغیر وضو حاضر ہونا خلافِ ادب ہے کیوں کہ ان کی محفل میں بیٹھنا عبادت ہے اور حاضرین کو ان کی صحبت سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ وضو کرتے ہوئے ان باتوں کو ذہن میں دہرا رہا تھ کہ چونک اٹھا۔ بہت سی باتیں ہم اکثر سنتے رہتے ہیں اور گہرائی میں سوچے بغیر گزر جاتے ہیں لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب کئی مرتبہ سنی گئی کوئی بات اچانک اپنا مفہوم واضح کر دیتی ہے۔ وہ ایک عارف کے آستانہ پر آیا تھا۔ ظاہری پاکیزگی کا اہتمام تو وہ کر رہا تھا لیکن وہ یہ کیسے بھول گیا کہ عارف کی نگاہ باطن کو بھی ظاہر کی طرح دیکھتی ہے۔ پانی تن پر لگے گرد و غبار کو تو دھو دے گا لیکن من کی کثافت کیسے دھلے۔ زمانہ بھر کی خواہشات سے اس کا دل آلودہ تھا اور جسے ایک نظر دیکھنے کے لئے وہ بے قرار تھا۔ وہ ایک کے علاوہ کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس کا جینا مرنا ایک کے لئے تھا۔ ایک سے بات شروع کرتا تھا۔ اس ایک کی محبت کی لودلوں میں جگاتا تھا۔ بڑھاتا تھا۔ اور پھر ایک پر ہی اپنی بات ختم کرتا تھا۔

اسے اپنی ظاہری طہارت منافقت لگی۔ پیشمانی نے آگھیرا۔ خود پر منوں بوجھ محسوس ہوا۔ اسے لگا کہ وہ یہاں سے اٹھ نہیں پائے گا۔ وہ من کا پاپی تھا اور سب کچھ تن کو سمجھے بیٹھا تھا۔ سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ کتنی دیر یوں ہی بیٹھا رہا۔۔ لیکن پھر اندر کسی گوشہ نے سہارا دیا۔۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ تو نے من کے پاپ دھونے ہی تو یہاں آیا ہے۔ تیری غفلت اور کوتاہیاں کتنی ہی کیوں نہ ہوں، مرشد کریم کی شفقت ہمیشہ حاوی رہے گی۔۔ ماں کی محبت کی طرح۔

وہ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے سامنے بیٹھا تھا۔ الفاظ روشنیاں بن کر وہاں موجود ہر فرد کو اپنے ہالہ میں لیے ہوئے تھیں۔ وہ فرما رہے تھے "اولی الالباب، صاحبِ دانش، صاحبِ حقیقت، صاحبِ شہود۔۔ صاحبِ علمِ لدنی۔۔ صاحب عقل و فہم۔۔ یہ لوگ اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کرتے ہیں اور اس کی تخلیق میں معین مقداروں کو تلاش کرتے ہیں۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ گلاب کا پھول سرخ، زرد، سفید اور کالا ہے تو سوچتے ہیں کہ ان رنگوں کے فارمولے کیا ہیں؟ پھر وہ سوچتے ہیں کہ زمین میں جو اجزائے ترکیبی ہیں ان اجزائے ترکیبی میں پانی نشو و نما کا ذریعہ بنتا ہے لیکن ان کے ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ پانی کا رنگ سفید ہے۔۔ زمین کا رنگ خاکی ہے یا زرد۔۔۔ بیج کا رنگ سفید ہے۔ اگر بیج کسی پھل کی، درخت کی، آدمی کی base ہے تو ڈائی میں۔۔ رحم میں۔۔ رنگوں کی بو قلمونی کس

www.ksars.org

طرح ہو گئی؟ زمین ایک۔۔۔ پانی ایک۔۔۔ سورج کی دھوپ ایک۔۔۔ سورج کی دھوپ میں کہا جاتا ہے کہ سات رنگ ہوتے ہیں جب کہ رنگوں کی تعداد آدمی کی شماریات سے زیادہ ہے۔ پانی کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔ یہ کس طرح ہوا کہ ایک گلاب کے بیج میں جب اس کو کھولا جاتا ہے تو ایک رنگ نظر آتا ہے۔ اس ایک رنگ میں زرد، سرخ، سفید، کالا کس فارمولے کے تحت ہو گیا؟ کسی بھی طریقہ سے بیج کے اندر دیکھا جائے، رنگ آمیزی نظر نہیں آتی۔ پھولوں میں مختلف رنگ نظر آتے ہیں۔ مختلف پھولوں میں مختلف پتیاں، مختلف شاخیں، ہر پتے کے مختلف نقش و نگار۔۔ یہ قدرت کا بنایا ہو کون سا فارمولا ہے؟"

مرشد کریم کا ایک ایک لفظ تصویر بن رہا تھا۔ بیج کا مٹی میں جذب ہونا، پانی کا مٹی میں مل کر بیج کی نشوونما کرنا، دھوپ کی تمازت سے بیج کا کھلنا، بیج کا ایک نئی شکل میں باہر نکلنا، اس پودے میں پھول کا لگنا، نرم ملائم پتیوں، کھری دری ٹہنیوں، ایک دوسرے سے الگ پتوں اور ان پتوں پر بنی مختلف لکیروں اور پھر پھولوں کے ساتھ کانٹوں کا وجود۔۔۔ سب ایک ایک کر کے تصویر مکمل کر رہے تھے۔

کتنی مرتبہ وہ پھولوں کے پاس سے گزرا تھا، ہاتھوں میں لیا تھا، خوشبو محسوس کی تھی لیکن کبھی سوچا نہیں کہ ایک رنگ کی مٹی اور ایک ہی رنگ کے پانی سے ایک بیج اتنے رنگوں میں کیسے ڈھل گیا۔

مرشد کریم کی بات جاری تھی۔" بات یہاں آکر ٹھہرتی ہے، اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پورا تخلیقی نظام وہ لوگ سمجھتے ہیں جو اولی الالباب ہیں۔ اولی الالباب کا مطلب صاحبِ عقل، صاحبِ دانش، صاحبِ فہم اور صاحبِ تفکر انسان ہیں۔"

گھر جاتے ہوئے ذہن میں یہی بات تھی کہ ایک بیج اتنے رنگوں میں کیسے بدل گیا۔

راستہ میں جہاں جہاں نظر جاتی، پسِ پردہ یہی قانون نظر آتا۔ ہر نوع کی ابتدا بیج، تخم یا نطفہ سے ہوئی اور نتیجہ بے شمار رنگوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ خود اس کا آغاز ایک بیج سے ہوا۔ بیج نشوونما پا کر گوشت کا ٹکڑا بنا اور بتدریج بے شمار رنگوں میں ڈھل گیا۔ خود سے سوال کیا کہ کیا یہ تمام رنگ اس بیج تخم یا نطفہ کے اندر موجود ہیں۔۔ رنگ ہیں کیا۔۔۔ اگر موجود ہیں تو پھر نظر کیوں نہیں آتے۔۔؟

اندر سے جواب ملا۔۔ قدرت قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنی نشانیوں کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ غور کرو، مشاہدہ کرو اور یقین کرو۔

www.ksars.org

غور کرنے کا کیا مطلب ہے اور غور کرنے کی سائنس کیسے کام کرتی ہے۔۔۔؟

اسے یاد آیا کہ جب وہ ستاروں سے آگے کسی اور جہاں کی تلاش میں تھا تو نظر ایک ستارہ پر مرکوز تھی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اس ستارہ کو حرکت کرتا محسوس کیا۔ وہ چونک گیا۔ ابتدا میں نظر کا دھوکا محسوس ہو۔ مادی ذہن میں شک پہلے آتا ہے۔ وہ بھی اسی ابتلا میں مبتلا تھا۔ تسلی کے لئے دوسرے ستارہ پر نظر جمائی اور چند لمحوں بعد وہ ستارہ بھی حرکت کرتا دکھائی دیا۔ اس نے تیزی سے دور کسی تیسرے ستارہ کو نظر ٹکا کر دیکھنا شروع کیا اور نتیجہ پہلے دو ستاروں سے مختلف نہیں تھا۔ کسی شے پر تھوڑی دیر کے لئے نگاہ مرکوز کر دی جائے تو وہ حرکت کرتی محسوس ہوتی ہے۔۔۔ ایسا کیوں؟

ستارے طولانی اور محوری گردش میں تھے۔ پہلے آگے بڑھتے اور پھر دائیں یا بائیں مڑ جاتے یہاں تک کہ دائرہ بن جاتا۔ محوری اور طولانی گردش دراصل دائروں میں سفر ہے۔ ذہن سوال، در سوال، در سوال اور پھر سوال کے بھنور میں تھا۔ وہ ستاروں سے آگے دوسرے جہان کو ڈھونڈ رہا تھا لیکن کیا اسے یہ معلوم تھا کہ خود ستارے کیا ہیں اور روشنی کے قمقمے سفر کیوں کر رہے ہیں؟

ستاروں کے مشاہدہ نے بتایا کہ روشنی سفر میں ہے لیکن روشنی کیا ہے۔۔۔؟

زمین گردش میں ہے، ہوا، بادل، چاند، سورج اور ستارے سفر میں ہیں۔ زندگی گھٹ رہی ہے، بڑھ رہی ہے اور پھر بڑھ کر گھٹ رہی ہے اور یہ زندگی کہاں نہیں ہے، جہاں جہاں ہے گھٹنے اور بڑھنے کے قانون کی پابند ہے۔ آدمی بڑھتے بڑھتے جوانی تک پہنچتا ہے اور پھر عمر ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے۔۔ چاند کی طرح۔ چاند اور ہماری زندگی ایک سی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ آسمان کی زینت بڑھاتا ہے اور ہم زمین کی۔ پہلے دن کا چاند بڑھتے بڑھتے عروج پر پہنچتا ہے، چودھویں کا چاند بنتا ہے اور پھر گھٹ کر واپس اس مرحلہ میں آتا ہے جہاں سے ابتدا ہوئی تھی۔

پہلے تو یہ باتیں کبھی ذہن میں نہیں آئیں۔ اب جو غور کرنا شروع کیا تو زمین و آسمان کی تخلیقات ایک ایک کر کے تصور میں آکر اپنے عرفان کی دعوت دے رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قدرت کا کون سا فارمولا، کون سی سائنس، کون سی حکمت اس کے پیچھے کام کر رہی ہے۔ حکمت۔۔۔؟ خیال نے بتایا غور کرنے سے مراد حکمت کو تلاش کرنا ہے۔ اب یہ حکمت کیا ہے۔ نیا سوال اس کے سامنے تھا۔

www.ksars.org

اسے غور کرنے کی عادت نہیں تھی اس لئے ذہن پر بار محسوس ہو۔ ضمیر بار بار مرشد کریم کے پوچھے گئے سوال کا جواب تلاش کرنے کی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ حکمت کا لفظ دماغ سے ٹکراتے ہی قرآن کریم میں پڑھی گئی ایک آیت ذہن میں آئی۔ خانہ کعبہ کی بنیادیں اُستوار کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی،

"اے رب ہمارے! ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو خوب پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔" (البقرہ:۱۲۹)

بندہ جب کسی خیال میں محو ہوتا ہے تو موضوع سے متعلق خیالوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ آنے والا کوئی خیال بے معنی نہیں ہوتا، بس خیال سے خیال ملایا جائے، راستہ بنتا جاتا ہے۔ اس نے سوچا اس طرح کی آیت قرآن کریم میں کئی مقامات پر ہے۔ ایک ہی آیت میں چار مرتبہ علم کا تذکرہ، علم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ لیکن یہ کس علم کی بات کی گئی ہے۔ کیا چاروں سے مراد ایک ہی علم ہے یا پھر ایک ہی علم کے چار مختلف شعبے ہیں۔۔۔؟

رات کو تنہائی میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا وہ ذہن میں آئے خیالوں کو Inpage پر اتار رہا تھا۔ سوچ کا سلسلہ وہیں سے جوڑا، جہاں سے ٹوٹا تھا۔ آیت کی عربی لکھی اور جہاں علم کا ذکر تھا اسے underline کیا اور پھر underline کئے گئے الفاظ کو نمبر وار ترتیب میں لکھا۔

۱۔ یتلو اعلیھم اٰیٰتك (ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے)

۲۔ ویعلیھم الکتاب (کتاب کی تعلیم دے)

۳۔ والحکمۃ (اور حکمت)

۴۔ ویزکیھم (اور خوب پاک صاف کر دے)

بہت دیر تک لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ٹائپ کیے گئے الفاظ کو دیکھتا رہا پھر انگلیوں نے حرکت کی۔ کی بورڈ (keyboard) کی آواز نے کمرے میں خاموشی کو توڑا اور اس نے لکھنا شروع کیا۔

آیات۔۔ آیات کا مطلب نشانیاں، علامتیں اور احکام ہیں۔ قرآن کریم وہ الہامی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں اور احکامات نازل کیے ہیں اور نوع آدم کو ان نشانیوں پر غور کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ فلاح پائے۔ پہلے علم سے مراد قرآن کا فہم ہے۔

www.ksars.org

کتاب۔۔ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ لوحِ محفوظ وہ اصل کتاب ہے جس کے بارے میں خالق کائنات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔" (البروج: ۲۱: ۲۲)

قرآن نے لوحِ محفوظ کو "ام الکتاب" بھی کہا ہے یعنی اصل کتاب۔ لوحِ محفوظ وہ کتاب ہے جس میں ازل سے ابد تک کا تمام ریکارڈ موجود ہے۔

حکمت۔۔ یہ وہ لفظ ہے جس کے ذہن میں داخل ہوتے ہی وہ یوں چونک گیا تھا کہ جیسے حکمت کی حکمت سے واقف ہو کر وہ راز تک پہنچ سکتا ہے۔ حکمت کا مطلب شے کی معرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر حاکم بنایا ہے۔ حاکم وہ ہوتا ہے جو حکم دیتا ہے۔ حکم وہ دیتا ہے جس کے پاس اختیار ہوتا ہے۔ اختیار اس کے پاس ہوتا ہے جو تصرف کرتا ہے اور تصرف وہ کرتا ہے جو شے کی معرفت رکھتا ہے۔ شے میں موجود اجزا اور ان کی مقداروں سے واقف ہوتا ہے۔ جو شخص مقداروں کے قانون سے واقف نہیں اور نہ ان پر تصرف جانتا ہے تو وہ حاکم کی تعریف کے زمرہ میں نہیں آتا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے چوپایوں سے بدتر فرمایا ہے۔ حکمت سے مراد معین مقداروں کا علم ہے اور حکمت کا سورس وہ ذات ہے جس کی ایک صفت "حکیم" ہے۔

نفس و قلب کو مادی خواہشات سے پاک کر کے اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کرنا تزکیہ ہے۔ تزکیہ دین کا اہم رکن ہے۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق آخرت میں وہی کامیاب و سرخرو ہوگا جس نے نفس و قلب کا تزکیہ کیا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ حقیقی ذوق، لذتِ عبادت اور اللہ کے پاس اس کی قبولیت کا دار و مدار قلب کی صفائی اور نفس کی پاکیزگی پر ہے۔

قرآن کی آیات اپنے معنی و مفہوم میں لامحدودیت و وسعت رکھتی ہیں۔ اس الہامی کتاب کا یہ اعجاز ہے کہ بندہ جتنا غور کرتا ہے، ہر بار نئی بات سامنے آتی ہے۔ اس لیے جو شخص قرآن کو جتنا سمجھتا ہے، وہ دراصل اس کے فہم کی حد ہے۔ حضور پاک ﷺ کی ذاتِ مبارک جن و انس اور مخلوقات کو دیئے گئے تمام علوم کا مجموعہ ہے۔ لوگوں کو آیات سنانا، کتاب و حکمت کی تعلیم دینا اور ان علوم کے حصول میں کامیابی کے لیے دلوں کو خود غرضی سے پاک کر کے اللہ کی بندگی سکھانا حضور ﷺ کے مشن کے اہم اور نمایاں ارکان ہیں۔ اس کی سمجھ کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا مفہوم یہ بنا کہ اے ہمارے رب! ان پر وہ رسول بھیج جو انھیں حکمت والی کتاب کا فہم دے۔ ان پر وہ رسول بھیج جو انھیں تیری نشانیوں سے واقف کر کے وہ تختی پڑھنا سکھائے جہاں ازل تا ابد ریکارڈ موجود ہے۔ ان پر وہ رسول بھیج جو انھیں معین مقداروں پر تصرف کرنا

www.ksars.org

سکھائے۔اوران پر وہ رسول بھیج جوان کے دلوں کو مانجھ کر صیقل بنائے اوران دلوں میں صرف اور صرف تیری یاد کے دیئے جلیں۔

www.ksars.org

پانی+مقداریں+رنگ+روشنی=نور

سوالات بڑھ رہے تھے۔ مرشد کریم چاہتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھے کیوں کہ جواب حکمت والی کتاب میں موجود ہیں۔ وقت ضائع کیے بغیر کتابوں کے شیلف کی جانب بڑھا۔ مقدس کتاب کو اٹھایا، دل سے لگایا اور اسٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

کلام الٰہی کو پڑھنے سے پہلے خیال آیا کہ اس کا ذہن محدود ہے اور ہاتھ میں موجود کتاب لامحدود مفہوم رکھتی ہے۔ دل نے کہا۔۔ غیر جانب دار ذہن سے قرآن کو پڑھنے کی دعا مانگ! اس نے درود شریف پڑھا۔ قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور کتاب کھول لی۔

قرآن کریم کو ترتیب سے پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی جہاں جہاں حکمت کا ذکر تھا وہ آیات تلاش کرنا شروع کر دیں۔ بس آغاز کی دیر تھی۔۔ اس آغاز کی جس کا کوئی اختتام نہیں ہے۔ خواہش تھی جب کبھی موقع ملے شیخ سے عرض کرے گا کہ اسے قرآن پڑھائیں۔ اور جب اس نے باقاعدگی سے قرآن پڑھنا شروع کیا تو سمجھ آیا کہ مرشد کریم اتنے عرصہ سے اسے قرآن ہی تو پڑھا رہے ہیں۔ یہ اس کی نااہلی تھی جو دیر کی اور سورس سے رجوع نہ کیا۔ دل مرشد کریم کی محبت سے معمور ہو گیا۔ خیال نے بتایا کہ جو محبت تم محسوس کرتے ہو یہ تمہاری نہیں، کریم مرشد کی تم سے ہے۔ تمہاری محبت تعمیلِ حکم میں ہے۔۔۔ خود کو کھو کر پانے میں ہے۔

جن آیات میں حکمت کا ذکر ہے ریسرچ کے لیے معاون قرآنی الفاظ کی فہرست پر مبنی کتاب کی مدد سے ایک ایک کر کے نوٹ بک میں اتارتا گیا۔ یہ ایسا کام تھا جس میں لطف و سرور اور دل کا سکون تھا۔ محسوس ہوا ضمیر بھی اس کی مدد کر رہا ہے۔

قرآن کریم میں جہاں جہاں انبیائے کرامؑ کا تذکرہ ہے وہاں خالق کائنات اللہ نے حکمت کا ذکر کیا ہے۔ ہم سب کے بابا حضرت آدمؑ کو اللہ نے اپنی صفات کا علم عطا کیا۔ اللہ خالق ہے، تخلیق کرتا ہے تدبیر کے ساتھ۔ بابا آدمؑ نے فرشتوں کے سامنے معین مقداروں سے تخلیق کا مظاہرہ کیا۔ یہ دیکھ کر فرشتوں نے اپنی کم علمی اور خالق کے علیم و حکیم ہونے کا اقرار کیا۔

www.ksars.org

قرآن میں آدمؑ کی تخلیق سے پہلے فرشتوں کے آدمؑ کے متعلق خدشات اور پھر اپنی کم علمی کا اعتراف پڑھ کر اس نے سوچا کہ باپ کا ورثہ اولاد کو منتقل ہوتا ہے۔ بابا آدمؑ نے ورثہ میں اولاد کو علم دیا لیکن کیا اولادِ آدم نے اس ورثہ کو اپنایا؟ جس نے اپنایا قرآن نے اس کا شمار نیک بختوں میں کیا ہے اور جس نے جاننے کی کوشش نہیں کی اسے چوپایوں سے بدتر کہا ہے۔

نوٹ بک میں اتاری گئی آیتوں کو اس نے کئی بار پڑھا اور پھر ذہن میں آئے خیالات کا تحریر کرنا شروع کر دیا۔ اس کی عادت تھی کہ کسی موضوع پر سوچتے ہوئے جو کچھ ذہن میں آتا تحریر کر لیتا۔ لکھنے سے باتیں ذہن نشین ہو جاتی ہیں۔ وہ لکھ رہا تھا کہ بابا آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین ﷺ

تک تمام انبیائے کرام علیہم اسلام کا ورثہ ہے۔ وہ علم جو معین مقداروں کا ہے۔ حضرت نوحؑ بھی اپنی قوم کو تفکر کی طرف راغب کرتے رہے کہ اللہ نے مجھ پر رحمت بخشی، میں وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ غور کرو اپنی پیدائش پر، تخلیق کے لیے تم کتنی تبدیلیوں سے گزرتے ہو، مخلوقات کی پیدائش پر غور کرو، کیسے اللہ نے تہ در تہ سات آسمان بنائے، آسمان کو ستاروں سے زینت بخشی، سورج کو چراغ اور چاند کو اجالا بنایا، زمین کو پھیلایا اور اس میں ہر قسم کے میوے رکھے۔

حضرت صالحؑ کو کھلی سند اور رحمت دی۔ حضرت لوطؑ اور یوسفؑ کو قوت فیصلہ اور علم دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کو اپنی رحمت میں داخل کر کے بلند مرتبہ عطا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو حکمت و سلطنت عطا کی اور زندہ پرندوں کو موت اور پھر زندگی دے کر ان کے علم کو حق الیقین کا درجہ دیا۔

حضرت داؤدؑ کا مقابلہ جب جالوت کے لشکر سے ہوا تو لشکر داؤد تعداد میں جالوت کے لشکر سے بہت کم تھا لیکن اللہ نے داؤدؑ کو حکمت و سلطنت عطا کی تھی اور کفار کے دلوں پر ان کا خوف بٹھا دیا۔ حضرت داؤدؑ نے اللہ کے حکم سے جالوت کو مار گرایا اور فتح پائی۔

یہ حکمت ہی تھی کہ حضرت داؤد کے ہاتھوں میں اتنی توانائی جمع ہو جاتی تھی کہ لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا اور وہ حسب منشا زنجیریں، زرہیں وغیرہ بنا لیتے۔ زمین و آسمان کی ہر شے ان کے تابع تھی۔ جب وہ صبح و شام اللہ کی حمد بیان کرتے، ان کی آواز زمین و آسمان میں جہاں جہاں ٹکراتی، ہر شے ان کے ساتھ ہم آواز ہو کر اللہ کی پاکی بیان کرتی۔

حضعت داؤدؑ کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کی بادشاہت سے کون واقف نہیں۔ جن و انس، چرند پرند، نباتات، جمادات، آبی مخلوقات سب ان کے تابع فرمان تھے اور حکمت کے علم کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ حضرت سلیمانؑ کا دور ہر لحاظ سے جدید تھا۔ علم کی معراج کا یہ عالم تھا کہ ان کے دربار میں موجود الہامی کتاب سے واقف ایک شخص آصف بن برخیا، ٹائم اسپیس کی نفی کر کے ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے لے آیا۔

www.ksars.org

حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے توریت عطا کی اور اسے ہدایت اور روشنی فرمایا۔ وہ عصا دی جس نے اژدہا بن کر فرعون کے دربار میں سانپوں کو نگل لیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو کتاب و حکمت اور انجیل سکھائی۔ وہ مٹی سے پرندوں کی صورت بنا کر پھونک مارتے تو وہ اڑتا جانور بن جاتا۔ اندھا بینا اور کوڑھی ٹھیک ہو جاتا۔ مردوں کو زندگی ملتی اور آپ لوگوں کے دلوں کا حال بتا دیتے۔

باعثِ تخلیق کائنات، محبوب رب العالمین حضرت محمد ﷺ کے لیے کئی مقامات پر ارشاد ہوا کہ لوگوں کے لیے ایسا رسول بھیجا جو بتاتا ہے نشانیاں، سنوارتا ہے دلوں کو سکھاتا ہے کتاب و حکمت۔ قرآن کو حکمت والی کتاب کہا۔ حضور پاک ﷺ کے معجزات حکمت کی دلیل ہیں۔

اس نے نوٹ کیا کہ اللہ نے قرآن میں حکمت کے ساتھ سلطنت کا بھی ذکر کیا ہے۔ کائنات میں اللہ کا نائب وہی ہے جس کے پاس حکمت یعنی معین مقداروں کا علم ہے۔ ساتھ ہی اپنی رحمت اور فضل کا بھی تذکرہ فرمایا۔ اس نے سمجھا کہ اللہ کی رحمت اور فضل کا مطلب علم ہے۔ جگہ جگہ پر بتایا کہ اتاری گئی ہے کتاب و حکمت تاکہ سمجھائے چیزوں کی معرفت۔ یہ بھی بتایا کہ شیطانی طرز عمل سے شک، خوف، تنگی اور غیر اخلاقی قدروں کا غلبہ ہوتا ہے اور اللہ کے فرستادہ بندوں کی قربت میں بخشش، کشائش، رحمت اور فضل ہے۔ اور اللہ کا فضل حکمت ہے۔ جس کو ملی حکمت اس کو ملی خوبی۔ اور خوبی یہ ہے کہ حکمت کا علم رکھنے والا اللہ کے دئے ہوئے اختیار سے جب اللہ کے بھروسہ پر کچھ کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حدیث قدسی ہے،

"میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں کس کے ذریعے وہ سنتا ہے، میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے، میں اس کے پیر بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ بولتا ہے۔" (صحیح بخاری)

www.ksars.org

KSARS

حکمت ایک بار پھر اسے معین مقداروں تک لے آئی تھی۔ مقداریں کیا ہیں، یہ جاننے کے لیے اس نے تجربہ کرنے کا ارادہ کیا۔ دو پیالوں میں پانی لے کر آیا۔ سرخ رنگ کے دو قطرے ایک پیالہ میں اور پیلے رنگ کے دو قطرے دوسرے پیالے میں ڈالے۔ رنگ پانی میں ملتے ہی پانی کا رنگ بدل گیا۔ تجربہ کا نتیجہ سوچ کے مطابق تھا۔ پانی سرخ اور پیلا اس لیے نظر آ رہا تھا کہ ایک میں سرخ اور دوسرے میں پیلے رنگ کی مقداریں شامل کی گئی تھیں۔

بات یہ سمجھ میں آئی کی چیزوں کا رنگ رنگ ہونے کا مطلب ان کی قسمیں ہیں اور اقسام مقداریں ہیں۔ سرخ کے دو قطرے ڈالنے کا مطلب سرخ رنگ کی مقداروں کا شامل ہونا ہے۔ لیکن وہ پانی جو زمین کو دیا جاتا ہے، اگر اس میں مختلف رنگوں کی مقداریں شامل ہیں تو وہاں رنگ نظر کیوں نہیں آتے۔۔؟

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح معاملہ کی تہہ تک پہنچے۔ آخر یہ مقداریں کیا ہیں، کیسے کام کرتی ہیں اور نظر کیوں نہیں آتیں۔۔؟ اور وہ رک گیا۔ اس نے خود سے کہا اتنی دیر سے تم پانی پانی کر رہے ہو، پانی لکھ رہے ہو، پانی سے بننے والی چیزوں کے بارے میں سوچ رہے ہو، پانی پر تجربہ کر رہے ہو۔ پہلے یہ تو معلوم کرو کی مقداریں جس پانی میں شامل ہیں وہ پانی کیا ہے۔

معین مقداروں کی تلاش میں جس طرح خیال کڑی در کڑی اسے پانی کی حقیقت معلوم کرنے تک لے آیا یہ بات روشن ہوئی کہ قدرت کی صناعی میں ہر چیز دوسری چیز سے ربط میں ہے۔ کسی ایک چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے کئی چیزوں سے واقف ہونا پڑتا ہے۔ اتنا سوچ کر وہ خاموش ہو گیا لیکن باقی رہ جانے والی بات اندر سے کسی نے مکمل کی۔ "اور جب بندہ منزل پر پہنچتا ہے تو یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سے آغاز ہوتا ہے۔" اس کی منزل کتنی دور تھی، نہیں جانتا تھا لیکن تحقیق و تلاش اسے نت نئے زاویوں سے سوچنا سکھا رہی تھی اور وہ اللہ کا مشکور تھا۔

وہ عظیمی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور! پانی کیا ہے۔۔۔؟

انھوں نے سورہ بقرہ کی آیات تلاوت کی۔ ترجمہ:

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا
اور اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر
تمہیں رزق عطا کیا۔" (البقرۃ:۲۲)

اس کے بعد فرمایا، "میں نے اپنے مرشد کریم سے سوال کیا تھا، کائنات نہیں تھی تو کیا تھا؟"

www.ksars.org

مرشد کریم نے فرمایا، "امعاء"

عرض کیا، "اس کے بعد کیا ہوا؟"

ارشاد کیا، "ماء (پانی)"

اتنا کہہ کر لمحہ بھر خاموشی کے بعد شیخ طریقت نے سمجھایا، "ماء نہ ہو تو زمین بنجر ہو جائے گی۔ ماء کے وجود کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں۔ پہاڑوں کو بھی پانی چاہیئے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ پہاڑ جمے ہوئے نہیں بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں، پہاڑوں کی اصلیت کیا ہوئی؟ پانی۔ یہ جمے ہوئے نہیں بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔ پہاڑ کیا ہوا۔۔۔ بادل۔"

اس نے عرض کیا، حضور! پہاڑ بادل ہیں، بادل پانی سے بنے پھر پانی کیا ہے؟

"یہ پی ایچ ڈی لیول کا سوال ہے اور آپ کی ذہنی استعداد اتنی نہیں کہ اس کو سمجھ سکیں۔ کم ہی ہستیاں پانی کی حقیقت سے واقف ہیں۔ پانی کیا ہے، بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ ماء۔۔۔Base۔

ہر چیز کی بنیاد پانی ہے، ہر چیز پانی ہے، پانی نہ ملے، مر جائیں گے۔ اب پانی کیا ہے؟ پانی اللہ کی صفات ہیں۔ پانی میں مقداریں ہیں۔ مقداریں روشنی ہیں۔ روشنی نور ہے۔ نور کیا ہے؟ اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کا حکم۔۔۔ اللہ کا ذہن ہے۔ بندہ اللہ کی صفات پر پیدا ہوا ہے۔ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے اپنی صفات پر پیدا کیا اور میری صفت محبت ہے۔ اللہ بارش برساتا ہے، خواہش ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ اللہ کی محبت ہے کہ کوئی چیز اپنے کام سے نہیں رکتی۔ دل پھیپھڑے سب اپنے وقت پر کام کر رہے ہیں۔ ذرا سی گڑبڑ ہو جائے تو۔۔۔؟ سب مقداریں ہیں۔ اسی مقداروں کے علم کو "علم لدنی" کہتے ہیں۔ یہ فکشن نہیں ہے اس لیے فکشن علوم سے اس کو سیکھا نہیں جا سکتا۔"

پانی سے متعلق جواب میں مرشد کریم نے سوچنے کے لیے کئی زاویے دے دیے تھے۔ اس نے
مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ جانتا تھا وہ علوم کا سمندر ہیں اور ساحل پر موجود ریت کے ذرہ کو بھی سیراب کرتے ہیں۔ جتنا بتا دیا گیا تھا، اس وقت وہی اس کے لیے جواب تھا۔

اس نے سوچنا شروع کیا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے، وہ پانی چشموں اور دریا میں شامل ہوتا ہے۔ اس سے فصلیں اور باغات سیراب ہوتے ہیں اور مختلف رنگوں میں تبدیل ہو کر پھل، پھول اور اناج بنتا ہے۔ خود انسان و حیوانات کی تخلیق پانی سے ہوتی ہے۔ جسم کو متحرک رکھنے والا خون پانی ہے۔ پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں اور بادلوں کی بنیاد پانی ہے۔

www.ksars.org

آسمان ٹھوس نظر آتا ہے لیکن اس کی بنیاد بھی پانی ہے۔ زمین ٹھہری ہوئی نظر آتی ہے لیکن تخلیقی قانون کے مطابق وہ بھی پانی ہے۔

پانی کا وصف حرکت ہے اور اس کی بنیاد روشنی ہے اور خود پانی رنگوں کی صورت نظر آتا ہے۔ یعنی روشنی کا ظاہر رنگ ہے اور رنگوں کا باطن پانی اور روشنی ہیں۔ روشنی پانی میں تبدیل ہو کر رنگ بن رہی ہے۔ حقیقت رنگ نہیں ہے اور ہم رنگوں کو دیکھ رہے ہیں۔ رنگوں میں تغیر ہے لیکن ان کی بنیاد روشنی ہر جگہ ایک ہے۔ رنگوں کی دنیا میں رہتے ہیں اور رنگوں کو ہی حتمی سمجھتے ہیں اس لیے ہم روشنی کو نہیں دیکھتے اور مقداروں سے واقف نہیں۔ مرشد کریم کے الفاظ ذہن میں گونجے۔ مقداریں فکشن نہیں ہیں اس لیے فکشن علوم سے ان کو سیکھا نہیں جا سکتا۔

عرض کیا، حضور! یعنی فارمولا یہ بنا، پانی+مقداریں+رنگ=روشنی؟

فرمایا، "پانی+مقداریں+رنگ+روشنی=نور۔ یعنی اللہ نور السمٰوٰت والارض"

—— ❖ ——

قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے لفظ ارض پر ذہن رک گیا۔ ارض سے متعلق آیات تلاش کیں۔

اللہ نے ارض کو بساط بنایا۔ زمین کی فطرت میں سمٹنا ہے۔ اللہ نے زمین کو پھیلایا اور پہاڑوں کو میخیں بنا کر زمین کو روکا۔ پانی بارش بن کر زمین سے ٹکراتا ہے تو اسبابِ معشیت پیدا ہوتے ہیں اور ہر مخلوق کی نشوونما توازن کے مطابق ہوتی ہے۔ مرشد کریم نے فرمایا تھا زمین ہماری ماں ہے۔ اس نے سوچنا شروع کیا تو زمین اور ماں کے بطن کو یکساں پایا۔ ماں کا بطن بھی زمین ہے، اسپیس ہے۔ اللہ جس طرح چاہے زمین کی طرح ماں کے پیٹ میں نقشے بناتا ہے۔ ہر تصویر دوسرے سے مختلف ہوتی ہے لیکن اسپیس ایک ہے۔

بتایا جاتا ہے زمین ایک دن میں پچیس ہزار میل کا سفر طے کرتی ہے۔ آدمی کی رفتار زمین کی رفتار کے مطابق نہیں ہے اس لیے وہ کھڑا نہیں ہو سکے گا، گر جائے گا لہذا اللہ نے پہاڑوں کو میخیں بنا دیا تا کہ زمین کی رفتا میں اعتدال کے ساتھ توازن قائم رہے۔ خیال نے بتایا آدمی کو زمین کی رفتا سے واقف ہونے کے لیے دماغ میں پہاڑ جیسے بوجھ کو ختم کرنا ہوگا۔ تب جا کر ذہن اور زمین کی رفتار ایک ہوگی اور توازن قائم ہوگا۔۔ یا پھر ذہن کی رفتار، زمین کی رفتار سے بڑھ جائے گی۔

ذہن میں سوال ابھرا۔۔ اللہ نے زمین کو پھیلایا، پھیلانے کا کیا مطلب ہے۔ زمین کا مادہ کس خمیر سے بنا ہے۔ پھیلانے سے پہلے زمین کیا تھی۔۔؟ قرآن کریم نے زمین کی ایک خصوصیت سمٹنا بتائی ہے۔ سمٹنے سے کیا مراد ہے۔۔۔؟

www.ksars.org

مرشد کریم سے عرض کیا کہ زمین کیا ہے ؟انہوں نے فرمایا، "یہ بات اب راز نہیں رہی کہ زمین ایک سیارہ ہے۔سائنس دان سیارہ کو گولائی سے تشبیہ دیتے ہیں جب کہ اندر کی آنکھ دیکھتی ہے کہ زمین گول نہیں پپیتے کی طرح مخروطی ہے۔مخلوق زمین کے اندر نہیں ہے،زمین کی سطح پر آباد ہے۔زمین کے اندر کیا ہے،یہ ایک ایسی بات ہے جس کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔زمین دراصل پرت در پرت بنی ہوئی ہے۔پیاز کو اگر سامنے رکھا جائے تو وہ ٹھوس اور وزنی نظر آتا ہے۔یہ نظر آنا شعوری ہے۔پیاز کو ادھیڑا جائے تو پرت در پرت بنا ہوا گیند نما زمین کا پھل ہے۔پیاز کے اندر سے ڈل نکال کر تجزیہ کیا جائے تو وہ بھی پرت در پرت بہت سارے پرتوں کا مجموعہ ہے۔یہ ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں اور یہ سارے پرت ستون کے گرد لپٹے ہوئے ہیں۔یہ ستون زمین سے پیاز کے اندر جتنے اجزاء ہیں،حاصل کر کے ان کی دیواریں تعمیر کرتا ہے۔یہ جو ستون نما چیز ہے اس کو آپ ماں کے پیٹ میں بچے سے ملی ہوئی آنول(umbilical cord)سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کے ذریعے زمین سے غذا فراہم ہوتی ہے۔یہی equation تمام مخلوقات کی ہے۔"

شیخ طریقت کی بات جاری تھی اور وہ باہوش و حواس سن رہا تھا۔انھوں نے فرمایا،

"اس وقت پیش نظر یہ ہے کہ زمین کیا ہے۔زمین اگر مٹی ہے تو مٹی کیا ہے۔مٹی کے ذرّات اگر خلا پر مشتمل ہیں تو خلا کیا ہے۔خلا سے مراد بظاہر یہ لی جاتی ہے کہ اس میں کھوکھلا پن ہو،سوراخ ہو،نالی ہو،اب ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ زمین خلا کے علاوہ کچھ نہیں۔لیکن اگر ہم خلا کو اسپیس کہتے ہیں تو کیا اس سے فہم مطمئن ہوتا ہے۔۔؟"اتنا کہہ کر وہ مسکرا دیے۔

اس نے جانا کہ جواب مل چکا ہے لیکن مخفی ہے۔اور شیخ طریقت چاہتے ہیں کہ تلاش جاری رہے۔

www.ksars.org

یٰاُولِی الاَلباب

رات کو سونے سے پہلے ڈائری میں مرشد کریم کی بیان کی گئی باتوں کو پڑھا اور پہلا کام یہ کیا کہ کچن میں جا کر درمیانہ پیاز اٹھایا اور کھولنے بیٹھ گیا۔ وہ احتیاط سے باریک اور ایک دوسرے کے ساتھ چپکے ہوئے پرت کو پرت سے الگ کر رہا تھا۔ محسوس ہوا وہ پیاز نہیں اپنے اندر موجود پرتوں کو کھول رہا ہے۔ پیاز، پیاز نہیں اس کا وجود ہے۔ بلندی سے دیکھنے والا اسے پیاز نہیں نقطہ کہے گا۔ اس نقطہ میں کائنات بند ہے۔ ہر پرت ایک عالم ہے۔ اس عالم کی ایک بساط ہے۔ اس بساط کی بساط در بساط اور پھر بساط ہے۔ اس نے سوچا بنیاد تک پہنچنے کے لیے اس نے اپنے وجود کو کتنے ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے۔ خیال نے بتایا یہ ٹکڑے نہیں فاصلے ہیں۔ لیکن بلندی سے دیکھنے والے کے لیے نقطہ اور قریب سے دیکھنے والے کے لیے پرتوں کا مجموعہ۔۔۔؟ کیا واقعی فاصلوں کا وجود ہے۔۔؟ اگر ہے تو کیسے طے ہوا اور اگر نہیں ہے تو پھر وقت کی کیا حیثیت ہوئی۔۔؟

ایک بار پھر قرآن کریم سے رجوع کیا اور زمین سے متعلق مزید آیتیں تلاش کیں۔

ایک مقام پر اللہ نے خود کو آسمان و زمین کا نور فرمایا ہے اور تفصیل میں کئی spaces کا ذکر کیا ہے۔ جیسے آسمان۔ زمین۔ طاق۔ قندیل۔ چراغ۔ ستارہ۔ زیتون۔ یہ سب کسی اسپیس پر قائم ہیں۔ اسپیس یعنی اس چیز کی زمین یا بساط۔ اور روشنی اس کا وقت ہو گیا۔ زمین کو سمٹنے اور پھیلنے والی بنایا۔ کیا پھیلنے اور سمٹنے سے مراد ٹائم اور اسپیس ہے؟ پھر اللہ نے شرق اور غرب یعنی سمتوں کی نفی کر کے ٹائم اور اسپیس کی نفی کر دی اور فرمایا کہ اعلیٰ زون اللہ کا ذہن ہے اور اللہ جسے چاہے اپنے ذہن تک راہ دیتا ہے۔

مرشد کریم جب کسی تحریر میں تصحیح فرماتے تو اسے محسوس ہوتا جملوں کی تصحیح نہیں ہوتی بلکہ طرز فکر درست ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ کسی تحریر کو سنتے ہوئے یہ جملہ "فلاں شخص کو میٹھا پسند نہیں" درست کرتے ہوئے مرشد کریم نے فرمایا کہ "لکھو، نمکین سے رغبت زیادہ ہے۔"

اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اس کے دل میں رہتے ہیں۔ وہ نفیس طبیعت کے مالک ہیں اور اپنے ارد گرد ترتیب کو پسند کرتے ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا مادی اغراض کے ساتھ کوئی دل پاک ہو سکتا ہے؟ کیا وہ ایسی جگہ محبوب ہستی کو رکھ سکتا ہے جہاں اغراض تعفن پھیلاتی ہوں؟ ایک دم اپنی خواہشات سے خوف محسوس ہوا۔ خواہشات جو بظاہر معمولی اور چھوٹی نظر آتی ہیں، ان کا

www.ksars.org

قیام اگر طویل ہو جائے تو اژدہا بن کر نگل جاتی ہیں۔ وہ جتنا اس ہستی کے قریب ہونے کی کوشش کرتا، کم مائیگی کا اعتراف بڑھ جاتا۔ دل آئینہ ہے۔ دل نے بتایا کہ انسانیت کے سوا ہر غرض کثافت ہے جو تہ در تہ غالب ہو کر دل کو تاریک کر دیتی ہے۔ ایسے میں دل پر پڑنے والا شفاف عکس بھی دھندلا جاتا ہے۔

وہ مزید کثافتوں کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ ضمیر کے بوجھ سے زیادہ اسے اس ہستی کا احساس تھا جو بے غرض ہو کر اللہ کی خوشنودی کے لیے کثافت میں لتھڑے وجود کو نہ جانے کس صبر سے سامنے بیٹھا دیکھتی لیکن ہونٹوں پر شفیق مسکراہٹ کے ساتھ آلودہ دلوں کو پاک کرنے میں لگ جاتی۔ لوگ محبت کی چاشنی لیے گھروں کو لوٹتے اور چند روز بعد سابقہ ماحول میں رنگ کر پھر ان کے سامنے آموجود ہوتے۔ لوگ خود کو آلودہ کرنے سے باز نہیں آتے اور وہ ہیں کہ قلوب کی صفائی کرتے تھکتے نہیں۔ محبت تو یہ ہے جو مرشد کریم کی اللہ کے لیے ہے۔ بے شک اس کا مرشد مقام عبدیت پر ہے۔

جب سے اس نے معین مقداروں کے بارے میں سوچنا شروع کیا، عادت بن گئی تھی کہ چلتے پھرتے ذہن میں موجود سوالوں کو دہراتا اور کچھ دیر ان پر تفکر کرتا اور اچانک مفہوم واضح ہو جاتا۔ کئی روز سے وہ خود سے پوچھ رہا تھا کی محبت کی جاتی ہے یا ہو جاتی ہے۔۔؟ اور یہ آیت یاد آگئی۔

"آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں، وہ آنکھوں کا ادراک بن جاتا ہے۔" (الانعام: ۱۰۳)

لیکن اس کا سوال سے کیا تعلق۔۔؟ اور پھر اسے صاحب طریقت کا جواب یاد آگیا۔ "اللہ نے مخلوق کو اپنی صفات پر پیدا کیا ہے اور اللہ کی صفت محبت ہے۔ اللہ کی صفات کو فکشن علوم اور ذہن سے نہیں سمجھا جا سکتا۔" تفکر اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ تفکر میں کائنات سما جاتی ہے۔ اسی تفکر کے ذریعے لامحدودیت ادراک بنتی ہے۔ کوئی اللہ سے کیسے محبت کر سکتا ہے۔۔؟ ہاں! اس کی رحمت طلب کر سکتا ہے۔ کیوں کہ اللہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ سورہ نمل آیت ۶۲ کا مفہوم ہے کہ اس کے سوا کون ہے جو بے قرار کو قرار دیتا ہے۔ کون ہے جو بندہ سے برائی دور کر کے نفس کو پاک کرتا ہے اور کون ہے جو آدمی کو بندگی کے دائرہ میں لے کر آتا ہے؟

اللہ اور بندہ کے درمیان فاصلہ حائل نہیں۔ بے قرار دل جب ہر طرف سے ذہن ہٹا کر عاجزی کا اظہار کر کے اللہ کو یاد کرتا ہے تو پھر وہ محبت و سکون بن کر حواس پر چھا جاتا ہے۔ نظر بھی وہ بنتا ہے اور منظر بھی۔۔ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں، وہ آنکھوں کا ادراک بن جاتا ہے۔

www.ksars.org

وہ مرشد کریم سے محبت کے لائق نہیں تھا۔۔ان کے قدموں کی خاک بھی نہیں تھا۔۔ لیکن۔۔اس کے لیے زندگی ان سے شروع ہوتی تھی اور ان پر ختم۔زندگی میں کشش ان کے دم سے تھی۔اس دل آویز مسکراہٹ سے تھی جسے دیکھ کر دل کی دنیا بدل جاتی۔ جیسے انھوں نے اپنی محبت کا چراغ اس کے اندر روشن کر دیا ہو۔جب توجہ چراغ سے ہٹتی ہے، بے سکونی چھا جاتی اور جس لمحہ روشنی توجہ بنتی، وجود ان کی محبت کو شدت سے محسوس کرتا۔زندگی تو اس کے اندر تھی۔۔ باہر سب فریبِ نظر تھا۔

وہ سوچتا وہی دن ہے اور وہی رات لیکن لوگ ہر دن کو نیا دن اور ہر رات کو نئی رات کہتے ہیں اور اسے نیا بنانے کے لیے کسی دن کو منگل تو کسی کا نام بدھ رکھ دیا لیکن کسی کے پاس اس بات کا ثبوت نہیں کہ منگل منگل کیوں ہے اور بدھ بدھ کیوں۔ منگل بدھ کیوں نہیں اور بدھ منگل کیوں نہیں۔

موجد نے فرض کیا اور دنیا نے بغیر شواہد کے تقلید۔

ہر دن خود کو دہرا رہا تھا۔ فہم سے باہر تھا کہ لوگ کیسی زندگی گزارتے ہیں اور کیوں۔۔؟خود اس کی زندگی کیسی ہے۔روز ایک ہی معمول اور سب کچھ صرف چند دنیاوی ضرورتوں کے لیے۔یہ ضرورتیں تو ان پرندوں کی بھی پوری ہوتی ہیں جن کے لیے وہ ہر روز مٹی کے برتن میں باجرہ اور پانی رکھتا ہے۔کچھ بھی تو نیا اور الگ نہیں تھا۔یہ دنیا اب بے کشش ہو گئی تھی۔ایسے میں مرشد کریم کا پرنور چہرہ تصور بنتا اور زندگی سے قریب لاتا۔ہر شے سے محبت کرنا سکھاتا۔ حقیقی زندگی کی کھوج اور مقصدیت کی طرف متوجہ کرتا۔

ایک نشست میں صاحبِ طریقت نے حاضرین سے فرمایا کہ "اولی الالباب" کون ہیں یہ جاننے کے لیے تعقلون، یعقلون، یتفکرون، تتفکرون، یبصرون، تبصرون، یتذکرون، تتذکرون، فھل من مدکر، اولی الالباب کے ساتھ قرآن کریم میں وہ تمام الفاظ تلاش کیے جائیں جہاں خالق کائنات اللہ غور و فکر کا حکم دے رہے ہیں تب "ولی الالباب" کے مفہوم سے آپ واقف ہوں گے۔

مرشد کریم کی بات یاد آتے ہی اس نے قرآن کریم میں آیتیں تلاش شروع کر دیں جن میں بلند و اعلیٰ ذات اللہ۔۔اولی الالباب سے مخاطب ہیں۔آیات تلاش کرنے کے بعد اس نے جو سمجھا اس کا خلاصہ تحریر کیا۔

قرآن کریم جگہ جگہ نوع آدم سے مخاطب ہے کہ کیا تم سوچتے نہیں کہ اللہ کتنا عظیم ہے جس نے بغیر کسی ستون کے اتنی بڑی اور متوازن چھت بنائی۔ستاروں سے آرائش کی اور چاند و سورج سے زیبائش دی۔زمین کو فرش بنایا اور آسمان سے

www.ksars.org

اس پر پانی برسایا۔اپنی شان کے مطابق کائنات میں اپنے حکم واقتدار کے نظام کا اجرا فرمایا۔ہواؤں اور بادلوں کو تابع فرمان بنایا۔بادلوں کے مشکیزے بھیجے۔رحمت کی خوش خبری بھیجی۔پانی میں رزق کی مقداریں معین کیں۔مقداریں زمین سے ٹکرائیں تو ہر سو رنگ بکھر گئے۔اس نے چشمے بنا کر زمین میں چلائے۔مردہ زمین کو زندہ کیا۔مخلوقات کو حیات دی۔ہر جنس کے جوڑے دہرے بنائے۔مختلف رنگوں کی کھیتی نکالی اور انھیں اٹھان دی۔پھر سرخ پیلے ہرے نیلے رنگوں کو خشک کیا اور بالآخر اسے چورا چورا کر دیا۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے زمین کو گردش کرنے والا بنایا اور مختلف مادوں کو ملا کر پہاڑ بنایا اور میخوں کی طرح گاڑ کر زمین کی رفتار کو متوازن کیا کہ کہیں تمہیں لے کر دھنس نہ جائے۔وہ رات کو دن سے اور دن کو رات سے ڈھانکتا ہے۔ہر رات ہم مرتے ہیں اور ہر صبح نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔دن رات کے تعاقب میں اور رات دن کے تعاقب میں ہے۔جیسے بجلی کا چمکنا، روشن ہونا اور پھر اندھیرے میں ڈوبنا۔اگر اللہ روزِ قیامت تک کے لیے دن کو رکھے تو کون ہے کہ رات لے آئے اور اگر روزِ قیامت تک کے لیے رات رکھے تو کون ہے کہ دن کی روشنی لے آئے۔دن کو ادھیڑتا ہے تو رات نکل آتی ہے اور رات کو ادھیڑتا ہے تو دن نکل آتا ہے۔ادھیڑنے کا مطلب دن اور رات کا کسی بساط پر قائم ہونا ہے۔وہ بنیاد کیا ہے۔۔۔؟

کیا تم عقل نہیں رکھتے کہ اللہ زمین کے اوپر اور اندر ہر جان دار کے رزق کا اہتمام کرتا ہے۔گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ نکالتا ہے۔نہ گوبر دودھ میں شامل ہوتا ہے اور نہ خون۔ہر شے معین حدوں میں ہے۔پہاڑ کی گہرائیوں میں رینگنے والے حشرات ہوں، آبی مخلوقات ہوں یا پھر ہوا میں موجود نظر نہ آنے والے وائرس اور بیکٹیریا۔۔۔وہ ہر ایک کا میزبان ہے۔

کیا تم غور نہیں کرتے پاک بات پر جو تمہیں نیکی کی طرف راغب کرتی ہے۔وہ پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہوتی ہیں اور شاخ آسمان میں، وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے، اس کی قربت کے درجے بڑھتے جاتے ہیں اور ناپاک بات ناپاک درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر اکھاڑ دیا گیا ہو، اس کے لیے کچھ بھی اور کہیں بھی قرار نہیں ہے۔

کیا تم چلتے پھرتے نہیں زمین میں کہ دل تمہارے سمجھیں اور کان سننے لگیں ان در و دیوار کو جو تمہیں اپنا حال سناتی ہیں کہ زمین کسی کی میراث نہیں۔کل یہاں کوئی اور تھا، آج کوئی اور۔۔۔اور آنے والے کل میں کوئی اور ہوگا۔کتنی بستیاں ڈھا دی گئیں ہیں، محل ویران ہیں، عمارتیں کھنڈرات ہیں، کنویں خشک ہیں، وہ بادشاہ جنھوں نے خدائی کے دعوے کیے اور وہ لوگ جنھوں نے سمجھا کہ موت کبھی نہیں آئے گی، ان کی مٹی آج پیروں کی دھول ہے۔

www.ksars.org

دیکھو، سنو اور عبرت پکڑو کہ جو لوگ حق سے منکر ہوتے ہیں وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن نہیں دیکھتے، وہ سن رہے ہوتے ہیں لیکن نہیں سنتے کیوں کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں اندھے ہو جایا کرتے ہیں اور وہ آنے والے دور کی گرد و غبار بن جاتے ہیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے آدم کی حقیقت کا بہت خوب صورتی سے رباعی میں ذکر فرمایا ہے،

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بے کار
اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزہ کو اٹھانے کے لیے
یہ ساعدِ سیمیں سے بناتا ہے کمہار

قرآن نوع آدم کو تفکر کی طرف راغب کرتا ہے کہ دھیان کرو بہتے چھلکتے پانیوں میں۔ بکثرت میووں میں۔ لمبے لمبے سایوں میں۔ تہ بہ تہ وجود میں۔ رات کی تاریکی میں۔ دن کے اجالے میں۔ ہواؤں کی گردش میں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں خود تمہارے اندر۔ یہ سب نشانیاں قرآن میں بیان کردی گئی ہیں اور تمہارے لیے قرآن کو سمجھنا آسان کر دیا، پھر ہے کوئی سمجھنے والا۔۔؟

کیا تمہارے پاس عقلِ سلیم نہیں جو تمہیں بتائے کہ اندھا اور بینا۔ پاک اور ناپاک۔ جاننے والا اور نہ جاننے والا۔ سننا اور بہرہ۔ سمجھ والا اور نا سمجھ۔ علم والا اور بے علم۔ ایمان دار اور بدکار برابر نہیں؟ نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو اٹھتے بیٹھتے غرض ہر حال میں اللہ کی یاد سے دلوں کو منور رکھتے ہیں۔ کائنات کی ساخت پر غور و فکر کرتے ہیں اور جب ذکر کی تکرار سے اندر کی آنکھ کھلتی ہے تو حقیقت کو جان لیتے ہیں اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے کچھ بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بے شک وہی راہ پاتا ہے جو نفس کو معبود نہیں بناتا اور صرف آپ سے رجوع کرتا ہے۔

www.ksars.org

جو سنا نہیں، سنادیتا ہے۔۔۔ جو دیکھا نہیں، دکھادیتا ہے

شام کے وقت دن کی تھکن اتارنے کے لیے ٹیرس پر آ بیٹھا۔ گھر میں سب کو ہریالی پسند تھی۔ مکان کے اطراف میں دور تک شجر کاری کی گئی تھی۔ بعض پودے چھوٹے درخت بن گئے تھے۔ اب نہ صرف یہاں وہ رہتے بلکہ ڈھیر سارے پرندے بھی درختوں پر آکر بس گئے تھے۔ دوسرے جانور ستانے کے لیے یا پھر جب دھوپ کی تمازت سے گھبرا جاتے، اسی گلی کا رخ کرتے جہاں پانی تھا، ان کا دانہ تھا اور درختوں کی چھاؤں بھی۔

دن کا یہ حصہ وہ پرندوں کو چہچہاتے، ڈالیوں پر جھومتے، ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدکتے، دانہ چگتے، پانی پیتے اور اس میں نہاتے، مٹی کے ڈھیر پر پروں کو صاف کرتے، تنکوں کو جمع کرتے اور قریب کسی محفوظ مقام پر گھونسلہ بناتے دیکھ کر گزارتا۔ ان میں خاکی، سرخ اور ہرے رنگ کی چڑیا تھی اور سفید اور کالے کبوتر بھی۔ کبھی کبھی سارس بھی اس طرف آجاتے۔ کچھ پرندے ایسے تھے جن کا اسے نام بھی معلوم نہیں۔ کوئی کنگ فشر کے جیسا تو کسی کی دم مچھلی جیسی ہوتی۔ کوئی فاختہ کی نسل کا تھا تو کوئی ابابیل کی جسامت کی چھوٹی چڑیا۔ کبھی کبھار Migrating birds غول کے غول آتیں اور اڑان کے دوران ہم آواز ہو کر گنگناتی گزر جاتیں۔ یہ سارے مناظر دل فریب۔۔۔ بہت دل فریب تھے۔

وہ باقاعدگی سے پرندوں کے لیے باجرہ اور پانی رکھتا۔ پرندوں کی تعداد بڑھ رہی تھی جن میں چڑیاں زیادہ تھیں۔ اکثر اوقات وہ رات میں برتن بھر دیتا تاکہ صبح پرندے جاگیں تو برتن خالی نہ ہو۔ پرندے اس کے گھر والوں سے مانوس ہو گئے تھے کیوں کہ کسی روز وہ لوگ باجرہ رکھنا بھول جاتے تو چڑیا صبح صبح Chorus میں چوں چوں گاتیں۔۔۔ اتنا کہ سونے والا جاگ جاتا اور اسے معلوم ہو جاتا کہ دانہ نہیں ہے۔ پرندوں کو محویت سے دانہ چگتے، واپس شاخوں پر بیٹھتے، کھیلتے اور تھوڑی دیر بعد اتر کر پھر دانہ چگتے دیکھ کر چہرہ پر تبسم چھا جاتا۔ وہ سوچتا اللہ کتنا عظیم اور محبت کرنے والا ہے جو زمین کی تاریکیوں سے لے کر بحر و بر تک ہر مخلوق کے رزق کا انتظام کرتا ہے۔ شہنشاہ ہفت اقلیم نانا تاج الدینؒ نے بھی کیا خوب فرمایا ہے:

اجگر کریں نہ چاکری ، پنچھی کریں نہ کام
داس ملوکا کہہ گئے سب کے داتا رام

www.ksars.org

تاج ملت و دین، حامل علم لدنی، واقف اسرار کائنات حضرت سید محمد تاج الدینؒ وہ مبارک ہستی ہیں جن کی عظمت کا حال لکھنا ناچیز کے بس میں نہیں۔ باباتاج الدینؒ کے نواسے ابدالِ حق حضور قلندر باباولیاؒ کا ارشاد ہے،

"ناناتاج الدینؒ جیسی برگزیدہ ہستی ساڑھے تین ہزار سال میں اللہ اپنے خصوصی کرم سے پیدا کرتا ہے۔ یہ ساری کائنات چار نورانی آبشاروں پر قائم ہے۔ ناناتاج الدینؒ کی عظمت کا حال یہ ہے کہ نور اور تجلیات کی ان چاروں آبشاروں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتے ہیں کہ ایک قطرہ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ سے قربت کا عالم یہ ہے کہ حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے اپنے فرزند کی کوئی بات کبھی نامنظور نہیں کی۔"

ناناتاج الدینؒ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ داس ملوکا ان کا تخلص ہے جس کے معنی اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ کی ربوبیت کا ذکر کرتے ہوئے ناناصاحبؒ فرماتے ہیں کہ "چوپائے ملازمت نہیں کرتے اور پرندے کاروبار نہیں کرتے جب کہ رزق انہیں ملتا رہتا ہے۔ داس ملوکا کا کہنا ہے کہ دوستو! سب کی پرورش کرنے والا اللہ ہے۔"

کتاب باباتاج الدینؒ میں تحریر ہے کہ تمام عالم اللہ کے نظامِ تکوین میں سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جو سات (ہفت) اقلیم کہلاتے ہیں۔ چناں چہ باعث تخلیق کائنات حضور پاک ﷺ کا وہ نائب جس کے انتظام و اختیار میں ساتوں اقلیم ہیں، شہنشاہ ہفت اقلیم کہلاتا ہے۔ یہ اعزاز ناناتاج الدینؒ کو حاصل ہے۔

ناناتاج الدین ناگپوریؒ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ کرامت ہے۔ ان کا ذہن ذات الٰہی کی تجلیات میں اس قدر محو ہوتا تھا کہ خرق عادت بطور عادت ان سے صادر ہوتی۔ لفظ کیا ادا ہوتے، بگڑی بن جاتی۔ ناناصاحبؒ نے مسلسل 35 سال عوام میں رہ کر لوگوں کے مسائل حل کیے اور روحانی تربیت کی۔ کوئی ضرورت منداس شفیق و انسان دوست ہستی کے گھر سے خالی نہیں لوٹا۔ اولیاء اللہ کا فیض کبھی محل و وقوع کا پابند نہیں رہا۔ دور دراز رہنے والے عقیدت مند آستانہ پر آئے بغیر نانا صاحبؒ کی توجہ سے راحت پاتے۔ جن وانس کے ساتھ تمام مخلوقات ان کے تابع فرمان تھیں۔

نوجوان عثمان اسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کی حیثیت سے ناگ پور میں تعینات ہوا۔ جبل پور کا رہنے والا تھا۔ ناگ پور میں اس کے تین ہم وطن عبدالغفار، فضل کریم اور عباسی تھے۔ ملاقات ہوئی تو طے ہوا کہ شہر جا کر چائے پئیں گے اور موقع ملا تو بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دیں گے۔

www.ksars.org

سارے راستے یہی گفتگو ہوتی رہی۔ بات سے بات نکلی تو ذکر معراج کا آیا۔ فضل کریم روحانی اور عبدالغفار جسمانی معراج کے قائل تھے۔ شکر درہ پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ ایک فوٹو گرافر باباصاحبؒ کی تصویر لینا چاہتا ہے اور باباصاحب ایسا نہیں چاہتے۔ وہ ذاتِ الٰہی میں اس قدر محو رہتے تھے کہ مصنوعی روشنی سے ان کی تصویر کھینچنا ممکن نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ناناتاج الدینؒ کا گروپ فوٹو لیا گیا تو تصویر میں ان کی جگہ خالی تھی۔ خیر! بہت اصرار کے بعد کرسی پر بیٹھے لیکن جیسے ہی بٹن دبتا، باباصاحبؒ ہل جاتے۔

فوٹو گرافر افسردگی سے بولا، "باباصاحبؒ میں تو آپ کی تصویر فروخت کر کے بال بچوں کا پیٹ پالنے کی فکر میں تھا مگر آپ کو ذرا خیال نہیں۔"

"کیا بولا رے، کیا بولا!" باباصاحبؒ تڑپ گئے۔ "لے، اچھا اتار لے مٹی کی تصویر!"۔ تصویر کھینچ لی گئی۔ فوٹو گرافر نہال ہو گیا۔

بابا کی نگاہ ناگ پور سے آئے چار دوستوں پر پڑی تو تیوری پر بل پڑ گئے اور فرمایا، "انگریزی پڑھ کر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کو معراج روحانی ہوئی تھی!"

چاروں چونک گئے اور باباتاج الدینؒ حجرہ کی طرف چل دیئے۔ ہمت نہیں ہوئی کہ ان کے سامنے جائیں۔ واپسی کا ارادہ کیا مگر عثمان اور عبدالغفار آگے بڑھے۔

ایک خدمت گار باباصاحبؒ کے پاؤں دبا رہا تھا۔

باباصاحبؒ نے اسے روکا اور عبدالغفار کی طرف دیکھ کر بولے۔ "لے رے لڑکے، تو پیر دبا۔"

عثمان نے شامل ہونا چاہا لیکن باباتاج الدینؒ نے منع کر دیا۔

عبدالغفار نے پنڈلی کو ہاتھ لگایا تو بے حد سخت تھی۔ باباصاحبؒ نے پٹھے اکڑا لیے تھے۔ دو منٹ کے بعد ہاتھ روکتے ہوئے کہا، "بابا! آپ تو پنڈلی اکڑائے بیٹھے ہیں، پاؤں کیسے دباؤں؟"

"تو ڈھیلی کر لے نا، سائنس کا زور!"

"اس میں سائنس کام نہیں آتی۔ آپ خود پاؤں ڈھیلا چھوڑ دیجیے۔" باباتاج الدینؒ پہلے ہنسے اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا، "تو اچھا لڑکا ہے، بتا کیا چاہتا ہے؟"

"بابا! پڑھ لکھ کر تو نوکری مل جائے گی لیکن اللہ کیسے ملے؟"

وہ قدرے چونک کر فرمانے لگے، "محنت کرتے، بچے پالتے، اللہ مل جاتا جی۔"

www.ksars.org

فضل کریم اور عباسی داخل ہوئے تو وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیوں رے! اب بتا حضور پاک ﷺ کو معراج روحانی ہوئی تھی یا جسمانی؟"

دونوں خاموش رہے۔ عبدالغفار فوراً بولا، "بابا غلطی ہوئی، معاف کر دو۔"

فرمایا، "کرسی پر بیٹھو گے، فوٹو اترواؤ گے، پھر سمجھ میں آئے گا۔ اچھا اب تم جاؤ۔"

اسی لمحہ عثمان کو بنکٹ راؤ گارڈ کونے میں بیٹھا نظر آیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے بابا تاج الدینؒ کو دیکھے جا رہا تھا۔ بنکٹ راؤ کو ساڑھے چھ بجے والی گاڑی لے کر بمبئی جانا تھا۔ پندرہ منٹ رہ گئے تھے اور اس نے وردی بھی نہیں پہنی تھی۔ وقت کم تھا اور اسٹیشن کا فاصلہ زیادہ۔ پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ بابا صاحبؒ نے بنکٹ راؤ کو سلیمان کہہ کر مخاطب کیا اور آہستہ سے کچھ کہا۔ بنکٹ راؤ مسکرا دیا مگر اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

چاروں دوست بابا صاحبؒ کی روشن ضمیری سے متاثر ہو کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

راستہ میں عثمان نے کہا، بنکٹ راؤ کو ساڑھے چھ بجے مسافروں کو لے کر آٹاری جانا ہے، ایک منٹ رہ گیا ہے لیکن وہ تو بابا صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہے۔ فضل کریم نے پوچھا کہ یہ وہی گارڈ تو نہیں جو دوہری شخصیت کی وجہ سے مشہور ہے۔ بیک وقت بابا کے پاس بھی رہتا ہے اور ڈیوٹی پر بھی۔ سنا ہے بابا صاحبؒ کا خاص معتقد اور فنافی الشیخ ہے۔

چاروں نے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پہ قدم رکھا ہی تھا کہ ریل کی سیٹی بجی اور مسافروں کو لے کر گاڑی اٹاری روانہ ہوئی۔ گارڈ کا ڈبا سامنے سے گزرا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بنکٹ راؤ وردی میں ملبوس سبز جھنڈی لہرا رہا ہے۔ اس نے انہیں سر کی جنبش سے سلام کیا اور دور تک مسکراتا رہا۔

بنکٹ راؤ کا اتنے کم وقت میں اسٹیشن پہنچنا معمہ بن گیا۔ ایک ساتھی نے تجویز دی کی بابا صاحبؒ کے پاس واپس جا کر واقعہ کی تصدیق کرنی چاہیئے۔ دوبارہ شکر درہ پہنچے۔ فضل کریم اور عباسی بابا صاحبؒ کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ عبدالغفار اور عثمان نے ہمت کی۔

حجرہ سے میلاد شریف کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ جھانک کر دیکھا سلام پڑھا جا رہا تھا۔ بابا تاج الدینؒ حالتِ وجد میں جھوم رہے تھے اور بنکٹ راؤ ان کے قریب مودب کھڑا تھا۔ باباجیؒ کی آنکھیں بند اور اشک رواں تھے، "ارے فوج! درود پڑھو۔ بڑے سرکار ﷺ کی سواری آ رہی ہے۔"

درود کی صدائیں بلند ہوئیں اور لطیف خوشبو پھیل گئی۔ سلام پڑھا جا چکا تھا۔

www.ksars.org

باباصاحبؒ فرش پر بیٹھ گئے۔اور بنکٹ راؤ فاصلہ پر۔ عثمان اور عبدالغفار دونوں حجرے کے دروازہ کی اوٹ میں کھڑے تھے۔ وہ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر الٹے پاؤں پھاٹک کی جانب بھاگے۔ پھر عجیب منظر دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔ باباصاحبؒ خود ان کے سامنے موجود تھے اور ان پر جلال کی کیفیت طاری تھی۔انہوں نے پلٹ کر حجرہ کی طرف دیکھا تو آنکھوں پر اعتبار نہ ایا۔ باباصاحبؒ حجرہ میں تھے۔ سوچا شاید دوسرے بزرگ ہوں۔ لیکن باباصاحبؒ کی آواز نے شبہ دور کر دیا۔

راستہ ایک تھا۔ کب اور کیسے وہاں پہنچے حیران و پریشان تھے۔

"انگریزی پڑھنے والو! ، بتاؤ، حضور ﷺ کو روحانی معراج ہوئی تھی؟" باباتاج الدینؒ کی آواز میں غصہ غالب تھا۔ "اب لڑاؤ اپنی سائنس!"

حضرت باباتاج الدینؒ سے ہر مذہب و ملت اور عقیدہ کے لوگوں نے فیض پایا۔ فیض کا دریا بنجر و خشک اور زرخیز زمین دونوں کو بغیر کسی امتیاز کے سیراب کرتا تھا۔ ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق باباصاحبؒ کی نظر کرم سے مستفیض ہوتا تھا۔
جناب بہادر پرشاد صاحب بیان کرتے ہیں کہ "ایک سادھو سے ملاقات کے دوران باباتاج الدینؒ کا ذکر آیا تو انہوں نے ناک بھوں چڑھا کر کہا، ہم ہندوؤں کے یوگ میں کس چیز کی کمی ہے جو تم ایک مسلمان فقیر کے والہ وشیدا ہو رہے ہو؟ میں نے ان سے کہا، آپ باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تو دیکھئے۔ چناں چہ میں سادھو صاحب کو لے کر شکر درہ حاضر ہوا۔ باباتاج الدینؒ محل کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ ہم دور کھڑے ہو کر محل کی طرف ٹکٹکی باندھ کر درشن کا انتظار کرنے لگے۔ یکایک دیکھا جس جگہ کھڑے ہیں وہاں محل ہے نہ کوئی آشرم۔ کبھی ندی کنارہ شنکر جی کا درشن کرتے ہیں کبھی رام چندر جی کو دیکھتے ہیں اور کبھی خود کو کرشن جی کے پاس دیکھتے ہیں۔ ہم نے ایک لمحہ میں سارے اوتاروں کے درشن کر لئے۔ اتنے میں لوگوں کی آوازیں گونج اٹھیں۔
اب ہم ایک بار پھر شکر درہ کے محل کے سامنے ہیں اور ہمارے باباتاج الدینؒ کھڑے ہیں۔ بے اختیار قدموں میں گر پڑے اور اس کے بعد جو گزری وہ پربھو ہی جانتے ہیں۔"
(حضرت باباتاج الدینؒ کی کرامات کتاب "باباتاج الدینؒ" سے مختصراً تحریر کی گئی ہیں)
پرندوں کی چہچہاہٹ اسے واپس پاکستان لے آئی۔ خیالوں ہی خیالوں میں وہ ناگ پور پہنچ گیا تھا۔ باہر کی دنیا سے اندر کی جانب متوجہ ہوا تو ناگ پور کی گلیاں، بازار، چوبارے، مکانات، چار دوستوں کا سفر، اسٹیشن پر گہما گہمی، سیٹی بجنا، چلتی ہوئی

www.ksars.org

ٹرین پر وردی میں ملبوس جھنڈی لہراتا مسکراتا بنکٹ راؤ، شکر درہ کا محل، ناناتاج الدینؒ اور ان کا آستانہ۔۔۔ سارے لفظ منظر بن گئے۔

تخیل بھی عجب شے ہے۔ جو نہیں دیکھا وہ دکھا دیتا ہے، جو سنا نہیں وہ سنا دیتا ہے، جو سمجھا نہیں سمجھا دیتا اور جو کہا نہیں کہلا دیتا ہے۔ مرشد کریم یہ بات کئی بار سمجھا چکے ہیں کہ نشریاتی ہیڈ کوارٹر سے نکلنے والی لہریں جب سیٹلائیٹ کے ذریعے زمان و مکان کی کسی حد تک نفی کرتے ہوئے مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، جنوب سے شمال تک پہنچتی ہیں تو ایک فرد کتنے گھروں میں پہنچ جاتا ہے۔ خدوخال اور آواز میں فرق نہیں ہوتا۔ پھر ٹی وی سے باہر کسی کا بیک وقت متعدد جگہ پر موجود ہونا انہونی بات کیوں ہے؟

مواصلاتی نظام کو یہ صلاحیت کس نے دی؟ محقق نے۔

محقق اس صلاحیت کو براہ راست اپنے لیے استعمال کیوں نہیں کر سکتا۔۔؟

خیال نے کہا، قانون سے تو وہ واقف ہے بس اندر کی تاروں کو تار ملانے کی دیر ہے۔ اندر کی تاریں جڑ کر جب سوئچ بورڈ پر لگیں گی تو من کی دنیا روشن ہو جائے گی۔

سوچ رہا تھا جس بات کو ہم انہونی کہتے ہیں وہ اولیاءاللہ کے لئے ہونی ہے۔

خیال نے پھر راہ نمائی کی اور کہا، کائنات روشنی ہے، روشنی حدود سے آزاد ہے اور حضور پاک ﷺ کے روحانی علوم کے وارث اولیاءاللہ روشنی سے واقف ہیں۔ ناناتاج الدینؒ شہنشاہ ہفت اقلیم ہیں۔ جہاں جہاں روشنی ہے ناناتاج الدینؒ وہاں ہیں۔ لیکن ان کو دیکھنے والی نگاہ ہر جگہ نہیں اس لیے آدمی ہونی کو انہونی کہتا ہے۔

www.ksars.org

پہلا دوسرا کچھ نہیں

گھر کے دائیں جانب درخت پر ہمیشہ خزاں رہتی۔ نہیں معلوم یہ درخت پتوں سے خالی کیوں تھا۔

جب
کہ جس زمین پر یہ آباد تھا وہاں چاروں طرف گھاس تھی۔ ہرے بھرے پتوں سے خالی ٹہنیاں اسے اداس کر دیتیں لیکن دور دراز کا سفر طے کر کے خوش رنگ اور خوش آواز پرندوں کا کوئی جوڑا جب کچھ دنوں کے لئے اس درخت پر بسیرا کرتا تو بے موسم بہار آجاتی۔ درخت کی ایک اونچی شاخ پر گھونسلہ تھا جو کوؤں نے بنایا تھا۔ پھر وہ کسی نئی جگہ آباد ہو گئے اور یہ گھونسلہ اب سرائے بن گیا۔

قدرت کی ننھی منی رنگ برنگی، کومل اور ملائم، الگ الگ سُروں کو بکھیرنے والی اس مخلوق کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ کتنے پرندے یہاں آتے ہیں لیکن کوئل کیوں نہیں آتی۔۔۔؟ خوشی کی انتہا نہ رہی جب اگلے روز ان پرندوں میں کوئل کی کوک بھی شامل تھی لیکن کوئل نظر نہیں آئی۔ وہ گھر کے دئیں جانب مڑا تو اجاڑ درخت کی اونچی شاخ پر گھونسلے کے پاس سیاہ رنگ کے پرندے کا جوڑا بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کوک گونجی اور سہانی شام مسحور ہو گئی۔ کتنی دیر میٹھے رسیلے سُروں سے خوش ہوتا رہا۔ اس نے سوچا زندگی ان میٹھے رس بھرے سُروں میں ہے۔

اندر سے کوئی مسکرایا اور کہا، یہ سُر تو ختم ہو جائیں گے۔

پھر زندگی کیا ہے۔۔۔؟ اس نے خود سے پوچھا۔

جواب آیا اس ہستی سے واقف ہونا زندگی ہے جس نے ان سُروں کو بنایا۔

اور اسے کئی سال پہلے مرشد کریم کی کہی بات یاد آگئی۔

امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا۔ مرشد کریم کے پاس آیا اور اپنی خوشی میں ان کو بھی شامل کیا۔ انہوں نے مبارک باد اور دعائیں دیں اور فرمایا "یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ کو کامیابی ملی لیکن یہ اصل کامیابی نہین۔۔ جب تک بندہ زندگی کے مقصد سے واقف نہ ہو جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو گا اور زندگی کا مقصد اللہ کو جاننا ہے۔"

کوئل کی سریلی آواز نے ڈھلتی شام کا احساس دلایا۔ وہ مسکرا دیا کہ خیال سے خیال ملتا ہے اور وہ یہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے اور پھر یہی خیال اسے کہاں سے یہاں لے آتا ہے۔ کسی اور کے لیے خزاں رسیدہ درخت پر

www.ksars.org

کوئل کا ہونا کشش نہ رکھتا ہو لیکن اس کے لیے دلچسپ تھا۔ شاید یہ آواز پہلے سے اس کے اندر کہیں موجود تھی۔ ماضی کے دریچوں سے وہ واپس آیا اور واپس آکر پھر ماضی میں چلا گیا۔ اس بار کوئل اس کے من کے تاروں کو چھیڑتی۔ دنوں، مہینوں اور برسوں کو لمحہ سے بھی کم وقت میں طے کر کے بچپن میں لے گئی اور شام گہری رات کی خاموشی میں بدل گئی۔

تاروں بھری رات میں اچانک بانسری کی آواز سنائی دی وہ حیرت زدہ ہو کر ٹیرس پر گیا۔ چاند کا چہرہ اتنا پر نور تھا جیسے سجدہ میں ہو۔ ستارے بھی عبادت میں مگن، منور تھے۔ زمین پر ہر طرف سناٹا تھا۔ بانسری کی آواز کی لہریں سناٹے کو توڑتی ہوئی دل کے اس حصہ سے ٹکرائیں جہاں احساسات بنتے اور محسوس ہوتے ہیں۔ وہ بانسری کا دیوانہ تھا۔ یہ آواز اس کے اندر ان تاروں کو چھیڑتی جو اسے کسی کھوج کی طرف مائل کرتے۔ خاموشی سے بیٹھ کر بانسری سننے لگا۔ بجانے والا کون تھا، غرض نہیں تھی۔ نانی اماں جب بانسری کے لیے اس کا یہ شوق دیکھتیں تو پریشان ہو جاتیں اور فوراً وہاں سے ہٹا دیتیں کہ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے اور وہ ہنس پڑتا۔

کوئل اور بانسری کی آواز میں کتنی مماثلت ہے۔ جو کھوج، کسک اور کشش کوئل کی کوک میں ہے وہ بانسری کے سُروں میں ہے۔ کہیں پڑھا تھا کہ جو ساز بنے سانس سے زندہ ہوتے ہیں ان کا پہلا سُر، چاہے وہ کسی لے یا انگ رنگ سے ہو، سرمدی ہوتا ہے۔ اس نے سوچا پہلا سُر سرمدی ہوتا ہے تو دوسرا کیوں نہیں، دوسرا سانس بھی تو پہلا ہوتا ہے۔

خیال نے بتایا پہلا اور دوسرا کچھ نہیں، جو ہے بس سانس ہے اور یہ سانس خود کو بار بار دہرا رہا ہے۔

بجانے والا جب صفاتِ الٰہی میں مگن ہو تو ہر سُر سرمدی ہو جاتا ہے۔ وہ جو کچھ بولتا ہے کیئر آف اللہ بولتا ہے۔

پرندوں کی آواز، بانسری کی آواز، سرسراتے پتوں کی آواز، ہوا کی آواز اور اس کے اندر کی آواز۔۔

ہر طرف آوازیں ہیں۔۔ یہ آوازیں نہیں ساز ہیں۔ اتنا سوچ کر اس نے ہاتھ میں موجود کتاب کھولی تو اول صفحہ پر مرشد کریم کی روشن تحریر جگمگا رہی تھی اور عنوان تھا،

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے

بج رہا ہے اور بے آواز ہے

اس نے توجہ باہر کی دنیا سے ہٹا کر اندر کی دنیا کی طرف مرکوز کر دی۔ لکھا تھا،

"آواز تو آپ سنتے رہتے ہیں جو نہیں سنتے وہ بھی سنتے ہیں اس لیے کہ ہم جو کچھ بولتے ہیں وہ ریکارڈ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے قانون کے مطابق آواز کی طولِ موج (wave length) ختم نہیں ہوتی۔۔ برقرار رہتی ہے۔ یہ

www.ksars.org

مرحلہ اظہار بیان سے مخفی ہے کہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں اور آوازوں کی ویولینتھ کس قانون کے تحت تسلسل سے جاری ہے۔۔؟آواز کی لہروں کا اور لہروں کے مدوجزر کا ایک ضابطہ ہے اور یہ ضابطہ علم ہے۔ جس طرح ہر شے بولتی ہے بانسری بھی آہ وفریاد کرتی ہے۔ بانسری کی آواز سنیے۔ سوچئے وہ کیا بول رہی ہے۔

بانسری اپنے کنبہ برادری میں، کنبہ کے افراد کے ساتھ جنگل میں رہتی تھی۔ کھلا آسمان تھا، زمین پر قطار در قطار درختوں کے قافلے تھے، اودے اودے نیلے نیلے پیرہن، پھولوں سے برات سجی ہوئی تھی، فضا میں عطر بیز خوشبوؤں کے طوفان اٹھتے تھے۔ دن کی روشنی میں پرندوں کے غول ترانے گاتے ہوئے اڑتے تھے۔ غزال چوکڑیاں بھرتے ہوئے ادھر اُدھر محور قص تھے۔ ندی، نالے، دریا، سمندر، زمین کی زینت تھے۔ خمار آلود سبک رفتار ہوائیں چلتی تھیں۔ آسمان پر کہکشاں سجی ہوئی تھی۔ دن چین، رات سکون کا گہوارہ تھی۔"

بقیہ کہانی مرشد کریم نے بانسری کی زبانی سنائی۔۔۔

"میں اپنے کنبہ برادری کے ساتھ محو استراحت تھی کہ کوئی ابلتی آنکھوں والا خشک چہرہ آیا اور مجھے اغوا کر لیا۔ میں قیدی بن کر آ گئی۔ پھر یہ ہوا کہ اس خشک چہرہ آدمی نے میرے انگ انگ میں کسی نوکیلی چیز سے سوراخ کر دیئے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ میرے چہرہ کو مسخ کر کے مجھے سانپ کا پھن بنا دیا۔ مجھے تو اب بھی یہ معلوم نہیں کہ میں کس دیس کی باسی ہوں۔۔ میں کیا ہوں۔۔ میرا کنبہ، قبیلہ، خاندان کہاں غائب ہو گیا۔۔؟

بے رحم آدمی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ میرے جسم میں گھاؤ ڈال دیئے۔ جب آدمی میرے منہ کو اپنے ہونٹوں میں قید کر کے سانس کی دھونکنی سے مجھے تکلیف دیتا ہے، میں آہ وزاری کرتی ہوں اور جدائی کی تڑپ میں فریاد کرتی ہوں۔ میں سوال کرتی ہوں کہ اگر کسی کو اس کے قبیلہ، خاندان، اس کے بہن بھائی اور ماں باپ سے جدا کر دیا جائے تو کیا وہ میری طرح آہ وزاری نہیں کرتا۔۔؟

آدمی جب میرے جسم میں اپنی توانائی اس لئے داخل کرتا ہے کہ آدم زاد اس سے خوش ہوں، متاثر ہوں اور سننے والے کی دنیا زیر وزبر ہو جائے تو میں اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرتی ہوں کہ۔۔ اضطراب، بے چینی اور جدائی کا عذاب آدمی کو بھی ملا ہے جس نے ظلم کر کے میری آزادی کو سلب کیا ہے اور خاندان میں اضطراب کی دراڑیں ڈال دی ہیں۔ جب میں دیکھتی ہوں کہ آدمی خود اپنے کیے پر شرمندہ تو نہیں لیکن اضطراب کی آگ اسے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، اس سے تکلیف تو کم نہیں ہوتی لیکن یہ بات میرے باطن میں روشن ہو جاتی ہے کہ جدائی کا اضطراب آدمی کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔"

www.ksars.org

کتنی دیر مرشد کریم کے لکھے گئے لفظوں پر غور کرتا رہا اور خود سے پوچھا کہ بانسری کیا ہے۔۔؟اس کا خاندان اور کنبہ برادری کون ہے۔ کیوں آدمی بانسری کو جدائی کی ناقابل بیان تکلیف دے رہا ہے اور خود بھی بے سکون ہے۔ مرشد پڑھنے والوں، اپنے بچوں، بیٹیوں اور بیٹوں کو جوان کے شاگرد بھی ہیں، کیا سمجھانا چاہتے ہیں۔؟

ذہن میں خیال آیا۔ اس نے بانسری کی جگہ اس خیال کو رکھ کر ایک بار پھر بانسری کی کہانی پڑھی۔

خیال نے بتایا بانسری، بانسری، روح کی آواز ہے۔ روح کی فطرت میں آزادی ہے لیکن آدمی نے روح کو مٹی کے جسم میں قید کر دیا ہے اور یہ قید دونوں کو مضطرب رکھتی ہے۔ روح خالق کا وصال چاہتی ہے لیکن خاک، خاک میں مل جانے پر مصر ہے۔ فراق کی گھڑیاں روح کے لیے قیامت ہیں لیکن خاک بھی چین سے نہیں۔ بظاہر پتلا نظر آتا ہے مگر منتشر ہے۔ اس انتشار نے زمین پر موجود کتنے قوانین اور چیزوں کی شکل مسخ کر دی ہے۔ خود آدمی کی صورت بھی وہ نہیں رہی جس پر وہ پیدا ہوا تھا۔ خاک نے اپنی بدنیتوں، کثافتوں اور بداعمالیوں سے روح کو ایسے گھاؤ دیئے ہیں کہ جب وہ آہ وزاری کرتی ہے تو ماں زمین بھی اس کرب کو محسوس کرتی ہے۔ زمین کی خوب صورتی راحت و ترتیب میں ہے لیکن خاک نے خاکسار نہ ہو کر اسے فراق کا وہ غم دیا کہ صورت بگڑ چکی ہے اور دامن لہولہو ہے۔

باطنی علوم کے ماہرین بیان کرتے ہیں کہ دنیا سترہ بار ختم ہو کر دوبارہ آباد ہوئی ہے۔ تقریباً ہر دس ہزار سال بعد زمین میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں کہ سمندر کے نیچے کی زمین اوپر آجاتی ہے اور شہروں میں بسی آبادیاں پانی میں ڈوب جاتی ہیں۔ پہلے دنیا طوفان نوح سے ختم ہوئی تھی اور یہ طوفان ایک بڑھیا کے تنور سے شروع ہوا تھا جو عراق میں ہے۔ حضرت نوحؑ کا وطن موجودہ عراق تھا۔ کہتے ہیں کہ آج بھی تنور کے مقام پر سخت سڑی ہوئی بو پھیلی ہوئی ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ سال 2006 میں طوفان نوحؑ کو دس ہزار مکمل ہو چکے ہیں اور 2006ء کو بھی گزرے آٹھ سال ہو چکے ہیں۔

سوچا آئندہ دنیا کیسی ہوگی، مرشد کریم سے جانے لگا۔ لیکن ایسی بات پوچھتے ہمیشہ ڈرتا تھا۔ کون سے اچھے اعمال تھے اس کے جو وہ دنیا کا مستقبل پوچھے۔ کیا وہ نہیں جانتا جس ڈگر پر فرد، قوم اور اقوام عالم گامزن ہیں، وہ انھیں کہاں لے کر جا رہی ہے۔ اگرجو مرشد نے کہا کہ پہلے اپنا احتساب کرو پھر سوال کرو۔۔تو؟

اندر سے کسی نے کہا، کیا ہوا جو وہ ڈانٹ دیں کیا تمہاری انا اتنی بڑی ہے۔۔۔؟

www.ksars.org

وہ فوراً بولا، نہیں ایسی بات نہیں۔

اندر والا مسکرایا اور کہا، بات تو ایسی ہی ہے اگر ایسی نہیں تو پھر بتاؤ کیسی ہے۔۔۔؟

اس نے کہا، ڈانٹ سے میرا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے اور پھر بھی میں یہ نہیں چاہتا کہ میری بات مرشد کریم کی ناراضی اور ناگواری کا سبب بنے۔

اندر میں آواز نے کہا، اگر دوسری بات پہلے کہتے تو بہتر تھا لیکن تم نے تو پہلے خود کو رکھا۔ کیا یہ انا نہیں۔۔؟ مرشد کا پہلے سوچو گے تو خود سمیت کسی کے ذکر کی حاجت نہیں رہے گی۔

اسے غلطی کا احساس ہوا۔ اس زاویہ سے کبھی سوچا نہیں تھا۔ مہربانی اندر والے کی جو راہنمائی کی۔

اندر میں پھر کسی نے کہا، میرے دوست! احتساب لازمی ہے اور مرشد کا ادب بھی لیکن یاد رکھو! ڈر اور ادب میں فرق ہے۔ ڈر فاصلے پیدا کرتا ہے اور ادب۔۔۔ پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں!

ڈر اور ادب سے مرشد کریم کی بات یاد آگئی۔ ان کی شخصیت کتنی باوقار ہے اور وقار کی لہروں میں جو رعب ہے، مرید محسوس کرتا ہے اس لیے روحانی سلاسل میں "باادب بانصیب" پہلا سبق ہے۔ مرید وہ ہے جو ادب کو مرشد کی جسمانی طور پر موجودگی میں بھی ملحوظ خاطر رکھے اور غیر موجودگی میں بھی حاضر سمجھے، علمی نشست کے دوران اگر کسی کو ڈانٹ پڑ جاتی تو سب دہل کر خاموش ہو جاتے۔

یہ دیکھ کر شفیق مرشد نے سمجھایا۔۔ "میرے بچو! ڈر اور ادب میں فرق ہے۔ ڈر خوف کو بڑھاتا ہے اور ادب سے محبت بڑھتی ہے۔ میرے ہزاروں شاگرد ہیں۔ کیا میں سب کو ڈانٹتا ہوں؟ جسے ڈانٹتا ہوں اس کے لیے سعادت ہے۔"

یہ سننا تھا کہ سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور سب نے کلاس کی سرگرمی میں حصہ لیا۔

جب وہ کلاس کا حصہ بنا تو آخری نشستوں پر بیٹھتا تھا۔ آگے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور پیچھے بیٹھنے سے خوف بڑھ جاتا۔ اس کیفیت سے نکلنا چاہتا تھا۔ خیال نے راہ نمائی کی اور سمجھایا کہ معاشرہ کا سامنا کرنے کے لیے جو اعتماد بچہ کو باپ سے ملتا ہے وہ کسی اور سے نہیں مل سکتا۔ اور مرشد تو وہ شفیق باپ ہیں جو ماں بھی ہیں، دوست بھی ہیں اور استاد بھی، راہ بر بھی ہیں، راستہ اور منزل بھی، اتنے رشتے اور سارے مہربان۔۔۔ کوئی کیوں کر اور کیسے دور رہے۔ تم محدود

www.ksars.org

حواس میں رہتے ہو، بھلا تمہارا جواب بھی کیا جواب ہو گا۔ تمہارے مرشد کو اس سے غرض نہیں کہ جواب صحیح ہے یا غلط۔۔وہ تو یہ دیکھتے ہیں کہ کوشش کون کرتا ہے، بڑھ کر کون آتا ہے۔

باادب بانصیب۔۔بے ادب بے نصیب

یہ باتیں ہمت بڑھانے کے لیے کافی تھیں۔ سوچا مرشد کریم کی خدمت میں جب وہ بیٹھا ہو گا اور اسے خیال آئے کہ دنیا کے مستقبل کے بارے میں سوال پوچھنا ہے تو عرض کرے گا لیکن اگر ذرا بھی کھٹکا ہو گیا اور اندر والے نے خبر دار کیا کہ نہیں۔۔۔تو ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

www.ksars.org

مرید۔۔۔مرشد کے آئینہ میں دیکھتا ہے

بہت دنوں بعد مرشد کریم سے ملاقات ہوئی۔ تعظیم سے بیٹھ کر انہیں ایک کے بعد ایک مصروفیت نمٹاتے دیکھتا رہا۔ جب کبھی وہ ان کی شخصیت کو لفظوں میں بیان کرنے کی کوشش کرتا، محسوس ہوتا اس کے پاس وہ الفاظ نہیں جو اس وجیہہ اور واقفِ اسرار ہستی کے شایانِ شان ہوں۔ خواہش تھی ان کے بارے میں ویسے جذبات کا اظہار کرے جیسے وہ اپنے مرشد کے بارے فرماتے ہیں لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا کہ کہاں وہ اپنے مرشد کے لائق شاگرد اور کہاں میں نالائق!

خیال نے کہا مرشد لفظوں کی خوبصورتی کو نہیں دل کے خلوص کو دیکھتے ہیں۔ دل میں خلوص ہو تو ہر لفظ خالص ہو جاتا ہے۔

مرشد کی ذات اپنے مرشد کریم میں گم ہے اور اس تعلق میں اتنی گہرائی ہے کہ مریدین بھی اس محبت کو محسوس کرتے ہیں۔ اس مہربان ہستی کی شفقت میں آکر اس نے جانا کہ مرید وہ ہے جو مرشد کا عکس ہو اور اس کے مرشد ہو بہو اپنے مرشد کریم کا عکس ہیں۔۔۔ محبوب کا دل اور اللہ جانتے ہیں۔ بس محدود سوچ کو لفظوں کا روپ دے دیتا مگر یہ احساس ہمیشہ غالب رہتا کہ حق ادا ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ وہ عشق بھی کیا عشق کو بیان کرنے والے الفاظ ہمیشہ ناکافی ہوتے ہیں۔

مرشد اور مرید کی یہ کہانی۔۔۔ مرشد کی باتیں، ایک عظیم بندہ سے شروع ہوتی ہیں جس نے حضور پاک ﷺ کے حکم سے شاگرد کی تربیت کے لیے خود کو دنیا کے سامنے ظاہر کیا۔ خراماں خراماں ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھایا، اللہ کی محبت کا پودا من میں لگایا، پھول لگے۔۔ ایسے پھول جن کی خوشبو ابدی ہے خوشبو انگ انگ میں رچ بس کر چہار سو پھیل گئی۔ دور دور سے دیوانے آتے ہیں۔ من مندر میں محبت کے دیپ جلتے ہیں۔ ایک عالم روشن ہوتا ہے۔

مرشد۔۔ حضور قلندر بابا اولیاؒ کا لگایا ہوا وہ پودا ہیں جس کے پھولوں کی مہک ہوا کی طرح ہے۔ قریب رہنے والا بھی بامراد ہوتا ہے اور دور رہنے والا بھی فیض پاتا ہے۔ قلبی تعلق شرط ہے۔

یہ خوشبو ان کی اپنے مرشد سے محبت ہے۔ عشق و جنون کی داستان ہے۔۔ اور اس داستان پر ہزاروں پروانے نثار ہونا چاہتے ہیں۔

www.ksars.org

"مرشد کی جان سے جان ملتی ہے تو مرید کی جان بنتی ہے"

یہ وہ سنہرے الفاظ ہیں جو مہربان مرشد نے اپنے مرشد کریم کے لیے ادا کیے۔ طریقت کے نہ جانے کتنے قوانین اور عشق و جنون کے کون سے آداب اس قانون میں پنہاں ہیں یہ محب اور مرشد جانیں۔ آیئے دل اور دل کے دلدار کی باتیں کریں۔ مرشد کی جان کی باتیں کریں۔

سرور کونین، محبوب رب العالمین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کے نائب اور نظامِ تکوین میں صدر الصدور کے عہدہ پر فائز، واقفِ اسرارِ کن فیکون، حضور قلندر بابا اولیاؒ علم و عرفان اور آگہی کا وہ سمندر ہیں جس کی گہرائی سے صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ واقف ہیں۔ اپنے مرشد کا ذکر کرتے ہوئے مرشد کے لہجہ میں جو تڑپ اور جذبات میں والہانا پن اس نے محسوس کیا اسے لفظوں میں ڈھالنے کے لیے ذہن پر کافی زور دیا اور باآخر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ یہ عشق و جنون کی داستان ہے، اسے جتنا محسوس کیا جائے وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو مرشد کے دل میں ہے۔ سمجھ میں آتا ہے تو بس اتنا کہ ہر غرض سے پاک کر کے خود کو مرشد کی ذات میں فنا کر دینے کا نام مرید ہے۔ باقی سب باتیں ہیں۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ اور مرشد کریم یک جان دو قالب کیسے بنے مرشد کی زبانی سنیے۔

"ایک رات تہجد کی نماز کے بعد میں نے درود خضری پڑھتے ہوئے خود کو سیّدنا حضور سرور کائنات ﷺ کے دربار اقدس میں حاضر پایا۔ مشاہدہ کیا کہ حضورِ اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں۔

اس بندہ نے رسول اللہ ﷺ کے تخت کے سامنے دو زانو بیٹھ کر درخواست کی:

یا رسول اللہؐ، رحمتہ للعالمینؐ، جن و انس اور فرشتوں کے آقا، حامل کون و مکاں، مقام محمود کے مکین، اللہ کے ہم نشین، علم ذات کے امین، خیر البشر، میرے آقا! مجھے علم لدنی عطا فرما دیجئے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر نثار، آپؐ کو حضرت اویس قرنیؓ کا واسطہ، آپؐ کو حضرت ابو ذر غفاریؓ کا واسطہ، آپؐ کے رفیق حضرت ابو بکر صدیقؓ کا واسطہ، آپؐ کو بی بی فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حسنینؓ کا واسطہ، اپنے اس بندہ پر نظر کرم فرما دیجئے اور علم لدنی عطا فرما دیجئے۔

www.ksars.org

میرے آقا! آپؐ کو قرآن کریم کا واسطہ، آپؐ کو اسم اعظم کا واسطہ، آپؐ کو تمام پیغمبروں کا واسطہ، آپؐ کے جدامجد حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ایثار کا واسطہ، میرے آقا! میں آپؐ کے در کا بھکاری ہوں۔ آپؐ کے علاوہ کون ہے۔۔۔؟ کوئی نہیں! اللہ رب العالمین کے محبوب رحمتہ للعالمین بس آپؐ ہیں۔ آقا! میں غلام ہوں، غلام زادہ ہوں۔ میرے جدامجد حضرت ابوایوب انصاریؓ پر آپؐ کی خصوصی رحمت و شفقت کا واسطہ، مجھے نواز دیجئے۔

دریائے رحمت جوش میں آیا، فرمایا، کوئی ہے؟

دیکھا کہ حضور قلندر باباولیاءؒ دربار میں آکر مؤدب ایستادہ ہیں، اس طرح جیسے نماز میں نیت باندھے کھڑے ہوں۔ حضور باباجیؒ نے نہایت ادب واحترام سے فرمایا، یارسولؐ اللہ! میں آپؐ کا غلام حاضر ہوں۔

سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، تم اس کو کس رشتہ سے وراثت دینا چاہتے ہو؟

حضور باباصاحبؒ نے فرمایا، یارسول اللہؐ! اس کی والدہ میری بہن ہیں۔

سیّدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا،

خواجہ ابوایوب انصاریؓ کے بیٹے! ہم تجھے قبول کرتے ہیں۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ میں حضور قبلہ باباصاحبؒ کے پہلو میں کھڑا ہوں۔"

حضور قلندر باباولیاءؒ نے مرشد کریم کی روحانی تربیت کے لیے شب وروز 16 سال ان کے پاس قیام کیا۔ مرشد کریم فرماتے ہیں۔۔۔ ''مجھے اپنے باباجی قبلہؒ پر اتنا ناز ہے کہ شاید کسی کو ہو۔ جتنا یہ غلام ہمراز ہے، شاید کوئی نہ ہو۔ لطف وعنایت کی بارش جتنی اس عاجز و مسکین پر فرماتے ہیں، وہ خیال و تصور اور اظہار بیان سے بالا ہے۔''

اس نے سوچا، شیخ کی اس بات میں اپنے مرشد سے تعلق کی سچائی اور گہرائی کا بیان ہے۔ انہیں وہ نسبت عطا ہوئی ہے کہ محسوس ہوتا ہے مرشد اور مرید یک جان دو قالب ہوگئے ہیں۔

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

www.ksars.org

وہ ان کے اور حضور قلندر باباؒ اولیاؒ کی نسبتِ عشق پر غور کرتا ہے، دیگر اولیائے عظام کی حیات کا مطالعہ کرتا ہے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ وہ مرید محبوب ہو گیا جس نے مرشد کا ادب کیا۔

ایک مرتبہ حضور قلندر باباؒ اولیاؒ سے کسی نے شکایت کی۔

باباجیؒ نے فرمایا، ''وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔''

وجہ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا، ''میں نے اپنے اندر دیکھا اور سوال کیا کہ کیا میں ایسی بات کہہ سکتا ہوں۔ اندر سے آواز آئی میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ تو خواجہ صاحب کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

وہ سوچ رہا تھا کتنی بڑی بات ہے جب ایک استاد اپنے شاگرد کے لیے کہتا ہے کہ جو بات مجھ میں نہیں وہ اس میں نہیں، ادب اس قدر باادب ہوا کہ دوئی ختم ہو گئی۔ قلندر باباؒ اولیاؒ فرماتے ہیں،

''میں نے اپنے شاگرد کو پیس کر سرمہ بنا دیا ہے۔ کوئی چاہے تو آنکھوں میں لگا لے اور کوئی چاہے تو پھونک مار کر اڑا دے!''

روحانیت ادب ہے۔ ادب گہرا سمندر ہے۔ جیسے جیسے عشق کی منازل طے ہوتی ہیں ادب بڑھ جاتا ہے۔ اللہ نے عزازیل کو بہت علم عطا کیا۔ وہ فرشتوں کا سردار تھا لیکن ایک بے ادبی نے اسے قیامت تک کے لیے شیطان بنا دیا۔ دیکھا جائے تو شیطان کی بندگی کا یہ عالم کہ خالق کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا گوارا نہ کیا۔ یہ بھی عشق کا مقام ہے لیکن بہر حال اس نے حکم کی خلاف ورزی کی۔

بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ ہر کوئی روحانیت سیکھنا چاہتا ہے۔ اکثر اسے ایک پھونک کا کھیل سمجھتے ہیں کہ مرشد نے پھونک ماری اور مرید کی اندھی آنکھ بینا ہو گئی۔ جانتا تھا یہ بات اگر صاحب علم کے سامنے کہے تو بات بے بات بن جائے گی۔

ذہن میں سوال آیا۔۔ جب ہر شخص روحانیت سیکھنا چاہتا ہے اور یہ ادب سے ملتی ہے پھر یہ جانتے ہوئے بھی ہم بے ادب کیوں ہیں اور شکوہ بھی کرتے ہیں کہ بیعت کو اتنا عرصہ ہوا لیکن آنکھ نہیں کھلی؟ خیال نے کہا۔۔ قول و فعل میں تضاد ہے۔ مرشد سے محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن محبت ادب سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مرید ریڈیو بن جاتا ہے اور آواز مرشد کی ہوتی ہے۔

www.ksars.org

مرشد کریم سے ملاقات ہوئی تو بات چیت کے دوران انہوں نے قصہ سنایا۔"ایک شخص کے پاس نہایت میلی کچیلی مٹی کی دو ہانڈیاں تھیں۔دو مختلف لوگوں کو دے کر پوچھا کتنے روز میں صاف کر دو گے؟ پہلے نے کہا چالیس دن اور دوسرے نے کہا، ایک دن میں۔پہلا شخص روز ہانڈی کو کھرچتا، پانی ڈال کر ہلکی آنچ میں گرم کرتا، میل نرم ہوا اور تہ در تہ ختم ہوتا رہا۔یوں روزانہ کی محنت سے چالیس روز میں برتن صاف ہو گیا۔دوسرے شخص نے ہانڈی کے چاروں طرف تیز آگ لگا دی۔ہانڈی تو صاف ہو گئی لیکن اس قدر کمزور ہوئی کہ ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ گئی۔برتن دونوں نے صاف کیے مگر ایک کی ترکیب کارگر رہی اور دوسرے کی بے کار ہو گئی۔"

فرمایا۔"کمال یہ نہیں کہ طاقت کا مظاہرہ ہو، کمال یہ ہے کہ تربیت کر کے اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ طاقت کا متحمل ہو سکے۔اب مرشد محنت کرتا ہے لیکن اگر مرید خود کو پاک کرنے کے لیے کوشش نہ کرے تو کیا مرشد نے جو کھانا بنایا ہے وہ اس برتن (مرید) میں ڈالے گا۔۔؟

سمجھ گیا کہ وہ کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔ادب کی قدر بے ادب کیا جانے! نظر کھلنا لوگوں کو بظاہر ایک پھونک کا عمل لگتا ہے لیکن ایسا سوچنے والے یہ نہیں جانتے کہ وہ شخص ادب کی کتنی منازل طے کر کے آیا ہے۔سوال ذہن میں آیا کہ ادب کو کیسے سمجھا جائے؟

کریم و شفیق مرشد نے بات جاری رکھی اور فرمایا۔"ہر شے گزر جانے والی ہے۔خود کو اللہ کے سپرد کرنا بندگی ہے اور بندگی ادب ہے۔حضور قلندر بابا اولیاؒ نے فرمایا جو بات مجھ میں نہیں وہ خواجہ صاحب میں بھی نہیں۔اپنے نفس کو مارنا، سرمہ بننا آسان نہیں۔جب آدمی پستا ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔ہر کام کیئر آف اللہ (Care Of Allah) کرو۔جو اللہ کرتا ہے وہی صحیح ہے، یہی فقیری ہے۔یک در گیر و محکم بگیر!"

صرف جسمانی طور پر موجود ہونا موجودگی نہیں، تصور بھی حضوری ہے۔ذہن میں آئی باتوں کے جواب بنا سوال پوچھے ملاقات میں مل گئے تھے۔اس نے سوچا وہ صاحب یقین ہستی کے تصور میں رہتا ہے اس لیے کچھ بھی سوچتے ہوئے احتیاط کی ضرورت ہے۔

کیا تم بھی نظر کھلنے کی خواہش رکھتے ہو۔۔۔؟ خیال نے پوچھا۔

نہیں۔

کیوں۔۔؟

www.ksars.org

اس طرف خیال نہیں جاتا۔

اگر خیال آجائے تو۔۔۔؟

شرم محسوس کرتا ہوں کہ کیا میں اس لیے ان کے پاس جاتا ہوں کہ میری نظر کھلے اور زمین کے اندر مدفون خزانے نظر آئیں یا آسمانوں میں فرشتوں کو دیکھوں۔۔۔؟ نہیں نہیں! یہ عشق میں ملاوٹ ہے اور عشق میں ملاوٹ محبت کے لیے ناسور ہے۔ اگر نظر کھل بھی جائے تو کیا۔۔۔؟ جو زخم اندر بن گئے ہیں ان کا مداوا تو نہیں ہو گا۔

خیال نے پوچھا، پھر کیا چاہتے ہو۔۔۔؟

بہت چھوٹا منہ اور بہت بڑی بات۔۔ شیخ کے خیال میں بے خیال ہونا چاہتا ہوں۔ ان کے دل میں وہ مقام چاہتا ہوں جو ان کے لیے ان کے مرشد کے دل میں ہے۔ اتنا کہا تھا کہ ذہن میں ایک نقش ابھرا جس سے خالی الذہن ہو کر ایک طرف متوجہ ہو گیا۔ چکا چوند ہوئی۔ آواز آئی۔۔۔۔

وَا ذ کرِ اسم ربّك وَ تبتل الیه تبتیلا

"اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔" (المزمل: ۴)

شرح صدر ہوا اور سمجھ میں یہ آیا کہ الگ ہونے کا مطلب اندھیرا کوٹھری میں بیٹھنا یا تارک الدنیا ہونا نہیں بلکہ بندہ ہر عمل کیئر آف اللہ کرے۔ مرشد یہی طرز فکر تو عطا کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ہے۔ مرشد وہ راہ نما ہے جو مرید کی طرز فکر کو ایسے قالب میں ڈھال لیتا ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت مرید کی سیرت بن جاتی ہے۔

"کہہ دیجیئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہاں کا۔" (الانعام: ۱۶۲)

اس نے خیال سے کہا کیا باپ سے کوئی اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ جائداد میں حصہ دے گا۔۔۔؟ باپ سے محبت، باپ کی محبت میں کی جاتی ہے۔ مرشد روحانی استاد۔۔۔ شفیق باپ ہیں۔ ان کے پاس جا کر میں ان سے ان کے علاوہ کچھ اور مانگوں۔۔۔؟

www.ksars.org

نقابِ کائنات

حضور قلندر باباؒاولیاؒ اسرار الٰہی کا بحر ذخار ہیں۔ وہ کتاب "تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ" کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں ان کی ذات سے صادر ہونے والی بے شمار کرامات میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے وہ اس صفحہ پر پہنچا جہاں حضور بابا جیؒ کی وہ تحریر شامل ہے جو انہوں نے کسی خط کے جواب میں لکھوائی۔ یہ جواب، جواب نہیں نظامِ کائنات کے حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے، قرآن کریم کی متعدد آیتوں کی تفسیر ہے۔ ابدالِ حق کی تعلیمات ہر اس شخص کے لیے رشد و ہدایت اور سمت کا تعین کرتی ہیں جو آدمی سے انسان بن کر اپنے ازلی مقام جنت میں لوٹنا چاہتا ہے۔

یہ مکتوب حضور بابا قلندر اولیاؒ نے ایک صاحب کے استفسارات کے جواب میں تحریر کروایا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ، بہت دعا۔

حسب ذیل عبارت تمہارے تحریر کردہ سوالات کے جواب میں لکھی جا رہی ہے۔ بظاہر سوالات بالکل مختصراًاور آسان ہیں لیکن ان کا جواب زیادہ غور طلب ہے اور تفصیل چاہتا ہے۔ اگر پوری باتیں سمجھنے میں دقت پیش آئے تو بار بار پڑھ کے غور کر کے الفاظ کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لینا۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا صرف کاغذ پر لکھا رہنا کافی نہیں ہے، ان کا حافظہ میں نقش کرنا ضروری ہے۔ لوح محفوظ سے ایک نور آتا ہے وہ اس طرح پھیلتا ہے کہ ساری کائنات اس کی گرفت میں ہوتی ہے۔ اس کے پھیلنے کی طرزیں کسی ایک سمت میں نہیں ہوتیں بلکہ ہر سمت میں ہوتی ہیں۔ اس بات کو دوسرے الفاظ میں اس طرح کہیں گے کہ اس نور کے پھیلنے کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔ اب تم سمت نہ ہونے کا مطلب سمجھ لو کہ سمت نہ ہونا کیا چیز ہے اور نور کا تمام سمتوں میں پھیلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ساری باتیں قرآن پاک میں بالتصریح اللہ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان ارشادات کو متشابہات کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تحریر میں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ صرف ایک مثال دے کر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ اس مثال پر غور کرو۔

چند خلا باز خلا میں جا چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سو میل سے زیادہ بلندی پر ایک تو بالکل بے وزنی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین یا تو بالکل گول یا تقریباً گول نظر آتی ہے۔ ایک نے کہا گیند نما نظر آتی ہے۔

www.ksars.org

تم نے خو بھی مشاہدہ میں دیکھا ہے کہ پپیتہ کی صورت ہے۔اب صحیح صورت حال سمجھنا چاہو تو یہ نظر آئے گا یا محسوس ہو گا یا یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ ساڑھے تین ارب انسان اور چلنے پھرنے والے چوپائے سب کے سب ٹانگوں کے بل زمین سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی یہ کہتا ہے میں زمین پر پیروں کے بل چل رہا ہوں۔ سمجھ لو کہ وہ کتنی غلط بات کہہ رہا ہے۔ جب سے نوع آدم آباد ہے، وہ تمام لوگ جن پر حقیقت منکشف نہیں ہوئی یہی کہتے ہیں یہی سمجھتے ہیں۔ غور کرو کہ جب آدمی پیروں کے بل لٹک رہا ہے تو چل کیسے سکتا ہے۔لٹکنے کی حالت تو بالکل جبری ہے۔اس کا کہنا کہ میں چل رہا ہوں سراسر غلط ہے۔ جبری حالت میں ارادہ بے معنی ہے اس لیے کہ اس کی اپنی کوئی حرکت ممکن نہیں۔ یہ بات تو قرین قیاس ہے کہ جن تاروں میں اس کے پیر بندھے ہوئے ہیں وہ تار حرکت کرتے ہوں اور ان کے ساتھ پیر بھی حرکت کرتے ہوں۔ان تاروں سے آدمی کے ارادہ کا کیا تعلق جب کہ آدمی کو ان تاروں کا کوئی علم ہی نہیں۔ باوجود اتنی صریح غلطیوں کے باوجود وہ دعوے کرتا ہے کہ میرا سر بلندی کی طرف ہے اور میرے پیر پستی کی طرف اور میں چلتا پھرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ایک بنوا بنالیا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بنوا حقیقت ہے۔

دراصل نہ کوئی سمت اور نہ انسان حرکت کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ہاں صرف نیت کر سکتا ہے۔

چناں چہ اس نے اپنی نیت میں لاشمار دعوے جمع کر لیے۔ آدمی کے باقی تمام دعووں کو اس دعویٰ پر قیاس کر لو۔اللہ نے قرآن میں ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے۔ جگہ جگہ فرمایا ہے،

''تم نہیں سمجھتے ایسا ہے،ایسا ہے اور تم نہیں دیکھتے۔''

ایک جگہ فرمایا ہے: ''تم دیکھتے ہو پہاڑ اور گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں۔''

اللہ نے جس چیز کو قرآن پاک میں غیب فرمایا ہے وہ آدمی کا غیب ہے،اللہ کا غیب نہیں ہے۔

ظاہر ہے جب وہ اللہ کے لیے غیب نہیں ہے تو اللہ کے لیے حضور ہے۔جو اللہ کا حضور ہے وہ حقیقت ہے جو آدمی پر منکشف نہیں ہے۔اس لیے آدمی کا مشاہدہ حقیقت نہیں ہے اس لیے غلط ہے۔ بدیں سبب ہر مشاہدہ کو رد کیا ہے۔اب ساری حقیقت علم حضوری ہے۔ یہ علم حضوری اللہ کی طرف سے ملتا ہے جس کو اللہ توفیق عطا فرمائیں۔قرآن پاک میں اس کی بھی وضاحت ہے۔اللہ نے فرمایا،

''جس نے ہمارے لیے جہد کیا ہے، ہم اس پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔''

(العنکبوت:۶۹)

www.ksars.org

قرآن پاک میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

ملکہ سبا کے قصہ میں ہے جب سلیمانؑ نے کہا اپنے درباریوں سے کہ تم میں سے کون اس کا تخت جلدی لا سکتا ہے۔ جنات میں سے ایک نے کہا کہ جتنی دیر میں آپ دربار برخاست کریں گے، میں تخت حاضر کر دوں گا۔ دوسری آیت میں اللہ فرماتے ہیں،

''ایک دوسرے شخص نے کہا پلک جھپکنے بھی نہ پائے گی کہ تخت یہاں موجود ہوگا۔۔اور تخت آگیا۔''

اللہ نے اس شخص کی خصوصیت بتائی ہے کہ وہ کتاب کا علم رکھتا تھا۔ جتنے صحائف آسمانی ہیں، اللہ ان سب کو کتاب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں قرآن بھی ہے۔ چناں چہ قرآن میں یہ علم موجود ہے جیسا کہ اللہ نے خود فرمایا اور بار بار قرآن کو کتاب کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جو قرآن نہیں سمجھتے وہ جو بھی چاہیں کہیں، ان کی زبان کون پکڑ سکتا ہے لیکن قرآن خود ان کی تردید کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ تم عربی پڑھو اور قرآن کو قرآن کے الفاظ میں سمجھو، بغیر تاویل اور بغیر کسی اثر کے بالکل غیر جانب دار ہو کر، اس تصور سے کہ اللہ کیا فرماتے ہیں۔ جہاں تک سمجھنے کا سوال ہے، اللہ نے خود وعدہ فرمایا ہے کہ ''میں نے تمہارے لیے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، ہے کوئی سمجھنے والا؟'' یہ صدائے عام ہے، سورہ قمر میں چار مرتبہ یہ بات کہی گئی ہے۔

آدم بر سر مطلب۔۔۔ تم یہ بات سمجھ گئے ہو کہ سمت کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ آدمی کی اپنی مفروضہ اور قیاس کردہ ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ علم حضوری کے علاوہ کوئی علم موجود نہیں ہے۔ آدمی کا حافظہ اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ علم حضوری کی کسی ایک طرز کو بھی اپنے اندر محفوظ کر لے۔

چناں چہ لوح محفوظ سے پھیلنے والا نور آدمی کو اطلاعات فراہم کرتا ہے تو اپنی غرض اور مطلب برآری کے نقطۂ نظر سے کام لے کر ان اطلاعات کو 999 فی ہزار تو رد کر دیتا ہے۔ ایک فی ہزار کو مسخ کر کے توڑ مروڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے۔ یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خدوخال اس کے تجربات کا، مشاہدات کا، عادات اور حرکات کا سانچہ بن جاتے ہیں۔ اب جتنی اطلاعات وہ اخذ کرتا ہے ان ہی سانچوں میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں۔ یہ ہے آدمی کا تمام کارنامہ اور اس کی متعین کردہ اور فرض کردہ سمتیں، فارمولے اور اصول۔ اس خرافات کے بارے میں وہ بار بار یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ ہے میرا تجربہ، یہ ہے مشاہدہ، یہ ہے علم طبیعی۔

www.ksars.org

تمہارے ذہن میں یہ بات تو آگئی کہ جو نور پوری کائنات میں پھیلتا ہے اس میں ہر قسم کی اطلاعات ہوتی ہیں جو کائنات کے ذرّہ ذرّہ کو ملتی ہے۔ان اطلاعات میں چکھنا، سونگھنا، سننا، دیکھنا، محسوس کرنا، خیال کرنا، وہم و گمان وغیرہ وغیرہ زندگی کا ہر شعبہ، ہر حرکت، ہر کیفیت کامل طرزوں کے ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ان کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں، ہر حالت میں کامل استغنار کھتا ہو۔۔ مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ جہاں مصلحت نہیں ہے، وہاں استغنا ہے، غیر جانبداری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔اب جو حرکت ہوتی ہے وہ پوری کائنات کو محیط ہے اور پوری کائنات میں عمل کرتی ہے۔

اس چیز کو پھر ایک دفعہ سمجھ لو۔یہ کوئی باریک بات نہیں ہے۔صرف توجہ کی ضرورت ہے۔آدمی کی ذاتی مصلحتیں اپنے لیے نور کی شعاعوں کو محدود کر لیتی ہیں۔ یہ محدود شعاعیں اپنا کائناتی عمل ترک نہیں کر سکتیں وہ تو جاری رہتا ہے۔اب آدمی کا ایک باطل تصور جو اس نے شعاعوں سے وابستہ کر لیا ہے، غلط آدمی بن جاتا ہے یہی ناکامی ہے۔

سیدھی سادھی بات ہے جس نور کا تعلق ساری کائنات سے ہے وہ ایک فرد واحد کے لیے کیسے مخصوص ہو سکتا ہے۔انسان اگر ذاتی اغراض کی قید و بند میں مبتلا نہیں ہے تو ان شعاعوں کو پوری کائنات پر محیط دیکھتا اور محیط سمجھتا ہے۔چناں چہ شعاعوں کا اور اس کے زاویۂ نظر کا ایک خاص ارتباط قائم ہو جاتا ہے۔یہ ارتباط وہ شے ہے جو اللہ کے قانون کے زیرِ اثر شعاعوں کے لیے محلِ توجہ ہے۔اب اس کے مفاد کا تحفظ شعاعیں خود کرتی ہیں۔اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر وہ کہے دن تو شعاعوں کو دن پیدا کرنا پڑے گا۔اگر وہ کہے رات تو شعاعوں رات کی تخلیق کرنی پڑے گی۔اللہ کا شعار شعاعوں کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ دو سنتیں پوری کریں،

۱۔کائنات کے لیے عمل کرنا

۲۔دوسری اس فرد کے مفاد میں عمل کرنا جس نے ان شعاعوں سے ارتباط قائم کیا ہے۔

جس وقت حضرت اویس قرنیؓ اور حضرت عمرؓ کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنیؓ سے درخواست کی کہ آپ مجھے نصیحت کریں۔اس پر حضرت اویسؓ نے دو سوال کئے۔

۱۔یا عمرؓ! آپ اللہ کو جانتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا، ہاں میں اللہ کو جانتا ہوں۔

۲۔یا عمرؓ! اللہ بھی آپ کو جانتا ہے؟

www.ksars.org

جواب دیا، اللہ بھی مجھے جانتا ہے۔

اب دونوں باتوں کا مطلب بالکل واضح ہے۔ صرف یہ کافی نہیں ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں قدم اٹھائے اور کام پورا ہو جائے۔ وہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ قدم صرف اللہ کے لیے اٹھایا گیا ہے یا اور بھی مصلحتیں شامل ہیں؟ اس میں جنت بھی ایک مصلحت ہے اور بہت سی نیکیاں بھی مصلحت ہیں۔ اللہ کسی کو اس وقت تک نہیں پہچانتا جب تک کہ مقصد صرف اللہ کی ذات نہ ہو۔ اگر ایک آدمی کا مقصد جنت ہے تو جنت اسے جانتی ہے۔ کہتی ہے "آؤ لبیک!" یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ روحانیت میں اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا مقصد، کوئی دوسری غایت شریک کرنا کفر ہے۔

اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا،

هدى للمتقين ۙ الذين يومنون بالغيب

"یہ کتاب ان لوگوں کو روشنی دکھاتی ہے جو اپنے اندر اللہ کے بارے میں ذوق رکھتے ہیں۔" (البقرۃ: ۳-۲)

غیب سے مراد وہ تمام حقائق ہیں جو انسان کے مشاہدات سے باہر ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کی معرفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان سے مراد ذوق ہے۔ ذوق وہ عادت ہے جو تلاش میں سرگرداں رہتی ہے۔ اس لیے نہیں کہ اسے کوئی معاوضہ ملے گا بلکہ اس لیے کہ طبیعت کا تقاضہ پورا کرے۔

متقی سے وہ انسان مراد ہے جو سمجھنے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا ہے۔ ساتھ ہی بدگمانی کو راہ نہیں دیتا۔ وہ اللہ کے معاملہ میں اتنا محتاط ہوتا ہے کہ کائنات کا کوئی روپ اسے دھوکا نہیں دیتا۔ یہ ذوق ہی انسان کے اندر بستا ہے ورنہ انسان خلا ہے۔ جب کہ اللہ نے قرآن پاک میں ارشاد کیا ہے،

"میں نے انسان کو بجنی مٹی سے بنایا۔" (الحجر: ۲۸)

یہاں مٹی کی نیچر (فطرت nature) بیان کی ہے جو خلا ہے۔ اب یہ بات تمہارے لیے سمجھنا بہت آسان ہے کہ ذوق میں نہ وزن ہوتا ہے، نہ ذوق کے لیے فاصلہ کوئی معنی رکھتا ہے۔ نہ ذوق زمین و آسمان کی حد کا پابند ہے، نہ اسے وقت پابند بنا سکتا ہے۔ یہی ذوق چلتا پھرتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ انسان اس سے اس وقت تک متعارف نہیں ہوتا جب تک اس سے تعارف حاصل نہ کرے۔ جب تعارف حاصل کر لیتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی ذوق انسان ہے۔ یہ پوری کائنات میں آزاد ہے۔ فرشتوں کا سربراہ ہے۔ اللہ کی بہترین صناعی ہے اور کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ وہ پیروں سے چلنے، نہ ہاتھوں سے پکڑنے کا پابند ہے، نہ آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کا محتاج ہے۔ ساری خرافات آدمی نے آپ ہی تخلیق کی ہیں اور آپ ہی ڈھول بجاتا پھرتا ہے کہ ہائے میں تو بالکل مجبور ہوں۔

www.ksars.org

تم نے لکھا ہے چلنے کی کوشش کرتا ہوں تو گرنے لگتا ہوں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ابھی تم انسان سے اچھی طرح متعارف نہیں ہو جو حقیقی انسان ہے۔ تم یہ خط بغور پڑھنا۔ اگر کوئی لفظ یا طرزِ بیان میں مشکل ہو اسے بار بار پڑھ کر سمجھ لینا۔ رات کے وقت فرصت میں بیٹھ کر حرف بہ حرف اس خط کی نقل کرنا اور وہ نقل فائل میں محفوظ کر لینا۔ اس خط کی نقل کرنا تمہارے لیے اشد ضروری ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ عبارتیں اور مفہوم اچھی طرح تمہارے حافظہ میں منتقل ہو جائیں۔ پھر اس نقل کا بار بار پڑھنا بھی ضروری ہے۔ جب تم اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر کو بار بار پڑھنے میں آسانی محسوس کرو گے اور ذہن کو لفظوں کے معانی میں مرکوز رکھ سکو گے، میرے لکھے ہوئے لفظوں کو پڑھنے میں ذہن پر الگ سے جو بار پڑ سکتا ہے، اس بار تمہارا ذہن محفوظ رہے گا۔

بہت یاد سے،

دعا گو

حسن اخریٰ عظیم

بجے شب، ۱۹اگست ۱۹۶۳ء

نوٹ: ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا خط مختصر تحریر کیا گیا ہے۔

www.ksars.org

ذہن چوری کرتا ہے۔۔۔؟

اپنے مرشد کے پیغام کو عام کرنے اور پریشان حال لوگوں کو سکون سے آشنا کرنے کے لیے اس نے مرشد کو دن رات کام کرتے دیکھا ہے۔ وہ عظیم استاد کے عظیم شاگرد ہیں۔ لوگوں سے بالمشافہ ملاقات، ہزاروں خطوط کے جوابات، اخبارات و جرائد میں مسائل کو حل کرنے کے لیے ان گنت تحریریں، کتابوں کی تصنیف، لیکچرز اور خطابات، پاکستان سمیت دنیا بھر میں درس گاہوں کا قیام، بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے لیے بے مثال کردار، بین الاقوامی روحانی کانفرنسز، خدمت خلق، لنگر کا اہتمام، مختلف طریقہ ہائے علاج، دنیاوی مصائب کا حل وغیرہ۔۔ ایسی خدمات ہیں جو انہوں نے بے غرض ہو کر انجام دی ہیں اور دے رہے ہیں۔

ان کے در پر اس نے ہندو کو بھی دیکھا اور سکھ، عیسائی کو بھی، یہودی بھی آیا اور پارسی بھی۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ آتے ہیں اور بلا تفریق صداقت کا، عقیدت کا، محبت کا، طریقت کا فیض پاتے ہیں۔ ان سے مل کر اس نے جانا کہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب انسانیت ہے، سب سے خوب صورت جذبہ محبت ہے اور سب سے حسین رشتہ مرشد اور مرید کا ہے۔ مرشد حقیقی محبت سے آشنا کرتا ہے۔ اللہ کے نام کی چنبیلی من میں لگاتا ہے۔ نفی اثبات کا پانی دیتا ہے۔ پودا جڑ پکڑتا ہے۔ ٹہنیاں پھیلتی ہیں، پھول لگتے ہیں۔ اللہ سے محبت کی خوش بو مہکتی ہے۔ عظیم ہے وہ مرشد جو یہ پودا من میں لگاتا ہے۔

شیخ یا حی یا قیوم کے ذکر کی تلقین فرماتے ہیں۔ یا حی یا قیوم کا مطلب ہے تمام وسائل کے ساتھ زندہ اور قائم رکھنے والا۔ یا حی یا قیوم کا ورد شروع کیا۔ ذکر کرتے وقت ذہن میں مفہوم کا ہونا ضروری ہے۔ مفہوم خدوخال بناتے ہیں۔ جب تک تصویر نہیں بنتی مظاہرہ نہیں ہوتا۔

تکرار کے دوران اگرچہ ورد زبان پر جاری رہتا لیکن ذہن اکثر ذکر سے ہٹ جاتا۔ وہ واپس ذہن کو ذکر کی طرف متوجہ کرتا۔

ایک بار ذکر کرتے کرتے دھیان بے دھیان ہو گیا۔

www.ksars.org

خیال نے سرزنش کی اور کہا، تمام وسائل کے ساتھ زندہ اور قائم رکھنے والا تو اللہ ہے پھر ذہن میں کسی اور کی تصویر کا کیا مطلب۔۔۔ پکارتے اللہ کو ہو اور مانگتے کچھ اور۔۔۔ اللہ کو پکار کر اللہ سے اللہ کے علاوہ کسی اور کو مانگنا غفلت نہیں۔۔؟

اس نے جواب دیا کہ میرا مقصد تو اللہ سے واقف ہونا ہے۔

خیال نے کہا جس کا تصور ہوتا ہے ذکر بھی اسی کا ہوتا ہے چاہے زبان سے کچھ کہو، تصویر اسی کی بنتی ہے جو دل میں ہوتا ہے اور دل میں وہ ہوتا ہے جو ذہن میں ہوتا ہے۔ وہ لرز گیا کہ نادانی میں کیسی غلطی کر رہا تھا۔ فوراً استغفار پڑھا اور اللہ سے معافی مانگی۔

مرشد کریم فرماتے ہیں کہ ''کسی چیز کا براہ راست تم سے تعلق نہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جائے گی۔ ہر کام کیئر آف اللہ کرو۔ بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، ایک دوسرے کا احترام، فرائض کی ادائیگی اور سماج کی فلاح میں کردار ادا کرو کیوں کہ اللہ چاہتا ہے مخلوق محبت سے رہے۔ محبت اللہ کی سنت ہے اور کائنات اس کا مظاہرہ ہے۔ تصوف میں اس راز کو ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔۔اللہ سے اللہ کو دیکھو!''

حدیث قدسی ہے:

''میں اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے کان، آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ پھر وہ میرے ذریعے سنتے ہیں، میرے ذریعے بولتے ہیں اور میرے ذریعے چیزیں پکڑتے ہیں۔'' (صحیح بخاری)

ستاروں بھری رات تھی، سکون تھا، فضا مخمور تھی۔ سکون نے اندر غالب ہو کر باہر ہر شے کو مغلوب کر دیا تھا۔ زبان یا حی یا قیوم کا ورد کر رہی تھی اور قلب کی کیفیت نہیں معلوم لفظوں میں کیسے بیان ہو۔ مظاہر نظروں کے سامنے اوجھل تھے اور دل ہر کیفیت سے بے کیف تھا۔ جانتا نہیں تھا اللہ سے محبت کیسے کرتے ہیں لیکن مرشد کی شفقت میں آیا تو انہوں نے اپنی محبت سے اسے اللہ سے محبت کرنا سکھایا۔ ورنہ ماحول نے تو یہی بتایا تھا کہ اس غلطی کی سزا اللہ یہ دے گا اور فلاں غلطی پر قبر کا عذاب سخت ہوگا۔ قبر میں اژدھا آئے گا۔ زور سے ہاتھ مارے گا۔ قبر میں رہنے والا سانپ کے مارنے سے ستر گز زمین میں دھنس جائے گا۔ ظالم اژدھا اسے قبر میں نکالے گا اور پنجہ مارے گا اس طرح اس کی پوری زندگی بدل جائے گی۔ پانی کی جگہ لہو اور پیپ پلائی جائے گی۔ غرض جو نقشہ بیان کیا جاتا ہے وہ انتہائی ڈراؤنا اور دہشت ناک ہوتا ہے۔ ڈر نے فاصلے بڑھا دیئے۔ اللہ تو اس کے قریب ہے لیکن وہ اللہ کے قریب نہ ہو سکا۔

www.ksars.org

مرشد کریم نے بتایا''اللہ کا اسلوب بیان یہ ہے کہ جب بھی سرزنش کی بات ہوتی ہے تو اللہ فرماتے ہیں، 'میں رحیم ہوں، میں کریم ہوں، میں مخلوق سے محبت کرتا ہوں، میری طرف جب کوئی رجوع کرتا ہے، میں اس کی پکار سنتا ہوں۔' اللہ کی ذات ایسی ماں ہے، جو ستر ماؤں سے زیادہ بندہ سے محبت کرتی ہے، اللہ کو عجز و انکساری پسند ہے۔ غلطی ہو جائے تو معافی مانگ لو، اللہ غفور الرحیم ہے۔''

ایک بار انہوں نے ہدایت کی کہ روزانہ ان نعمتوں کو لکھو جو اللہ دیتا ہے اور جو نہیں ملا اسے بھی نوٹ کر لو۔ جب اس نے لکھنا شروع کیا تو آنکھ، ناک، زبان سے لے کر صحیح سلامت ہاتھ پاؤں تک نعمتیں بے شمار تھیں اور جب سوچنے لگا کہ کیا نہیں ملا تو شرمندگی نے آگھیرا۔ دل نے ساتھ دیا اور نہ ان ہاتھوں نے جن میں قلم تھا۔ جو ہاتھ اللہ نے دیئے ان ہاتھوں سے وہ کیسے لکھے کہ اللہ نے فلاں چیز نہیں دی۔ جو ذہن اللہ نے دیا اس ذہن سے وہ کیسے سوچے کہ فلاں خواہش پوری نہیں ہوئی۔ اور پھر جس نے یہ نعمتیں دی ہیں کیا خواہشوں میں اس سے واقف ہونے کا ذکر ہے۔۔۔؟

مشق نے سبق دیا کہ جو کام محبت سے ہو سکتا ہے وہ ڈر اور خوف پیدا کر کے نہیں۔ زندگی میں شکر اور خوشی کے پہلو بے شمار ہیں۔ جو خواہش پوری نہ ہو اس میں حکمت ہے اور اس پر گریہ و زاری احسان فراموشی ہے۔ اتنا سوچا ہی تھا کہ ذہن پر دستک ہوئی اور مرشد کی کہی ہوئی بات یاد آئی۔

فرمایا،''اللہ احسان نہیں کرتا، احسان کا بدلہ ہوتا ہے اور مخلوق اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ اللہ عنایت کرتا ہے۔''

وہ مرشد کریم کے پاس بیٹھا تھا۔ ان کے تصور میں رہ کر یا پھر ان کے پاس آکر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دل دھڑکنے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ خیال نے کہا۔۔ اس لیے کہ تمہاری دنیا سامنے موجود ہوتی ہے۔ جب اپنی دنیا سے توجہ ہٹتی ہے تو بے چینی گھیر لیتی ہے اور جیسے ہی متوجہ ہوتے ہو قلب روشن ہو جاتا ہے۔ وجود ہو کر بھی موجود نہیں ہوتا۔

سوچا کسی وقت ان سے عرض کرے گا کہ یہ کیسی کیفیت ہے جو دل میں محسوس کرتا ہوں مگر آنکھ نہیں دیکھتی۔ یہ سوال کسی اور وقت کے لیے رہنے دیا۔ اس وقت وہ کچھ اور جاننا چاہتا تھا۔

جیسے ہی وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے عرض کیا، حضور! جتنے سلاسل ہیں سب میں کسی مخصوص اسم کا ورد بتایا جاتا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ میں یا حی یا قیوم ہے۔ مخصوص اسم کے ورد کی کیا وجہ ہے۔

www.ksars.org

ہاتھ میں کاپی پین دیکھ کر فرمایا۔ ''لکھو! ہم جب دنیا میں بولی جانے والی مختلف زبانوں پر غور وفکر کرتے ہیں تو اس کے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

زبان فی الواقع کیا ہے۔۔؟ ایک زبان تو وہ ہے جو آدمی کے 32 دانتوں کے درمیان ہے۔ یہ بات بہت راز کی ہے 32 دانتوں کے پردوں میں زبان چھپی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ بظاہر عام ہے کہ زبان ذائقہ چکھتی ہے۔ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی۔ ہڈی نہ ہونے سے یہ مراد بھی لی جاسکتی ہے کہ زبان کو جب چاہے مرضی کے مطابق لمبا کردیا جائے، گول کردیا جائے، دانتوں میں دبالیا جائے۔ دل آزاری میں اور ایسے زخم دینے میں جو کبھی مضمحل نہ ہوں زبان کو بطور ہتھیار استعمال کرلیا جائے۔ دھوکا فریب میں اس کا استعمال آج کل بہت زیادہ ہے۔ زبان کے فوائد بھی ہیں۔ آج کل ایک فائدہ بہت زیادہ منظر عام پر آیا ہے۔ وہ یہ کہ شہر سے میلوں دور جنگل میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پیٹ پوجا کے اتنے سارے سامان میسر ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ شہر کا ہر پیٹ خالی ہے۔ گاڑیوں کے قافلے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلے اونٹ چلتے تھے اب ان کی جگہ۔۔۔؟

زبان تکذیب، جھوٹ اور فریب کا بہترین لاؤڈ اسپیکر ہے۔ آواز جتنی چاہے اونچی کرلو اور اگر کسی کو آواز سنائی دینا مقصود نہ ہو تو جتنی چاہے آہستہ کرلو۔ زبان ایمان کو بھی قبول کرتی ہے اور شیطان کی دوستی میں بھی کردار پورا کرتی ہے۔ دنیا کی آبادی نہ جانے کب سے ہے اور ماہ و سال معلوم کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں۔ دو ہزار سال گزرنے کے بعد زبان گُنگ ہو جاتی ہے اور تاریخ کا حوالہ دینے میں قبل مسیح کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

دنیاؤں میں جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے ہر ایک میں زبان بولی جاتی ہے اور دنیاؤں میں ہر زمین ایک خطہ ہے۔ ہر خطہ میں مفہوم واضح کرنے کے لیے زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ لیکن (کسی کو بتایئے گا نہیں) عجیب بات یہ ہے جب زبان سے پلاؤ کا لفظ نکلتا ہے تو آواز ہمیں نظر نہیں آتی۔ ہم سنتے ہیں اور جیسے ہی سنتے ہیں اندر کہیں کوئی اسکرین ہے اس پر اس شے کا عکس نظر آتا ہے۔ جب اس عکس کی طرف ذہن متوجہ ہوتا ہے تو پلاؤ کے اندر جو کچھ ہے یا پلاؤ جن اجزا سے تیار ہوتا ہے ذہن کی اسکرین پر اس کا نقشہ اسی طرح بن جاتا ہے۔ حلق سے جو آواز نکلتی ہے پتہ نہیں وہ آواز کیا ہے لیکن دماغ اس کو فوراً پلاؤ کے معنی پہنا دیتا ہے۔''

اتنا فرما کر مرشد کریم تھوڑی دیر کے لیے رکے اور فرمایا۔۔۔ ''سوچو اور تجربہ کرو لفظ پلاؤ جب ہم بولتے ہیں پ ل ا ؤ کے حروف سامنے نہیں ہوتے مگر بہترین اصلی گھی میں تیار شدہ پلاؤ کا نقشہ ابھر آتا ہے۔ پہلے پلاؤ کے

www.ksars.org

ساتھ اصلی گھی کی خوش بو بھی عضلات کو متاثر کر دیتی تھی اب یہ زمانہ ہے کہ نقلی گھی اصلی کے دام میں ملتا ہے۔ شاید آپ اس گتھی کو سلجھا دیں۔''

صاحبِ طریقت کی باتوں میں بہت سے معانی پنہاں تھے اور وہ ذوق و شوق سے سن رہا تھا کہ آخر بات جاتی کہاں تک ہے۔ اچانک اندر گونجار پیدا ہوئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ان باتوں کا میرے سوال سے کیا تعلق ہے جو میں نے مخصوص اسم کے ورد سے متعلق کیا۔

خیال آتے ہی اندر کسی نے سرزنش کی، بہت ہوشیار ہو۔۔۔؟

اس نے کہا۔۔۔ نہیں۔

پھر اپنا ذہن کیوں استعمال کرتے ہو۔۔۔؟

سمجھ نہیں آ رہا جواب کا سوال سے تعلق کیسے جوڑوں۔

کیا جواب ختم ہو گیا۔۔؟

نہیں۔

آواز آئی، بس یہی کمی ہے۔

میں سمجھا نہیں۔۔۔؟

آواز بولی۔۔۔ مرشد کے سامنے ذہن کو استعمال کرنا! مرشد کا جواب محض جواب نہیں سفر ہے تربیت ہے جو ابتدا سے شروع ہوئی جیسے کائنات کی ابتدا دو لفظوں سے ہوئی اور ابھی تک ک اور ن کی گونج جاری ہے۔ لفظ محض لفظ نہیں، لفظوں میں کائنات ہے۔ مرشد اپنے جواب میں راستہ کے مناظر دکھا کر تزکیۂ نفس کرواتے ہوئے، غلطیوں کی نشان دہی کر کے فرماں برداری کا بیج بو کر منزل تک پہنچا دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ سفر ادب کے دائرہ میں رہ کر طے ہو۔ جس راستہ (جواب) سے لے جا رہے ہیں، بلا چون وچرا گزرتے جاؤ۔ رک گئے اور ذہن کو استعمال کیا تو راستہ بے راستہ ہو جائے گا اور منزل کا نشان بھی خاک میں دب جائے گا۔

مرشد کریم اس بات کو سمجھ گئے اور انہوں نے فرمایا کہ ''اسکول میں ٹیچر طالب علم کو جو بھی بتاتا ہے اگر طالب علم بھی سوال کرنا شروع کر دے تو کیا طالب علم پوری زندگی پہلی جماعت میں پاس ہو سکتا ہے۔۔۔؟ شاگرد اگر کہے کہ میں الف کو ب اور ب کو الف کہوں گا کیا کوئی دنیا میں ایسا طریقہ یا دلیل ہے کہ شاگرد کو یہ باور کرا دیا

www.ksars.org

جائے کہ الف، الف ہوتا ہے۔ سیدھا خط کھینچ دو الف ہے، لکیر دائیں سے بائیں بنادو، ب ہے اسی طرح ب کو پھر سیدھا کر دو تو الف ہے؟"

یہ سن کر اندر سے کسی نے سرگوشی کی کہ الف اس لیے الف ہے کہ استاد نے بتایا الف ہے۔ طالب علم الف اور، ب دونوں سے واقف نہیں۔ جب واقف ہی نہیں پھر چون وچرا کے کیا معنی۔۔؟

مرشد کریم نے پوچھا، "سمجھے۔۔۔؟"

ہاتھ جوڑ کر عرض کیا حضور کچھ نہیں سمجھا۔

فرمایا، "کسی بلند بالا عمارت کی پانچویں منزل میں ایک کمرہ ہے۔ اس کمرے میں ایک نایاب موتی ہے۔ اگر تم سے لانے کے لیے کہا جائے تو کب لاؤ گے؟ اوپر جانے کے لیے سیڑھی در سیڑھی راستہ طے کر کے پانچویں منزل پر پہنچنا ہے۔ بس۔۔۔ یہ ایسی بات ہے کہ اب تم سمجھ جاؤ گے۔"

بہت شرمندہ ہوا۔ معافی مانگ کر ذہن کو محبوب کے تابع کر دیا۔ بھاری وجود لطیف ہو گیا۔

اب وہ نہیں تھا بس مرشد کی آواز تھی اور کمرے میں خاموشی۔

خاموشی میں بھی ہر طرف مرشد کا وجود تھا۔

وہ فرمارہے تھے۔۔ "لفظ جب ہمارے کان میں مختلف پردوں سے ٹکرا کر کان کے اندر ایک سفید چمک دار موتی سے ٹکراتے ہیں۔ تو ان لہروں کا مفہوم دماغ میں پلاؤ آتا ہے۔ خالی بات پلاؤ کی نہیں پوری زندگی کا عمل یہی ہے۔ میں نے کہا پہاڑ۔۔۔ پہاڑ ہے۔ پہاڑ کا آس پاس کہیں وجود نہیں ہے۔ لفظ پلاؤ یا پہاڑ دراصل لہروں کی زبان ہے جس کو شارٹ فارم بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ لہریں ہمیں نظر نہیں آتیں۔ جب کہ مرے ہوئے آدمی کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرنا اور جینا لہروں کے اوپر قائم ہے۔ غصہ اور محبت بھی لہروں کے اوپر قائم ہے۔ بات یہ ہے کہ لہروں کے لیے سورس کا ہونا ضروری ہے۔ وہ سورس کیا ہے۔۔۔؟ یہ ایم اے کلاس کا سوال ہے آپ کچھ سمجھے؟"

سوال پوچھ کر انھوں نے گفتگو جاری رکھی۔ "زندگی کیا ہے۔ زندگی کی اگر مختصر تشریح کی جائے کہ یہ ہے کیا اور کس چڑیا کا نام ہے۔ کسی شاعر نے کہا،

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

www.ksars.org

دنیاؤں کا چلن تعارف کی پٹری پر قائم ہے۔ تعارف کے لیے لفظ سہارا بنتے ہیں۔ لفظ سفر نہ کریں تو بولنے اور سننے والا دونوں گونگے بہرے ہیں۔ زندگی اصل میں دنیاوی زبان میں برقی لہر ہے۔ ہم روز ٹی وی دیکھتے ہیں، سنتے ہیں ہنستے بھی ہیں کوئی منظر دیکھ کر ڈر بھی جاتے ہیں، آنکھیں پانی بن جاتی ہیں۔ کردار کا عمل نظر آتا ہے لیکن جن لفظوں سے کردار تشکیل پایا ہے وہ پتہ نہیں کیا ہے، نظر نہیں آتا لیکن اس کا وجود ہے۔ کوئی آدمی سمجھنا چاہے نہ سمجھنا چاہے۔ آواز کے وجود میں خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، نفرت بھی ہے، محبت بھی ہے، حقارت بھی ہے اور عزت بھی۔ بات الجھ گئی۔ کہنا کچھ چاہتے تھے وہ کچھ کہہ دیا گیا جس کو لوگ سننا نہیں چاہتے۔ اس لیے اس بات کو سننے اور سمجھنے میں فائدہ تو ہے نہیں۔ سونا چاندی کچھ ملے تو آدمی پھر شوق سے سمجھنے کی کوشش کرے گا۔"

www.ksars.org

KSARS

مرشداور مرید

اس نے شیخ سے مختلف سلاسل میں مخصوص ورد سے متعلق سوال کیا تھا۔ جواب کی ابتداء انہوں نے زبان کی تعریف سے کی اور لفظوں سے ہوتے ہوئے زندگی اور جن لہروں پر زندگی قائم ہے ان کو بیان کیا۔ فرمایا۔۔

"دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کا تذکرہ کرنے کے لیے تعارفی نام نہ ہو۔۔۔ پرندہ ہو، چوپایہ ہو یا کچھ بھی ہو، جب نام لیا جاتا ہے تو شے کی نسبت سے ذہن کی اسکرین پر عکس نمودار ہوتا ہے۔ بار بار تذکرہ کیا جائے، اہمیت دی جائے، تفکر کیا جائے تو وہ شے بھی ہماری طرح مخلوق ہے، اپنا تعارف خود کراتی ہے۔

لوگ سوال کرتے ہیں کہ مردوں کی نسبت خواتین وظائف زیادہ پڑھتی ہیں اس سے کیا ہوتا ہے؟

کائنات میں ہر شے قانون کے دائرہ کار میں کام کرتی ہے۔ جب ہم کسی شے کا تصور کرتے ہیں اس کے بارے میں سوچتے ہیں یا نام لیتے ہیں تو اس شے کا تاثر ہمارے ذہن پر چھپ جاتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں پانی۔ پانی کا تاثر ذہن پر قائم ہوتا ہے لیکن پیاس نہیں بجھتی۔ پانی کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ جب آدمی لگن ک ساتھ، یکسوئی کے ساتھ، قوت ارادی کے ساتھ اور مستقل مزاجی کے ساتھ کسی شے کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو شے اسے مل جاتی ہے۔ لیکن شے ملنے کے لیے ضروری ہے کہ شے کی صفات کا علم ہو۔ شے کی صفات کے علم سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فائدہ مند ہے یا نقصان پہنچانے والی ہے۔ بھوک لگتی ہے ہم کھانے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور کھانا کھا لیتے ہیں یعنی کھانا کھانے کے خیال نے ایسی شکل اختیار کر لی جس سے بھوک رفع ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جسم میں جو کمی واقع ہو گئی تھی وہ پوری ہو گئی۔ یہ سب لفظ کی کرشمہ سازی ہے۔ ایک بات آپ محبت سے کرتے ہیں اس کا تاثر محبت ہی ہوتا ہے۔ دوسرا لفظ توہین آمیز ہے ظاہر ہے اس کا تصور بے زاری اور ناگواری ہوتا ہے۔ جب آدمی کوئی لفظ بولتا ہے وہ کہتا ہے آگ، تو آگ کی جو صفات ہیں اس کا پٹارا کھل جاتا ہے۔ اور جب آدمی بولتا ہے گلاب۔۔۔ گلاب کی تازگی، خوش بو اس کو متاثر کرتی ہے اور اس طرح متاثر کرتی ہے کہ ایک بھاری اور الجھے ہوئے ذہن کا آدمی ہلکا اور لطیف ہو جاتا ہے۔

اللہ کی ذات کو بندے اس کی صفات سے جانتے ہیں جیسے رازق، مالک، زندگی عطا کرنے والا، اس دنیا سے، اس دھرتی سے، دوسری دنیا میں لے جا کر رکھنے والا، اللہ کی صفات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اللہ ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کے نام دراصل اللہ کی صفات کا مظاہرہ ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ سے دو پروگرام چل رہے ہیں۔ قادر مطلق اللہ کا قرب اور ابلیس لعین کی بغاوت۔

www.ksars.org

جب کوئی آدمی ابلیس کو یاد کرتا ہے تو بغاوت، نافرمانی، بد بختی اور جنت سے دوری کے تاثرات قائم ہو جاتے ہیں اور اتنا زیادہ غلبہ ہو جاتا ہے کہ آدمی کو جنت کا خیال ہی نہیں آتا، مہر لگ جاتی ہے۔

اللہ کے تعارف کے لیے پیغمبروں کا سلسلہ قائم ہوا اور آخری نبیؐ پر نبوت کا پرو گرام پورا ہو گیا۔

رسول اللہؐ نے صراط مستقیم کا جو پرو گرام اپنی امت اور پوری نوع انسانی کو عطا کیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے، خالق و مالک ہے، قادر و محیط ہے، ظاہر باطن، اول آخر ہے۔ شیطان نافرمانی کا symbol ہے۔

نافرمانی اور بغاوت دو الگ الگ باتیں ہیں۔ بغاوت ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کی وضاحت کی جائے، سب جانتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کوئی اللہ کے ارشادات پر عمل کرے نہ کرے۔"

وہ ہر طرف سے ذہن ہٹا کر شیخ کی طرف متوجہ تھا۔ لفظ ذہن کی اسکرین پر نقش ہو رہے تھے اور لہریں دماغ کے خانوں سے ٹکرا کر اپنا مفہوم واضح کر رہی تھیں۔

شیخ فرمارہے تھے کہ "سلاسل دراصل روحانی درس گاہیں ہیں۔ زمانہ، ترقی، تنزل، ظاہر اور غیب کی اسکرین پر قائم ہے۔ ظاہر ہے لیکن ظاہر کی بنیاد غیب پر ہے۔ ہر شے غیب و شہود کے پردہ میں چھپ رہی ہے، ظاہر ہو رہی ہے۔ اس کی تشریح ضروری نہیں۔ اب آپ تھوڑا سا بھی تفکر کریں گے تو دماغ کی اسکرین پر فلم آپ کو نظر آجائے گی۔ یہ سلسلہ کیا ہے۔۔۔؟ زمانہ کا مطلب ہی نشیب و فراز ہے۔ نشیب و فراز غائب ہونا اور ظاہر ہونا ہے۔ ظاہر اور غیب زندگی کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ ظاہر ہوتا ہے تو دوسرا غائب ہو جاتا ہے۔ جو رخ غائب ہوتا ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے، ہر منٹ غائب ہو رہا ہے اور دوسرے منٹ ظاہر ہو رہا ہے۔ آدمی غیب سے ظاہر ہوا۔ ظاہر غیب کی سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے آخری سیڑھی پر پہنچا تو غائب ہو گیا۔ یعنی جس طرح پیدا ہونے سے پہلے موجود تھا دنیا سے چلے جانے کے بعد، مرنے کے بعد غائب ہو گیا۔

زندگی کا مقصد کیا ہے۔۔۔؟ یہ ہے کہ معلوم ہونا چاہیئے کہ زندگی ہے کیا۔ زندگی اگر ہوش و حواس عقل و خرد کا نام ہے، عقل و خرد گھٹتے بڑھتے۔۔۔ بڑھتے گھٹتے غائب ہو جاتی ہے۔ ہمیں نہیں پتہ کہ غائب ہونے کے بعد اس کا کیا بنا۔ البتہ پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام اور آخری نبی محمدؐ کی تعلیمات اس معمہ کو بہت آسانی کے ساتھ سمجھاتی ہیں۔ ان مخفی علوم کو سمجھنے کے لیے اللہ کے دوست اولیاء اللہ نے زمانہ کے نشیب و فراز کو دیکھتے ہوئے سمجھتے ہوئے اور اس زمانہ

www.ksars.org

میں رہتے ہوئے ایسی مشقیں اور اسباق تجویز فرمائے ہیں کہ جس علم کو سیکھ کر آدمی حاضر غائب۔۔۔غائب حاضر کو سمجھ سکتا ہے۔

سلاسل مختلف ہیں لیکن مقصد سب کا علم سکھانا ہے۔ شعوری ارتقا کو سامنے رکھتے ہوئے رسول اللہؐ کے امتی اولیاء اللہ نے اسباق تجویز کیے۔ مقصد سب کا ایک ہی ہے کہ آدمی وہ تعلیم حاصل کرے جو فرماں برداری کے مقام جنت کے حصول کا ذریعہ ہو اور بندہ دوزخ سے بچ جائے۔

سلسلہ عظیمیہ میں سالک کے ذہن کو اللہ کی طرف متوجہ رکھنے کے لیے یا حی یا قیوم کا ورد کرایا جاتا ہے تاکہ سالک کا ذہن ارادی اور غیر ارادی طور پر اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ یا حی یا قیوم کا مفہوم ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو وسائل کے ساتھ زندہ رکھتی ہے۔'' اتنا فرما کر مرشد کریم نے بات ختم کی اور مسکرا دیئے۔

بہت تفصیل سے انہوں نے ایک سوال میں کئی سوالوں کا جواب دیا تھا۔ خامیوں کی نشان دہی کی جو من حیث القوم ہم میں پائی جاتی ہے اور محفوظ رہنے کا راستہ بھی بتا دیا۔ یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ مخصوص اسم کے ورد کا تعلق زمانہ اور حالات سے ہے۔ جیسے آج کے دور میں آدمی مادیت میں اس حد تک گھر چکا ہے کہ یقین سے دور ہو گیا ہے۔ مصائب و انتشار سے محفوظ رہنے کے لیے سلسلہ عظیمیہ میں یا حی یا قیوم کا ورد ہے تاکہ بندہ کا ذہن اللہ کی طرف رہے اور وہ اپنے وسائل کے لیے غیر اللہ سے توقعات نہ رکھے۔ یوں طرز فکر کیئر آف اللہ ہو کر بندہ کا اللہ سے تعلق قائم ہو جائے گا۔

اس نے عرض کیا۔۔۔ حضور! جو شخص بیعت نہیں وہ بھی یا حی یا قیوم کے ذکر سے اتنے ہی فوائد حاصل کرتا ہے جتنا کہ سالک۔۔۔؟

فرمایا، کیوں نہیں، کوئی بھی کر سکتا ہے بس اس کو نسبت حاصل نہیں ہو گی۔ ذکر سے اسے فائدہ ہو گا لیکن چوں کہ وہ بیعت نہیں اسے مرشد کا ذہن نہیں ملے گا۔ ذکر کا مقصد طرز فکر منتقل کرنا ہے۔ بہر حال یہ اللہ کا اسم ہے۔ اور اس کا ذکر کوئی بھی کر سکتا ہے البتہ تعداد نہ گنی جائے ورنہ وظیفہ بن جائے گا اور بغیر اجازت وظائف سے نقصان ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ذکر کرتے وقت یا حی یا قیوم کا مطلب ذہن میں نہ ہو تو اثرات تو مرتب ہوں گے لیکن ایسی صورت میں جس نے ذکر بتایا ہے اس کا ذہن منتقل نہیں ہو گا۔''

www.ksars.org

اسے ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنے کی عادت نہیں تھی اس لیے ذکر کے دوران ذہن بار بار بھٹک جاتا، کسی وقت مایوسی غالب ہونے لگتی لیکن خیال آتے ہی وہ لوٹ آتا۔ خیال نے تصحیح کی کہ تم نہیں لوٹتے بلکہ یہ اللہ کی دی ہوئی توفیق ہے۔

جب سے خیال کی زبان سمجھ میں آئی ہے ایسی ایسی غلطیوں کی نشاندہی ہوتی ہے کہ سارا دن استغفار پڑھتے ہوئے گزر جائے تو دن ختم ہو جائے لیکن گناہ ختم نہ ہوں۔ خیال نے توجہ دلائی، اللہ کی رحمت کو دیکھ، اتنی خطاؤں کے بعد بھی ایسے نوازتا ہے جیسے تو نے کبھی گناہ کیا نہ ہو۔۔ یہ ہے در گزر! اس کی رحمت ہمیشہ تیرے پلٹنے کی منتظر رہتی ہے۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ اللہ کے حضور عرض کیا کہ یا اللہ! مجھے شر سے بچا کر ہمیشہ اپنی رحمت میں رکھ۔ یکایک ذہن روشن ہوا اور لب پر وہ دعا آگئی جو اس کے باپ آدمؑ نے نافرمانی کے نتیجہ میں جنت سے بے دخل ہونے پر مانگی تھی۔

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، گر آپ نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (الاعراف: ۲۳)

سوچ رہا تھا غلطی اس وقت ہوتی ہے جب ذہن اللہ سے ہٹ کر کسی اور طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ تو دم غافل سو دم کافر والی بات ہے۔ ہر مرشد یہی سبق دیتا ہے جو حضرت سلطان باہوؒ کو ان کے مرشد نے دیا۔

جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہہ پڑھایا ہُو
سنیا سخن گئیاں کھلھ اکھیں چت مولا ول لایا ہُو
کیتی جان حوالے رب دے ایسا عشق کمایا ہُو
مرن تھیں اگے مر گئے باہو تاں مطلب نوں پایا ہُو

جب اس کا ذہن بھاری ہوتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ غلطی کی ہے اور جب وہ اللہ سے معافی مانگتا ہے تو دل ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ اللہ نے معاف کر دیا ہے۔ اس نے سوچا کہ غلطی کا احساس ہونا کیا ہے۔۔۔؟ اندر سے آواز آئی۔۔۔ ضمیر نفی اثبات کی مشق کرا رہا ہے۔

ذہن کے دریچے کھولنے والا جواب تھا۔ وہ خاموشی سے قدرت کے نظام اور خیال کی سائنس پر غور کرتا رہا۔ بہت کچھ ذہن میں آیا لیکن اس بار لکھا کچھ نہیں!

www.ksars.org

ایک بار بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ جب وہ مرشد کو یاد کرتا ہے تو کیا وہ بھی یاد کرتے ہیں۔ یا پھر جب وہ اسے یاد کرتے ہیں تب وہ انہیں یاد کرتا ہے؟ عجیب ذہن کو الجھا دینے والا سوال تھا۔ سارا دن کشمکش میں گزر گیا کہ مرشد مجھے یاد کر رہے ہیں یا میں ان کو یاد کر رہا ہوں۔

جب ملاقات ہوئی تو ذہن میں موجود بات عرض کی۔

فرمایا۔۔۔ ''ایک روز مجھے خیال آیا جتنی محبت اپنے مرشد سے میں کرتا ہوں، حضور کا کوئی مرید نہیں کرتا۔ دماغ میں یہ خیال بار بار آتا رہا تو ایک روز حضور قلندر بابا اولیآؒ نے فرمایا، خواجہ صاحب! یہاں بیٹھ جائیں۔

فرمایا، آپ نے لوہا دیکھا ہے؟

میں نے عرض کیا، جی دیکھا ہے۔

پھر فرمایا، مقناطیس بھی دیکھا ہے؟

عرض کیا، حضور مقناطیس بھی دیکھا ہے۔

پوچھا، کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ لوہے نے مقناطیس کو کھینچ لیا ہو؟

عرض کیا، نہیں دیکھا۔

فرمایا، پھر مرید اپنے مراد سے کیسے محبت کر سکتا ہے۔۔؟

مرید لوہا ہے اور مراد مقناطیس۔ مرید اپنے مراد سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ لوہا مقناطیس کو نہیں کھینچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مراد مرید سے محبت کرتا ہے۔ محبت کا عکس جب مرید کی ذات میں داخل ہو جاتا ہے تو مرید سمجھنے لگتا ہے کہ میں اپنے مراد سے محبت کرتا ہوں۔ روحانی زندگی مسلسل امتحان ہے۔ ایسا امتحان جس کا نتیجہ بھی سامنے نہیں آتا اور یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم امتحان گاہ میں ہیں۔ اندھا کھاتا ہے۔ اس کھاتے کی مرشد کے سوا کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔''

کلاس میں ریڈنگ کے دوران ایک مقام پر مرشد کریم نے روکا اور فرمایا کہ ''ان سطروں کو تین بار پڑھو اور تقریر کرو۔'' یہ سنن تھا کہ اوپر کا سانس اوپ اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ مرشد کے سامنے تقریر؟ مرشد شفیق۔۔۔ بہت شفیق ہیں۔ سخاوت کا سمندر، جو کہیں سے شروع ہوتا ہے اور نہ کہیں ختم! شیخ کا مقام ایسا ہے کہ ادب۔۔۔ باادب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔

حلیم و کریم مرشد نے فرمایا، ''بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو، اللہ مدد کرے گا۔''

www.ksars.org

لہجہ اتنا پرزور تھا کہ اس نے پھر کچھ سوچا نہیں تقریر کیسے ہوگی اور وہ کیا کہے گا۔ بسم اللہ پڑھ کر تقریر شروع کر دی۔۔۔ اور اللہ نے مدد کی۔ اس دن کے بعد تقریر کرتے ہوئے خوف محسوس نہیں ہوا۔ بس وہ ڈائس پر آتا، مرشد کریم کے الفاظ دل میں دہراتا، اللہ سے مدد مانگتا اور بسم اللہ پڑھ کر شروع ہو جاتا۔ پہلا لفظ کیا ادا ہوتا کہ ہر کیفیت، حاضرین اور منظر ثانوی ہو جاتا۔ محسوس ہوتا تو صرف یہ کہ اللہ کے حکم سے مرشد اس کی مدد فرما رہے ہیں۔ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوتا کہ ہزاروں کا مجمع نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ اور وہ دیکھتا میں اکیلا بول رہا ہوں۔۔ میں نہیں بول رہا ہوں، میرا اندر بول رہا ہے۔

بارہ سال پہلے جمعہ کے دن جب وہ خود کو سپرد کرنے آیا تو نہیں جانتا تھا کہ مرشد اور مرید کا تعلق کیا ہے۔۔۔؟ جانتا تھا تو بس اتنا کہ وہ اللہ والے ہیں۔ بیعت کے لیے ان کی خدمت میں بیٹھا۔ آنسوؤں کا چشمہ تھا جو ابل پڑا۔ آنکھیں بند کیں کہ کسی طرح سے آنسو رکیں۔

خیال آیا اور پھر اس نے آنسو روکنے کی کوشش نہیں کی۔

خیال نے کہا۔۔ تو خود کو اللہ کے دوست کے سپرد کرنے آیا ہے۔ یہ آنسو تیرے گناہوں سے تر دامن کو پاک کرنے کے لیے ہیں، من کی کثافت کو دھو رہے ہیں۔ انہیں بہنے دے!

شیخ نے حکم دیا، ''دایاں ہاتھ دل پر رکھو۔'' اس نے تعمیل کی۔

اور پھر شیخ نے بیعت کرنے کے لیے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

آنسو یکایک بند ہو گئے، وقت رک گیا، دنیا ٹھہر گئی اور ہر شے تھم گئی۔

وہاں موجود تھی تو صرف ایک ہستی۔۔۔۔ دل نے گواہی دی بس یہی مراد ہے۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

وہ اسکول میں اوسط درجے کا طالب علم تھا لیکن صبح اسمبلی کے وقت اور فزیکل ٹریننگ کے پیریڈ میں ہمیشہ آگے رہتا۔ آٹھ بجے اسمبلی لگتی اور ساڑھے سات بجے وہ اسکول میں ہوتا۔ اجلے سفید صاف ستھرے یونیفارم پہنے روشن چہرے، بغض و عناد سے پاک پاکیزہ مسکراہٹ، بچوں کا خود اپنی صفوں کی ترتیب و توازن اور درستی کا خیال، ایمان، اتحاد اور نظم و ضبط ان کی

www.ksars.org

پہچان۔۔۔قومی ترانے کی دھنیں بجتی ہیں اور اسمبلی ہم آواز ہو کر وطن کی عظمت اور سربلندی کا گیت گاتی ہے۔انگ انگ وطن کی محبت کے جذبہ سے سرشار ہوتا ہے اور چاند ستارے والا پرچم آہستہ آہستہ کھلتے ہوئے قوم کے نونہالوں کو دیکھ کر نہال ہوتا ہے۔بچے نہیں جانتے ہوئے بھی جانتے ہیں کہ قومی شعور کیا ہے لیکن پھر معلوم نہیں بچے بڑے کیوں ہو جاتے ہیں اور بڑے بچے کیوں نہیں ہوتے۔۔۔؟

اسکول میں پڑھی گئی نظمیں یاد رہتی ہیں۔وہ معاشرہ میں اخلاقی اور قومی قدروں کی بے قدری کو دیکھتا ہے تو آدمی کی حیثیت اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتی نظیرا کبرآبادی کی نظم یاد آجاتی ہے۔

پڑھانے والے اس کے لیے ہمیشہ قابلِ احترام رہے ہیں۔اسکول و کالج اور یونی ورسٹی میں اساتذہ کے ساتھ ماں باپ بھی زندگی کے اسباق پڑھاتے ہیں۔بچہ کا پہلا اسکول ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت ہوتی ہے۔کاش کہ یہ سب قابل احترام لوگ بچوں کو نظمیں پڑھاتے ہوئے مفہوم سے بھی واقف کرائیں۔پھر بچے کبھی بڑے نہ ہوں اور بڑے بچے بن جائیں۔بچپن بچپن ہو کر بچپن بچپن بن جائے۔!

ملک میں افراتفری اور مسلم دنیا کی زبوں حالی کا سوچ کر وہ پریشان ہو جاتا ہے۔لوٹ مار اور کشت و خون کا بازار کیسے بند ہو گا اور نوعِ آدم کب سکون وراحت پائے گی۔۔۔وہ مرشد سے جاننا چاہتا تھا۔۔اسے طوفانِ نوحؑ سے متعلق اپنا سوال یاد آگیا۔

اس نے شیخ سے عرض کیا کہ طوفانِ نوحؑ کو دس ہزار سال پورے ہو گئے ہیں۔کیا دنیا پھر کسی طوفان کی زد میں ہے۔۔۔؟

انہوں نے فرمایا۔۔"دس ہزار سال کے بعد جہاں زمین ہے وہاں پانی آجاتا ہے اور پانی کے اندر جو ایورسٹ کی چوٹیاں ڈوبی ہوئی ہیں وہ باہر آجاتی ہیں اور جو چوٹیاں باہر ہیں وہ پانی میں چلی جاتی ہیں۔پانی جب اترتا ہے تو پھر جو کچھ بچ جاتا ہے اس سے زندگی کا آغاز غاروں سے ہوتا ہے۔غاروں کے بعد لوگ درختوں پر بسیرا کرتے ہیں۔درختوں میں راستے بناتے ہیں، بازار اور مکان بناتے ہیں۔وہاں نیچے پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔طوفان کے بعد کچھ زمین ایسی رہ جاتی ہے وہاں پانی نہیں ہوتا۔خشکی میں قدرت کچھ چیزیں اگا دیتی ہے۔بیج کا دانہ زمین میں جاتا ہے تو کھیتی باڑی شروع ہوتی ہے۔اب زمین چوں کہ بہت بڑی ہے تو لوگوں کو فرشتوں کی راہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔فرشتے آکر shape بنانا سکھاتے ہیں۔پھر وہ فرشتے پانی کو تقسیم کر کے نہریں بنانا سکھاتے ہیں۔پانی اترتا ہے تو بہت زیادہ نشیبی علاقے میں پانی آجاتا ہے اور وہاں دریا بن جاتا ہے۔پہاڑوں پر بارش برستی ہے۔چوٹی پر آکسیجن کم ہونے سے بارش برف بنتی ہے۔سورج کی تپش سے برف پگھلتی ہے اور پگھلنے کے بعد دریا بن جاتے ہیں۔دریا سمندر میں چلا جاتا ہے۔سمندر کے اندر آتش فشاں ہیں۔بہت زبردست حرارت

www.ksars.org

ہے اور سمندر کے اندر ہوا بھی ہے۔ گرمی اور ہوا آپس میں ٹکراتے ہیں تو دس، بیس، سو فٹ اور اس سے بھی زیادہ اونچی لہریں اٹھتی ہیں۔ پھر وہ پھیلتی ہیں تو ہوا انھیں اٹھا کر فضا میں بکھیر دیتی ہے، خشک لو چلتی ہے، اس کا مطلب اب وہاں پانی کی کمی ہو گئی۔ پھر آہستہ آہستہ پتھر کا دور۔ چقماق کا دور۔ آگ کی دریافت۔ لوہے کی دریافت آہستہ آہستہ ترقی ہوتی ہے، نئی نئی ایجادات ہوتی ہیں۔''

وہ فرما رہے تھے کہ ''جو سائنس اس وقت ہے اس سے زیادہ ترقی یافتہ دس ہزار سال پہلے تھی۔ آج ایروپلین عام ہے، کل اڑن کھٹولا نام تھا۔ آج ٹی وی ہے، گزشتہ کل جام جم تھا۔ آدم طوفان نوحؑ سے پہلے آدم تھا۔ آج بھی آدم ہے اور پھر دس ہزار سال پورے ہو رہے ہیں۔ پانی جب نقل مکانی کرتا ہے یعنی اپنی دنیا تبدیل کرتا ہے تو ساتھ ساتھ درخت بھی زمین پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ سوال اپنی جگہ ہمیشہ قائم رہا، آج بھی ہے کہ اگر آم گٹھلی سے پیدا ہوتا ہے تو پہلی گٹھلی کہاں سے آئی۔۔۔؟ ستارے کہکشائیں زمین پر نہیں ہیں، یہ اپنی جگہ قائم رہتے ہیں لیکن زمین اپنی بیلٹ تبدیل کر لیتی ہے۔ مغرب مشرق بن جاتا ہے اور مشرق مغرب کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ کے ارشاد کے مطابق کائنات کی بنیاد نور ہے۔ نور مشرق مغرب کا محتاج نہیں ہے۔ مشرق مغرب شمال جنوب زمین آسمان ہر سمت بیک وقت دور کرتا ہے۔ نور کی کوئی سمت متعین نہیں ہے۔ پھر سمت کیا ہے۔۔۔؟ اللہ نے جو نظام قائم کر دیا ہے اس میں نہ تغیر ہے نہ تعطل ہوتا ہے۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اصل نقل ہے، نقل اصل ہے لیکن نقل فکشن ہے اور اصل reality ہے۔''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

مرشد کریم نے مختصراً آنے والے وقت کی منظر کشی کر دی تھی لیکن وقت نہیں بتایا۔۔ اس نے پوچھا نہیں ایسا کب ہو گا کیوں کہ خیال نے کہا نہیں۔ بس مزید یہ جاننے کی خواہش کی کہ سرکار! پیش گوئی کی گئی تھی کہ دنیا کو تباہی سے بچانے کے لیے کوئی مسیحا آئے گا؟ فرمایا۔۔ ''جب کوئی باغ لگتا ہے تو مالی پہلے سے ہوتا ہے۔۔ بندہ پیدا ہو گیا ہے یقیناً۔۔ کب سامنے آئے گا، بتانے کی اجازت نہیں۔''

نظیر اکبر آبادی کہتے ہیں:

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں ، کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ، ہے ساتھ لگا تیرے دشمن

www.ksars.org

کیا لونڈی ، باندی ، دائی دوا ، کیا بندہ چیلا ، نیک چلن
کیا مندر ، مسجد ، تال، کنوئیں ، کیا گھاٹ سرا ، کیا باغ ، چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ
کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل ، زمرد، سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جانوں پر
نقارے ، نوبت ، بان نشان ، دولت، حشمت ، فوجیں ، لشکر
کیا مسند ، تکیہ ، ملک، مکاں، کیا کرسی، چوکی ، تخت ، چھپر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ
مغرور نہ ہو تلواروں پر، مت پھول بھرو سے ڈھالوں کے
سب پٹا توڑ کے بھاگیں گے، منہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے، کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بقچے تاش مشجر کے ، کیا تختے شال دو شالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

وہ سوچ رہا تھا جب وقت اجل آ پہنچے گا، سب ٹھاٹھ یہیں رہ جائیں گے، مال و زر اور نام و نشاں سب مٹی میں مل جائیں گے۔۔۔اور صرف ایمان باقی رہے گا۔ کسی کا دولت پر ایمان ہے تو کسی کو مرتبہ پر ناز ہے۔ کوئی اقتدار چاہتا ہے تو کوئی کبر و نخوت کی تصویر ہے، کسی کے لیے مال فتنہ ہے تو کسی کے لیے اولاد فتنہ ہے، کوئی زر و جواہرات جمع کرتا ہے تو کوئی زمینوں سے امید رکھتا ہے، کسی کو غیبت کھا رہی ہے تو کسی کو خود غرضی اور حسد کی بیماری ہے، کوئی جھوٹ بولتا ہے تو کوئی دھوکا دیتا ہے، کسی کو ملاوٹ کی عادت ہے تو کسی کا کاروبار ناپ تول ہے، کوئی انتقام لیتا ہے تو کوئی نفرت کا بیج بوتا ہے، کسی کو عورت کی کشش خاک میں ملاتی ہے تو کسی کو مرد کی کشش خاک میں ملاتی ہ،اور یہ سب کے سب ہیں زمین کی کشش ثقل میں گرفتا۔ یہ نہیں جانتے کہ گرفتاری قید اور قید مصیبت ہے۔ لیکن ایسے بھی لوگ ہیں جن کا ایمان اللہ سے محبت اور فرمان الٰہی کی

www.ksars.org

فرماں برداری ان کا ایقان ہے۔ان پر یقین کی دنیا روشن ہوتی ہے۔ضمیر نور باطن اور نور روشنیوں کا سمندر رہے۔یہ خوف رکھتے ہیں نہ ان کے دل غمگیں ہوتے ہیں۔یہ اللہ

''اشد حباللہ'' کی تفسیر ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں اور ان کی محبت دل میں رکھتے ہیں مگر ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہے۔''(البقرۃ:۱۶۵)

اس نے سوچا جو شخص جو کر رہا ہے وہ اس کا ایمان ہے۔سچ بولنے والے کا ایمان سچ اور جھوٹ بولنے والے کا ایمان جھوٹ ہے۔مال وزر سے محبت کرنے والے کا ایمان پیسہ اور اللہ کی راہ میں دینے والے کا ایمان سخاوت واستغنیٰ ہے۔ایمان ایقان اور ایقان ایمان ہے۔جزا وسزا اور قضا وقدر کے فیصلے ایمان وایقان پر ہوتے ہیں۔لیکن دین محبت کسے کہتا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔۔۔؟

جاننا چاہتا تھا قرآن نے محب اور محبوب کی تعریف کیا کی ہے۔۔۔؟

پودے پر پتے اور پھول رنگ بدل کر سوکھ جائیں تو نئے پھول پتے آتے ہیں اور ٹہنیاں ہری بھری ہو جاتی ہیں۔ایسا کیوں ہوتا ہے؟ خیال نے کہا جڑ سلامت رہتی ہے۔۔۔لیکن تمہاری دنیا تو اب وہ پودا بن گئی ہے جس کی جڑ کو دیمک کھا رہی ہے۔۔۔۔پھول لگتے ہیں نہ شاخ پر سبزہ ہے۔جس پودے کی جڑ خراب ہو جائے اس پر نیا رنگ نہیں چڑھتا۔۔۔مالی پودے کو زمین سے نکال کر نئے بیج کی آبیاری کرتا ہے اور پودا پروان چڑھتا ہے۔

اسے سوچ میں گم دیکھ کر مرشد نے فرمایا،''درخت کا بیج اگر نہیں دیکھا ہے تو غور سے دیکھو۔بیج دراصل دو پرت ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان مائیکرو فلم کا ایک دھاگہ ہے۔اگر اس کو بیج کی روح سمجھا جائے تو دراصل یہی درخت ہے۔''

بات ختم کر کے وہ مسکرا دیئے۔اس نے سوچا بات مختصر، گہری اور مکمل ہے۔بار بار پڑھ کر اور پھر بیج کو کھول کر بات سمجھ میں آئے گی۔رخصت لے کر گھر جاتے ہوئے بیج کے قانون پر غور کر رہا تھا کہ ذہن میں سوال آیا۔خیال سے پوچھا۔۔۔پودا تو لگے گا اور پروان چڑھ کر جوان بھی ہو گا لیکن اس سے پہلے جو تباہی ہے اس کا کیا ہو گا۔نجات کا راستہ کیا ہے۔۔۔؟

جواب موجود تھا اور خیال بھی جانتا تھا کہ ذہن جواب سے واقف ہے لیکن وہ دونوں گفتگو رکھنا چاہتے تھے۔خیال نے دماغ کی اسکرین پر خدوخال بنانا شروع کر دیئے۔لکیر ایک تھی لیکن لکیر لکیر سے مل کر نئی لکیریں بن رہی تھیں، رنگ بھی ایک

www.ksars.org

تھا مگر رنگ رنگ سے مل کر نیا رنگ بن رہا تھا، نقش ابھر رہے تھے، خدوخال واضح ہو رہے تھے اور تصویر جگ مگ جگ مگ جگ مگا رہی تھی۔

یہ وہ تصویر ہے جس کی خوب صورتی اور دل کشی تصویر والے کے حسن سے ہے۔

خیال میں محو تھا کہ دماغ میں بابا بلھے شاہؒ کا کلام گونجنے لگا۔

علم نہ آوے وچ شمار
اکو الف تیرے درکار
جاندی عمر نہیں اتبار
علموں بس کریں او یار
جد میں سبق عشق دا پڑھیا
دریا ویکھ وحدت دا وڑیا
گھمن گھیراں دے وچ اڑیا
شاہ عنایت لایا پار
علموں بس کریں او یار
بلھا رافضی نہ ہے سنّی
عالم فاضل نہ عامل جنّی
اکّو پڑھیا علم لدنی
واحد الف میم درکار
علموں بس کریں او یار

www.ksars.org

رنگوں کا جہاں

دور۔۔۔ بہت دور افق پر سورج غروب ہو رہا تھا۔ شام ڈھلتے سورج کے بغیر ادھوری ہے۔ دن بھر جلال کے بعد جب سورج جمال بنتا ہے تو نیلگوں آسمان پر سرخ پیلے، نیلے، سبز، سیاہ اور کتنے رنگ بکھر جاتے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک بادل آسمان تک پہنچنے کے لیے راستے محسوس ہوتے ہیں۔ اس نے نگاہوں ہی نگاہوں میں راستوں کو طے کرنا شروع کیا۔ سوچا دیکھتا ہوں کہ یہ راستے کہاں تک لے جاتے ہیں۔ اور پھر بادلوں پر چلتے چلتے، ایک کے بعد ایک بادل پر قدم رکھتے راستہ بادلوں میں گم ہو گیا۔ ناچار نظریں لوٹ آئیں۔ اس نے خود سے کہا۔۔۔ پہلے زمین پر اپنے چلنے کی سمت صحیح کر لو پھر آسمان میں راستے ڈھونڈنا!

توجہ دانہ چگتے پرندوں پر مرکوز ہو گئی۔ لیکن کچھ سوچتے سوچتے نگاہیں غیر ارادی طور پر پھر آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ آسمان canvas محسوس ہوتا ہے جس پر ترتیب سے ایک ساتھ بہت سارے رنگ بکھیر دیئے گئے ہیں۔ رنگ رنگ مل کر نئے رنگ بنتے ہیں اور آخر میں سب رنگ مل کر سیاہ بن جاتے ہیں۔ سیاہ رنگ کو کھولا جائے تو دیگر سارے رنگ اس میں موجود ہیں۔ ذہن نے سوال کیا۔ سیاہ رنگ کی کیا اپنی کوئی شناخت ہے یا وہ رنگوں کا مجموعہ ہے۔ یا پھر رنگ صرف ایک ہے اور وہ سیاہ ہے۔۔۔؟ سیاہ رنگ کُھلتا ہے تو طرح طرح کے رنگ بنتے ہیں اور سیاہ جب سمٹتا ہے تو سارے رنگ میگنٹ کی طرح واپس آ کر اس میں مل جاتے ہیں۔ اس نے سوچا جب سارے رنگ سیاہ میں شامل ہیں تو دوسرے رنگوں کی کیا حیثیت ہے۔۔۔؟

خیال آیا رات بھی تو سیاہ ہے۔ رات جب محبوب پر اپنے اسرار کھولتی ہے تو اس سیاہی میں رنگوں کا جہاں آباد ہو جاتا ہے۔۔۔ اور جس کا کوئی محبوب نہ ہو، رات اس کے لیے اندھیر نگری ہے۔ نگاہیں تاریکی سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہیں لیکن محبوب کے لیے رات، رات نہیں۔ روشن راہیں ہیں جن میں رنگ رنگ چشمے پھوٹتے ہیں۔ ہر رنگ نیا جہاں ہے اور ہر جہاں میں لاشمار جہاں آباد ہیں۔

نظر غروب ہوتے سورج پر پڑی۔ عجب قدرت ہے اللہ کی دن میں سورج پر نگاہ نہیں ٹھہرتی اور شام ہوتے ہی نگاہیں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں۔ لیکن یہ کیا۔۔۔؟ سورج غروب ہو رہا ہے یا سرمئی بادلوں کی تہ در تہ اس پر چڑھ رہی ہے۔۔۔؟ اسے لگا

www.ksars.org

اللہ سورج کو بادلوں سے ڈھانپ رہا ہے۔ بادل جیسی لطیف شے کا آگ برسانے والے سورج کو ڈھانپنا حیران کن تھا۔ وہ روشنی کہاں گئی جو دن بھر تپش برساتی ہے۔ کیا سورج خود روشن نہیں۔۔۔؟ اگر سورج خود روشن نہیں ہے تو اس کی روشنی کا سورس کیا ہے۔ سورج کہاں سے آتا ہے اور کہاں چلا جاتا ہے۔ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے تو مشرق کیا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے تو مغرب کیا ہے۔۔۔؟

مرشد کریم نے فرمایا تھا ایسے بھی عالمین ہیں جہاں سورج مغرب سے نکلتا ہے اور مشرق میں غروب ہوتا ہے۔

اس نے سوچا سورج کے مشرق یا مغرب سے نکلنے میں کیا حکمت ہے۔ یہاں مشرق وہاں مغرب، وہاں مغرب یہاں مشرق۔۔۔ کیا اس تبدیلی کا دونوں عالمین میں وقت کی رفتار پر اثر پڑتا ہے۔۔۔؟ قرآن نے خود شرق اور غرب کی نفی کی ہے۔ شرق اور غرب نہیں ہے تو ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟

ایک کے بعد ایک سوال ذہن میں آرہا تھا۔ شیخ کے پاس جانے سے پہلے اس نے قرآن میں سورج سے متعلق آیات تلاش کیں، غور کیا اور جو سوالات اور باتیں سمجھ میں آئیں اس کا خلاصہ نوٹ بک میں لکھا۔

اللہ نے آدم کو پیدا کیا۔ معین مقداروں کا علم دیا۔ آدمی سے انسان کا مقام عطا کیا اور علم میں تصرف کرنا سکھایا۔ زمین و آسمان کو اعتدال میں رکھا اور تدبیر سے اس میں موجود ہر شے کی حدود معین کیں۔ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے نہ چاند سورج کو۔ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ دن رات سے۔ سب منزلیں، مقام اور وقت معین ہے اور سب فرماں برداری سے اپنے کام میں لگے اللہ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ''فالق الاصباح'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس نے لغت میں فالق کا مطلب دیکھا۔ فالق کا مطلب ''چیرنے والا'' ہے۔ فالق، فلق سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں چیرنا۔ چوں کہ صبح کا نور رات کی تاریکی کو چیر تا دیتا ہے اس لیے صبح کو فلق کہا گیا۔ اللہ وہ ہے جو رات کی تاریکی کو چیر کر صبح کو روشن کرتا ہے اور مقررہ وقت کے بعد اس روشنی کو پھر رات کی تاریکی میں بدل دیتا ہے۔ اس نے سمجھا کہ صبح رات میں بند ہے تو پھر رات کس میں بند ہے۔۔۔؟

سورج کی روشنی پھیلتی ہے تو سائے سمٹتے ہیں اور جب سائے پھیلتے ہیں تو سورج کی روشنی دھیرے دھیرے سمٹتی جاتی ہے۔ خالق کائنات نے قرآن کریم میں سورج اور اس کی دھوپ چڑھنے کی قسم کھائی ہے۔ چاند کی قسم

www.ksars.org

کھائی ہے جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے۔دن کی قسم کھائی جب وہ سورج کو روشن کرتااور رات کی قسم کھائی جب وہ سورج کی روشنی کو ڈھانک لیتی ہے۔

قرآن کریم کے مطابق سورج خود روشن نہیں،دن کی روشنی اسے منور کرتی ہے۔

یہ سوال کہ دن کیا ہےاور رات کیا،ایک بار پھر ذہن میں گردش کرنے لگا۔

قرآن کریم میں ذوالقرنین کا بھی ذکر ہے کہ جب وہ پہنچا سورج کے ڈوبنے کی جگہ تو دیکھا کہ وہ ڈوبتا ہے دلدل کی ندی میں۔۔۔ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ سورج کو چمک اور ایک مقام پر سراج بھی کہا گیا ہے۔ سورج کی روشنی کے لیے ''ضیاء'' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ لغت کے مطابق ''ضوء'' زیادہ تیز روشنی کو کہتے ہیں۔ صاحبِ کشف کے نزدیک ''ضوء''نور سے پھیلنے والی شعاع کو کہتے ہیں۔

قرآن نوع آدم سے مخاطب ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور آدم کی اولاد میں کئی نیک بخت اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔اس نے سوچا سورج، چاند ستارے، پہاڑ وغیرہ جب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں تو کس طرح جھکتے ہوں گے۔۔۔؟

خیال آیا سجدہ کا وقت نہیں لکھا۔ساری مخلوق ہر وقت اللہ کو سجدہ کر رہی ہے۔تو کیا جس حالت میں ہم پہاڑ سورج اور چاند کو دیکھتے ہیں، یہ ان کے سجدہ کی حالت ہے۔۔۔؟

سجدہ کے حقیقی معنی کیا ہیں۔۔۔؟

بک شیلف میں موجود مرشد کریم کی تحریر کی گئی کتابوں میں سورج سے متعلق ابواب کا مطالعہ کیا اور چند باتیں مختصر نوٹ کی شکل میں ڈائری میں محفوظ کر لیں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ''سورج میں روشنی نہیں ہے، اصل میں زمین روشن ہے۔زمین محوری اور طولانی گردش کر رہی ہے۔ زمین کی روشنی کا انعکاس سورج کے اوپر ہوتا ہے اور سورج کا یہ انعکاس دھوپ ہے۔اللہ نے ہر شے دورخوں پر پیدا کی ہے۔ زمین کا باطنی وجود ایسی ماورائی لہروں سے بنا ہے جو براہ راست نور سے فیڈ ہوتی ہیں۔جب زمین کا ظاہر وجود باطن میں داخل ہوتا ہے تو زمین کے اندر موجود عناصر میں توانائی داخل ہوتی ہے جس سے زمین پر موجود مخلوق کو حیات نو عطا ہوتی ہے۔ آنکھ جب سورج کو دیکھتی ہے تو اس میں شعاعیں اور روشنیاں پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔سورج دیکھنے کے بعد یہ تاثر قائم ہوتا ہے سورج کے اندر حرارت اور گرمی ہے جب کہ ایسا نہیں۔جب ہم اپنے سیارہ کو دیکھتے ہیں تو سیارہ میں روشنی کو سورج

www.ksars.org

کی روشنی قرار دیتے ہیں۔جب کہ اندر کی آنکھ دیکھتی ہے ہر سیارہ بذات خود روشن ہے۔سیارہ جب سورج کے سامنے ہوتا ہے توسیارہ کی روشنی سورج پر پڑتی ہے۔سورج کے اندر ظاہری آنکھ سے جو تیزی نظر آتی ہے وہ دراصل زمین یا کسی سیارہ کا عکس ہے۔''

قرآن کریم میں سورج سے متعلق آیات کی روحانی توجیہ شیخ طریقت سے سمجھنا چاہتا تھا۔

ان کی خدمت میں عرض کیا۔سرکار! سورج کیا ہے۔زمین کی روشنی جب سورج پر پڑتی ہے تو یہ روشنی زمین سے جاتے ہوئے کیوں محسوس نہیں ہوتی۔منعکس ہو کر کیوں محسوس ہوتی ہے۔زمین کی روشنی ہم سے گزر کر سورج تک جاتی ہے۔ تو کیا ہمارا عکس بھی سورج پر پڑتا ہے؟

وہ مسکرائے اور فرمایا۔۔''ایک شیشہ لیں گول اور اس کو سورج کے سامنے کریں، سورج کی روشنی شیشہ پر پڑے گی تو reflectionہو گا۔سورج جہاں ہے شیشہ میں مخالف رخ پر نظر آئے گا۔سب الوژن(illusion)ہے۔

سیارہ روشن ہے۔مستقل گردش کر رہا ہے۔جیسے جیسے سورج کے سامنے آئے گا اسی مناسبت سے سورج میں تپش پیدا ہوتی جائے گی اور جس مناسبت سے سیارہ اوٹ کر جائے گا وہاں رات ہو گی اور جو حصہ سورج کے سامنے ہو گا وہاں دن۔اس کو اللہ نے فرمایا ہم رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں۔ادھیڑتے ہیں رات کو دن پر سے اور دن کو رات پر سے۔ نکالتے ہیں دن میں سے رات کو اور رات میں سے دن کو۔رات اور دن ایک عکس ہیں۔شیشہ کی مثال سامنے رکھیں۔یہ سوال کہ روشنی زمین سے جاتے ہوئے کیوں نہیں محسوسس ہوتی تو۔۔اس آنکھ سے محسوس نہیں ہوتی لیکن اندر کی آنکھ دیکھتی ہے۔''

وہ الفاظ کاغذ پر تحریر کر رہا تھا اور ذہن مرشد کریم کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس نے سوچا روحانی لوگوں کا اتنی تپش کو قریب سے محسوس کرنا اور پھر اس سے محفوظ بھی رہنا۔۔۔؟ سوال نہیں کیا بس جو نوٹ کیا اسے کچھ لمحہ خاموشی سے دیکھا۔

مرشد کریم کے سامنے وہ کھلی کتاب ہے۔

وہ شیخ کے الفاظ کو پڑھ رہا تھا اور شیخ اس کے ذہن کو۔

انہوں نے فرمایا،''پریکٹس ہو جاتی ہے۔آپ اس کو تندور کی مثال سمجھیں۔روٹیاں بنانے والے تندور میں کس قدر جھک کر روٹیاں لگاتے ہیں انہیں تپش کی عادت ہو جاتی ہے۔ساری بات پریکٹس کی ہے۔روحانی لوگ تو سورج میں چلے جاتے

www.ksars.org

ہیں چاند میں چلے جاتی ہیں۔انہیں باقاعدہ مشاہدہ کروایا جاتا ہے۔روحانیت میں مشاہدہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتااور مشاہدہ ہی سب سے بڑا تجربہ ہے۔''

عرض کیا،سائنس کہتی ہے کہ سورج زمین سے نو کروڑ میل دور ہے اور اس کی روشنی زمین پر آٹھ منٹ چند سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔پھر ہماری حیثیت کیا ہوئی۔ہم کس دور میں رہ رہے ہیں۔۔۔ہم آٹھ منٹ پہلے کے سورج کو دیکھ رہے ہیں یا آٹھ منٹ بعد کے۔۔۔ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟

فرمایا،''موجودہ سائنس نے ہبل بنالی۔الوژن ہے یہ۔تحقیق کرتے ہیں اور پھر بعد میں اس کو رد کر دیتے ہیں لیکن غلط ثابت ہونے پر نوبل انعام واپس نہیں لیتے۔کیسے معلوم ہو کہ سورج نو کروڑ میل دور ہے۔کوئی ناپا ہے انھوں نے۔۔۔نو کروڑ میل کو کیسے ناپ لیا؟بس جو ذہن میں آیا لکھ لیا۔تصدیق ہے تو پھر سائنس میں روز بروز تبدیلیاں کیوں ہوتی ہیں۔۔۔؟بارش برسائیں یا روک کر دکھائیں،ہوا بند کر دیں یا پھر چلائیں۔جہاز ان کے گم ہو جاتے ہیں۔برمودا ٹرائنگل کی حقیقت کا کھوج کیوں نہیں لگاتے۔۔۔؟یہ کہتے ہیں پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنتا ہے تو پھر پانی کی قلت کیوں ہے۔کہتے ہیں مہنگا ہے اگر آکسیجن اور ہائیڈرون سے بننے والا پانی بہت مہنگا ہے تو پھر جو لوگ بہت دولت رکھتے ہیں ان ک لیے ہی بنالو۔پانی آکسیجن اور ہائیڈروجن سے نہیں بنتا۔سائنسی ترقی الوژن (illusion)ہے!''

دنیا کے مستقبل سے متعلق جواب دیتے ہوئے مرشد نے فرمایا تھا جو چیز یہاں اصلی ہے وہ نقلی بھی ہے۔نقلی چیز میں تغیر ہوتا ہے اصلی میں تغیر نہیں ہوتا۔بہت گہری بات تھی۔اس نے اس وقت اس پر زیادہ سوچا نہیں لیکن ڈائری میں نوٹ کر لیا تھا۔اب جب موجودہ سائنس کی ترقی کا ذکر آیا تو ذہن میں اصلی اور نقلی والی بات تازہ ہو گئی۔کائنات کی بے ثباتی بتاتی ہے کہ کائنات کے ظاہر میں تغیر ہے لیکن باطن میں نہیں۔مرشد نے فرمایا تھا کہ اللہ کی سنت میں تبدیلی ہے نہ تعطل ہے۔

اس نے خیال سے پوچھا کہ کائنات کا باطن اللہ کی سنت ہے تو پھر اللہ کی سنت کیا ہے؟

خیال نے کہا اللہ کا ہر حکم اس کی سنت ہے۔

اس نے سوچا ظاہر باطن تک پہنچنے کے لیے اللہ کی نشانی ہے۔محقق (scientist)کائنات کے ظاہر میں تفکر کرتا ہے لیکن جس sourceنے کائنات کو تھام رکھا ہے،آسمان کو گرنے سے روکا ہے،زمین کو مدار میں حرکت کا پابند کیا ہے، چاند،سورج اور ستاروں کی منزلیں مقرر کی ہیں،پانی کی ایک بوند سے رنگ رنگ جان دار بنائے،اناج،میٹھے پھل اور پھول

www.ksars.org

پیدا کیے جس کے رس سے شہد کی مکھی آب شفا بناتی ہے۔ پہاڑ، بلند و بالا چوٹیاں، چشمے دریا اور سمندر بنائے، ان دیکھی حد بندیاں سمندر کو باہر آنے سے روکتی ہیں، محقق (scientist) خلا میں سیٹیلائٹ بھیجتا ہے لیکن جس source نے خلا کو بنایا اس پر غور نہیں کرتا۔ تغیر پر تفکر کر کے تغیر کو حتمی سمجھتا ہے اس لیے تحقیق بھی تغیر پر قائم ہے۔ پھر نیا محقق آتا ہے اور اس تحقیق کو رد کر کے اپنی تحقیق پیش کرتا ہے جس کا انجام پہلی تحقیق سے مختلف ہوتا۔ دنیا ان محققین کی معترف ہے لیکن یہ کیوں نہیں سوچتی کہ خالق کے تصور کے بغیر ہر تحقیق نظر کا دھوکا ہے۔ بالکل Hubble دوربین کی طرح!

www.ksars.org

مرشد مرشد مرشد

اس کے پاس چھوٹی ڈائری تھی جسے وہ ساتھ رکھتا۔ سفر میں یا پھر کہیں بھی غور و فکر کے دوران ذہن میں جو خیال آتا وہ نوٹ کر لیتا۔ مشق جاری تھی کہ غیر محسوس طریقہ سے معمول میں تبدیلی آئی۔ اسے کسی کتاب پر کام کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔ ذمہ داری جلد پوری کرنے کے لیے وقت اور سوچ کتاب پر مرکوز کر دی۔ اس دوران ذہن میں ڈائری میں لکھنے کے لیے خیالات آتے رہے لیکن وہ انہیں تحریر میں نہیں لایا۔ بس چند خیالات کو کچھ دیر دہرایا اور باقی واپس آنے کے لیے گزر گئے۔ ڈائری لکھنے کا عمل کہیں پیچھے رہ گیا، کتاب مکمل ہو گئی۔

اب جب اس نے واپس ڈائری لکھنا شروع کی۔۔۔ ذہن خالی تھا۔ اس نے سوچا خالی ذہن ہونا تو اچھی بات ہے۔ موقع ہے نئی آبیاری کا۔ پہلا عکس مرشد کا ہونا چاہئے اور پھر ہر عکس پہلا ہونا چاہئے۔ لیکن پریشانی یہ تھی سمجھ نہیں آیا کہ لکھے تو کیا لکھے۔ ایسا بہت کم ہوتا کہ لکھنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ جب وہ لکھتا تو لکھتا چلا جاتا لیکن کئی بار ذہن پر زور دینے کے بعد بھی کاغذ کورا تھا۔

خالی ذہن ہونے کو دماغ جس مثبت طریقے سے دیکھ رہا تھا دل اس سے مطمئن نہیں تھا۔

دل کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں اطمینان نہیں، بے چینی تھی۔ دل نے کہا۔۔ یہ وہ خالی ذہن ہونا نہیں جسے تصوف خالی الذہنی کہتا ہے۔ یہ وہ خالی الذہنی ہے جو توجہ بٹ جانے سے پیدا ہوتی ہے، ذہن میں بہت کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں ہوتا۔

اپنا محاسبہ کیا تو دل نے راہ نمائی کی۔۔ کسی کام کو کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے اہم کام چھوڑ دیئے جائیں۔ جب تم وقتاً فوقتاً لکھتے تھے تو کیا لکھتے تھے۔۔ کسے اور کس لیے لکھتے تھے۔۔۔؟

اس نے جواب دیا، مطلوب سے مطلوب کی باتیں کرتا تھا۔

دل نے کہا، پھر تم نے وہ باتیں کرنا کیوں چھوڑ دیں۔ کیا کتاب پر کام کے دوران خیالات کا سلسلہ رکا۔۔۔؟ اس نے کہا، نہیں۔

تم رک کیوں گئے۔۔۔؟

www.ksars.org

دل بھاری کر دینے والی کیفیت تھی۔ خود کو روانی میں لانے کے لیے ابتداء سے ڈائری پڑھنا شروع کی۔ ایک کے بعد ایک پلٹنے والا صفحہ ذہنی بوجھ کو بڑھا رہا تھا۔ لکھی گئی اپنی تحریر اس کے لیے نئی تھی، جیسے وہ کسی اور کا لکھا پڑھ رہا ہو۔

خود سے پوچھا۔۔۔اگر یہ سب میں نے لکھا ہے تو اب کیوں نہیں لکھ سکتا۔ اگر یہ میں نے لکھا ہے تو پھر ہر سطر میرے لیے اتنی نئی کیوں ہے جتنا کسی پڑھنے والے کے لیے ہو گی؟

جن دنوں اس نے ڈائری میں لکھنا شروع کیا ہر وقت تصور میں رہتا۔ توجہ ہٹتی تو بے چین ہو جاتا اور ننھے بچے کی طرح دوڑ کر ماں کا دامن پکڑ لیتا۔ وابستگی کا یہ عالم تھا کہ جیسے ہی تصور گہرا ہوتا وہ اندر باہر حدت محسوس کرتا جیسے محبوب کے حصار میں ہو۔ عجب بے خود کر دینے والی کیفیت ہوتی۔ بے خیالی میں محبوب سے باتیں کرتا۔ بتاتا کہ وہ ان سے کتنی محبت کرتا ہے یا وہ اس سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ اتنی قربت تو نصیب والے کو ملتی ہے۔ بڑوں کا کہنا ہے لوہا میگنٹ کو نہیں کھینچتا، میگنٹ لوہے کو کھینچتا ہے۔ سارا دن محبوب سے محبوب کی باتیں کرتا۔ سوال پوچھتا جواب ملتے۔ اپنی باتیں بتاتا اس یقین کے ساتھ کہ وہ سن رہے ہیں۔ ان کا تصور اس یقین کے ساتھ کہ وہ دیکھ رہے ہیں۔ محبت جب بیان سے باہر ہو جاتی، خاموش ہو جاتا کہ کچھ جذبات جب لفظ بنتے ہیں تو وقعت کھو دیتے ہیں۔ انہیں صرف وہی سمجھتا جو خاموشی کی زبان جانتا ہے اور خاموشی کی زبان گہری ہوتی ہے۔ خاموش رہ کر بھی خاموشی نہیں ہوتی۔ اسے سمجھنے کے لیے محبوب بننا پڑتا ہے اور پھر خاموشی بات کرتی ہے۔ خاموشی گہری ہوتی تو آنکھیں سیپ بن جاتیں اور قطار در قطار موتی باہر آتے۔ وہ محبوب کے تصور میں ڈوب جاتا۔ دل پر مرشد کا لمس محسوس ہوتا تو قرار آ جاتا۔ باب بلھے شاہؒ فرماتے ہیں،

جاں میں رمز عشق دی پائی
مینا توتا مار گنوائی
اندر باہر ہوئی صفائی
جت ول ویکھاں یار و یار
عشق دی نویں نویں بہار

www.ksars.org

یہ ڈائری خاص اوقات میں لکھی گئی تھی۔ان اوقات میں جب وہ خود کو محبوب کے تصور میں گم کر دیتااور پھر جو ذہن میں آتا لکھتا چلا جاتا۔یہ واقعی اس کی تحریر نہیں تھی۔یہ تو محبت کی تحریر تھی جو محبت نے محبت کے لیے لکھی تھی۔اس میں فلسفہ کی گنجائش تھی نہ منطقی استدلال کی۔جہاں محبت ہوتی ہے وہاں فلسفے بے معنی ہو جاتے ہیں اور کوئی دلیل استدلال نہیں چلتا۔یہ کائنات اللہ نے محبت سے بنائی اور اپنے تعارف و پہچان کے لیے محبت کو ذریعہ بنایا۔محبت فرماں برداری ہے،فرماں برداری ادب ہے اور ادب حضوری ہے۔

وہ محبوب کو یاد تو کرتا تھا لیکن اس نے پہلے کی طرح محبوب سے باتیں کرنا چھوڑ دی تھیں اس لیے اب جو لکھنے بیٹھا تو خود کو کورا پایا۔خیال نے کہا۔کورے تو تم ہمیشہ سے تھے،وہ قلم کوئی اور ہے جو تمہارے کاغذ کو سیاہ کرتا ہے۔

اس نے کہا۔۔مجھے پہلے روز سے احساس ہے کہ یہ میں نہیں میرے اندر کوئی لکھتا ہے لیکن اس وقت میں اندر والے کی تحریروں سے مانوس تھا۔وہ لفظ مجھے اپنے لگتے تھے۔جب بعد میں ان کو پڑھتا وہ کیفیت یاد آجاتی جس میں وہ لکھے گئے تھے لیکن اب تو کیفیت یاد آرہی ہے اور نہ الفاظ۔لگتا ہی نہیں کہ میرا اندر کی آواز سے ایسا تعلق بھی تھا۔ایسا نہیں کہ میں نے ان چند ہفتوں میں مرشد کریم کو یاد نہیں کیا۔لیکن ہاں۔۔ذہن بٹ گیا اور بٹا ہوا ذہن اپنا ہوتا ہے نہ کسی کا۔

محبت کرتے ہو۔۔؟خیال نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور ذکر۔۔؟

وہ خاموش ہو گیا۔

خیال نے کہا۔۔تم اب پہلے کی طرح محبت کو بار بار دہراتے نہیں۔محبت ذکر ہے اور ذکر محبت ہے۔مرشد تمہیں یاد کرتا ہے تم بھی بار بار یاد کرو۔کوئی مشکل نہیں کہ تم پھر سے لکھو گے۔

اس نے کہا،میں اس لیے پریشان نہیں کہ میں کیوں نہیں لکھ سکتا۔میں اس لئے پریشان ہوں کہ جو آواز میرے اندر بولتی ہے میں اب پہلے کی طرح اسے نہیں سُن رہا۔میرے لیے لکھنا اہم نہیں ہے۔میرے لئے وہ تعلق اہم ہے جو میرے اندر زندگی کے احساس کو جگاتا ہے ورنہ میرا جینا بے معنی ہے۔زندگی مجھے بوجھ لگتی ہے۔میں پریشان ہوں کہ اچھا بھلا چلتے چلتے بھٹک کیوں جاتا ہوں۔میں بے چین کیوں ہوں۔۔؟

اچانک ذہن میں ایک تصویر بنی۔اس نے ایک بار مجسم تصویر سے سوال کیا تھا کہ زندگی بوجھ اور وہ اتنا بے چین کیوں ہے۔۔۔؟تصویر سے لہریں اٹھیں جب دماغ کی اسکرین سے ٹکرا کر حافظہ میں آئیں تو یاد آیا کہ مرشد کریم نے فرمایا تھا

www.ksars.org

کہ ''ایک طرف سات ارب کا شعور ہے اور دوسری طرف لاشعور کا شعور ہے۔ آدمی کا شعور لاشعور کو پسند نہیں کرتا اس لیے وہ اسے بار بار لاشعور سے ہٹا کر سات ارب لوگوں کے شعور کی طرف کھینچتا ہے۔ سات ارب شعور کے حصار سے نکلنا آسان نہیں۔ جو بندہ لاشعور کے شعور کو مضبوطی سے اپنا لیتا ہے، اس پر فکشن شعور کا حصار ٹوٹ جاتا ہے۔''

اس سے غلطیاں ضرور ہوتی ہیں لیکن یہ غلطیاں۔۔۔ احساس ہونے پر پہلے سے زیادہ محتاط کر دیتی ہیں۔ بھیڑ میں جو بچہ ماں کا ہاتھ چھڑا کر تھوڑی دیر کے لیے جدا ہو جائے وہ واپس کھو جانے کے ڈر سے ماں کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔

خیال نے کہا، بچہ کا ماں کا ہاتھ پکڑنا بہتر ہے یا بچہ خود کو ماں کے حوالہ کر دے اور ماں اس کا ہاتھ پکڑ کر چلے، یہ بہتر ہے۔۔۔؟

اس نے کہا، دوسری بات بہتر ہے۔

خیال نے پوچھا کیوں۔۔۔؟

اس نے کہا، بچہ تو نادان ہوتا ہے۔ کبھی ہاتھ پکڑتا ہے اور جب کوئی چیز اچھی لگے ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔ یوں بھیڑ میں گم ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ لیکن جو بچہ خود کو ماں کے حوالے کر کے چلتا ہے وہ کبھی گم نہیں ہوتا۔ بچہ ماں کا ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔۔۔ ماں بچہ کا ہاتھ کبھی نہیں چھوڑتی۔

لیکن یہ بات تمہیں کب سمجھ آئے گی۔۔۔؟ خیال نے پوچھا۔

بڑے کمال سے اسے آئینہ دکھایا گیا تھا اور وہ سُن ہو گیا۔

خیال نے کہا، میرا مقصد شرمندہ کرنا نہیں محبت کا احساس دلانا ہے۔ بڑھانا ہے اور بڑھاتے جانا ہے۔ یہ بھٹکنا اور بھٹک کر پلٹنا کب تک چلے گا۔ اب تک تم ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتے رہے ہو۔ مرشد کا ظرف اعلیٰ ہے کبھی ہاتھ پیچھے نہیں کیا۔ ہاتھ پکڑنے کی کوشش مت کرو۔ ہاتھ کو حوالہ کر دو۔

وہ اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا، مرشد کریم اسے دیکھ کر مسکرائے اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مسکراہٹ محبت کا سمندر تھی۔ وہ کیسے بتائے کہ جب غلطی کر کے سامنے آتا ہے تو کس قدر شرمندہ ہوتا ہے لیکن محبوب۔۔۔ محبوب تو سرتاپا محبت ہے۔ صبح کا بھولا جب شام کو لوٹتا ہے تو وہ اسے بھولا نہیں کہتے، درگذر کرتے ہیں۔ مرشد کی مسکراہٹ ہی مرید کا تزکیہ ہے۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر احترام میں سر جھکایا اور ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گیا۔

www.ksars.org

وہ کسی سے بات چیت میں مصروف تھے کہ تھوڑی دیر بعد اچانک رکے اور اس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا،

''تمہارا ذہن بھاری ہے، کیا بات ہے۔۔۔؟''لہجہ پر زور تھا۔

اچانک سوال کے لیے وہ تیار نہیں تھا، ہڑ بڑا کر کہا میں ٹھیک ہوں۔

انہوں نے پھر پر زور لہجہ میں پوچھا، ''کیا بات ہے؟''

دل بھرا ہوا تھا، آنکھیں بھی بھر گئیں اور اس نے کہا۔۔ ''ذہن پر بوجھ ہے۔''

گہری مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا، ''جاؤ وضو کر کے آؤ۔''

وضو کر کے آیا تو ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا جو انہوں نے پینے کے لیے دیا اور کسی کو تحریر لکھوانے میں مصروف ہو گئے۔ قربت میں بے قرار دل کو قرار آ گیا تھا۔

اس دن دور دراز کے کسی گاؤں سے ایک عقیدت مند خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہوا۔

مرشد کریم نے گرم جوشی سے استقبال کیا اور اس کے والد کی خیریت دریافت کرتے ہوئے فرمایا، ''آپ کے والد مجھے بہت یاد کرتے ہیں۔ جب وہ مجھے یاد کرتے ہیں تو ان کا عکس میرے سامنے آ جاتا ہے۔ وہ بہت اچھے انسان ہیں، ان کو میرا سلام کہئے گا۔''

یہ بات سن کر وہ بہت نادم ہوا۔ خیال آیا کہ محبت میں فاصلے حذف ہو جاتے ہیں۔ کوئی دور رہ کر پاس اور کوئی پاس رہ کر دور ہوتا ہے۔ دور بیٹھے مرید کے لیے مرشد کا سلام اور پاس بیٹھے مرید کے لیے اس واقعہ میں پیغام ہے۔

جب سب لوگ جا چکے تو اس نے بھی اجازت طلب کی تاکہ وہ آرام فرمالیں۔

انہوں نے پوچھا، ''آپ کچھ کہنا چاہتے تھے؟''

عرض کیا، میں نے غلطی کی ہے اور بہت نادم ہوں۔

کریم مرشد نے فرمایا، ''غلطی ہونا غلط نہیں، غلطی کے بعد غلطی سے نہ سیکھنا غلط ہے۔ غلطیوں سے پاک ذات صرف خالق کی ہے۔ آدمی مخلوق ہے اور غلطی مخلوق سے ہوتی ہے۔ اللہ رحیم ہے اور ہر شخص کو ہدایت دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے۔''(الاعراف: ۲۰۰-۲۰۱)

www.ksars.org

فرمایا، ''ہر شخص کے اندر ایسی آواز ہے جو غلطی کا احساس دلاتی ہے۔ یہ آواز ضمیر کی آواز ہے۔ ضمیر کی آواز پر ہمیشہ عمل کرنا چاہئے۔ آواز پر عمل کیا جائے تو تزکیہ نفس ہے اور غلطی کرنے سے پہلے اس آواز کو سن لیا جائے تو ہر عمل ضمیر کا عمل بن جاتا ہے اور ضمیر باطن کا نور ہے۔''

مرشد کا ہاتھ پکڑ کر مرید خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔ یقیناً وہ محفوظ ہے اگر راستہ کے مناظر میں نہ الجھے۔ مرشد اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر اسے سہارا دیتا ہے۔ لیکن چوں کہ آدمی شعوری طور پر کمزور ہے اس لیے جیسے ہی توجہ مرشد سے ہٹ کر راستہ کی چکا چوند میں گم ہوتی ہے مرید ہاتھ چھوڑ دیتا ہے۔ مرشد مختلف زاویوں سے مرید کو سمجھاتا ہے کہ خود کو حوالہ کر دینا فلاح ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کو ٹھوکر کھا کر بات سمجھ آتی ہے۔

اس نے ہاتھ پکڑنے کا فرق سمجھ لیا تھا۔ کوئی مرشد کا ہاتھ کیسے تھام سکتا ہے۔ یہ مرشد ہے جو مرید کا ہاتھ تھامتا ہے اور پھر فلاح کی جانب قدم اٹھتے ہیں۔

فلاح سے اس کے ذہن میں اذان کے کلمات گونجے، ''حی علی الفلاح، حی علی الفلاح'' اور اس سے پہلے حکم ہے، ''حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ''۔ کیسی گہری بات ہے۔ مساجد سے حق کی آوازیں بلند ہوتی ہیں لیکن ہم غور نہیں کرتے۔ پرندے اور جانور جب خاموش ہوتے ہیں آپ کبھی ان کی آنکھوں کو غور سے دیکھئے ایسے لگتا ہے تفکر میں ہیں۔ سارس تو سب نے دیکھا ہوگا۔ سارس جب سر کو جھکا کر اپنے باریک پیروں پر کھڑا ہوتا ہے ایسے لگتا ہے تعظیم سے سر کو جھکا کر معبود کے حضور کھڑا ہے۔ ایک پر نہیں ہلتا۔ اتنا گہرا تفکر ہے اس کا۔ اور آدمی ہے کہ دن میں کتنی مرتبہ حکمِ اذاں ہوتا ہے اور ایک بار بھی غور نہیں کرتا کہ اذان کیا کہہ رہی ہے۔ بہت شفیق، کریم، مہربان اور رحیم ہے اللہ جو اتنی گستاخی اور بے ادبی کے باوجود لوگوں کو معاف کرتا ہے نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ نوازتا ہے۔

مجھے ہے حکمِ اذاں، لاالٰہ الا اللہ

www.ksars.org

اللہ سب سے بڑا ہے ، اللہ سب سے بڑا ہے

اللہ سب سے بڑا ہے ، اللہ سب سے بڑا ہے

میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

میں گواہی دیتا ہوں محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

میں گواہی دیتا ہوں محمدؐ اللہ کے رسول ہیں

صلوٰۃ کی طرف آؤ ، صلوٰۃ کی طرف آؤ

فلاح کی طرف آؤ ، فلاح کی طرف آؤ

اللہ سب سے بڑا ہے ، اللہ سب سے بڑا ہے

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

جامع الفاظ میں حکمِ اذاں ہے۔ دل نے کہا۔ جس نے اس آواز پر لبیک کہہ کر اپنی نفی کر دی اس کا شمار مفلحون (فلاح پانے والے) میں ہوگا۔

عربی میں اذان کے کلمات دہراتے دہراتے نہیں معلوم کب آنکھ لگ گئی۔

تغیر کی دنیا سے حقیقی دنیا میں داخل ہوا تو خود کو تاریک جگہ پر پایا۔ اندھیرے کو ختم کرنے کی جستجو میں تھا۔ مرشد کریم نے جب دیکھا تو قریب آئے اور کان میں ''حی علی الفلاح، حی علی الفلاح'' بلند آواز میں پڑھا۔ باطن روشن ہوگیا۔ آنکھ کھلی تو صبح کی اذان ہو رہی تھی۔

(اذان فجر میں ایک کلمہ کا اضافہ ہوتا ہے۔۔ صلوٰۃ نیند سے بہتر ہے۔)

فجر میں صلوٰۃ قائم کرنے کے بعد اللہ کے حضور دعا کی اور لیپ ٹاپ کھول کر لکھنا شروع کر دیا،

صلوٰۃ کیا ہے فلاح کیا ہے

سونا ہے کیا جاگنا کیا ہے

حق نے یہ گواہی دی

www.ksars.org

محمدؐ اس کے رسول ہیں
حق کی یہ صدا کیا ہے
کوئی نہیں اللہ کے سوا
لا الٰہ الا اللہ
یہ حکم اذاں کیا ہے

خیالات کو Inpage (اردو ٹائپنگ سافٹ ویئر) پر منتقل کر کے کچھ دیر غور کیا اور لیپ ٹاپ بند کر کے صبح کی واک کے لیے نکل آیا۔

صبح کی چہل قدمی کا اپنا مزہ ہے۔ دن بھر کے لیے توانائی ملتی ہے اور چہرہ پر رونق آتی ہے۔ چہل قدمی کے دوران اس نے سوچا کہ کہاں لکھنا نہیں آرہا تھا اور جب لکھنے بیٹھا تو اشعار وارد ہو گئے۔ کبھی زندگی میں شاعری نہیں کی۔ یہ پہلا تجربہ ہے اور وہ بہت خوش تھا۔ اندر سے کسی نے پوچھا اشعار لکھنے پر خوش ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ خوش اس لیے ہوں کہ میں اس وقت لکھتا ہوں جب تصور میں ہوتا ہوں، توجہ ہٹ جاتی ہے لکھنا بھول جاتا ہوں۔

صوفی شاعر رحمان باباؒ کہتے ہیں،

غبار جب آپ کی راہ کی پڑتی ہے کسی پر
دونوں آنکھوں کا بھی اندھا ہو جاتا ہے مبصر
آپ کے در کے گدا ، سب کے سب ہیں بادشاہ
آپ کے در سے نکل کر ہو جاتے ہیں در بہ در

اس کی توجہ ایک گھر کے باہر گلاب کے سرخ، سفید اور گلابی پھولوں پر پڑی۔ اس نے مخملی پتیوں کو نرمی سے چھوا اور پھولوں کی مہک کو جذب کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ بڑے کہتے ہیں فجر کی نماز کے بعد باقاعدگی سے واک کی جائے تو منفی خیالات اثر انداز نہیں ہوتے۔ گھر واپس جانے کے بعد ناشتہ کیا اور قرآن پڑھنے بیٹھ گیا۔

اللہ جگہ جگہ قرآن میں ایمان والوں سے مخاطب ہے کہ عاجز اور انکسار ہو کر اللہ سے ربط قائم کرو، نفس کو حرص و ہوس سے پاک رکھ کر قلب کا تزکیہ کرو، صبر سے اور ثابت قدم رہ کر اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کر

www.ksars.org

کے دل کو دولت کی محبت سے پاک کرو۔ شک سے پرہیز کر کے یقین کی دنیا روشن کرو۔ اللہ سے واقف ہونے کے لیے اس کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا حق ہے جدوجہد کا۔ رکوع کرو۔ سجدہ کرو۔ اور بندگی کرو رب کی تاکہ فلاح پاؤ۔

رکوع کیا ہے، سجدہ ہے کیا اور بندگی کسے کہتے ہیں، خیال قرآن میں موجود ان الفاظ کے حقیقی معنی جاننے کی طرف راغب کر رہا تھا۔

قرآن کریم کا پیغام ہے کہ پاک اور ناپاک برابر نہیں۔ جو نفس کو پاک رکھتا ہے وہ فلاح پاتا ہے اور جو نفس کو خاک میں ملا دیتا ہے وہ نامراد ہو جاتا ہے۔ قرآن میں بیش تر مقامات پر فلاح پانے کے لیے صلوٰۃ قائم کرنے کا ذکر ہے۔ اس نے سوچا نماز میں بندہ کیا کرتا ہے۔۔۔؟ پھر اذان ایسے اوقات میں ہوتی ہے جب پہر بدلتا ہے۔ ہر پہر کی ابتدا اذان سے ہوتی ہے۔ ایک پہر کا اختتام دوسرے پہر کی ابتدا ہے۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کے علاوہ بھی رات کے بیش تر حصے میں اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

صلوٰۃ کا عمل اور اس میں پڑھی گئی آیات پر غور کیا جائے تو اللہ اکبر سے سلام تک پوری صلوٰۃ اللہ سے ربط قائم کرنا ہے۔ جو شخص صلوٰۃ میں اللہ سے ربط قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے، دو پہروں کے درمیان وقفقں میں بھی اس کا اللہ سے ربط قائم رہتا ہے۔ اللہ اکبر کہہ کر اللہ کی عظمت کا اعتراف کر کے بندہ باطل کی نفی کرتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے اور خود کو اللہ کے حوالہ کر دیتا ہے۔ ساری صلوٰۃ خود سپردگی ہے۔۔ اسی خود سپردگی میں فلاح ہے۔

خود سپردگی کی تعریف قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"کہہ دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہاں کا۔" (الانعام: ۱۶۲)

جینا۔۔۔ پیدائش سے موت اور موت کے بعد حیات پر محیط ہے۔ قربانی کیا اور کیسے ہوتی ہے اور قرآن نے جہادِ اکبر کسے کہا ہے۔۔۔؟ خیال ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کے فہم کی تکرار کر رہا تھا۔

کلام الٰہی مکمل ضابطۂ حیات ہے اور ضابطۂ حیات یہ ہے کہ بندہ خود کو اللہ کے سپرد کر دے۔ اللہ تک پہنچنے کے لیے قرآن کہتا ہے کہ وسیلہ تلاش کرو، اہلِ ذکر سے دریافت کرو، صادقین کا قرب حاصل کرو، اس رحمٰن اور رحیم کے بارے میں کسی خبردار سے پوچھو۔ اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اولیاء اللہ، حضور پاکؐ کے روحانی علوم کے وارث ہیں۔ وہ اللہ کے دوست ہیں اور اللہ کے دوستوں کو خوف ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

www.ksars.org

بچہ کے لیے ماں کا ہاتھ پکڑنا بہتر ہے یا ماں کا بچہ کا ہاتھ پکڑنا، بچہ کے لیے بہتر ہے۔۔۔؟

اس سوال نے غور و فکر کے کئی زاویے روشن کر دیئے تھے۔ تھوڑی دیر کے نہیں لکھنے نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ توجہ ہٹی تو نظر بٹ گئی۔ توجہ کیا ہے اور نظر کسے کہتے ہیں۔۔۔ نظر اور توجہ کا کیا تعلق ہے؟ یہ بات اس کے ذہن میں اس لیے آئی کہ لکھ نہ سکنے کی جس کیفیت سے وہ گزرا تھا وہ بار بار فلم کی صورت میں ذہن میں نمایاں ہو رہی تھیں۔

جب اس کی توجہ ہٹی تھی تو نظر کے سامنے سب کچھ پہلے کی طرح موجود تھا لیکن اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ چیزوں کو دیکھ کر بھی وہ سمجھ نہیں رہا تھا۔ فہم اس حقیقت تک پہنچی کہ توجہ قائم ہوتی ہے تو نظر بنتی ہے۔ توجہ ہٹتی ہے تو نظر منتشر ہو جاتی ہے۔ کسی دور کی یا پھر بہت قریب کی چیز کو دیکھنے کے لیے کیمرے کا فوکس ایڈ جسٹ کرنا پڑتا ہے۔ فوکس ایڈ جسٹ نہ ہو تو اسکرین پر منظر دھندلا نظر آتا ہے۔ جن کی توجہ بٹ جاتی ہے وہ اسی دھند کو منظر سمجھتے ہیں۔

اس نے خود سے سوال کیا، کیا دھند منظر نہیں ہے۔۔۔؟ دھند بھی تو منظر ہے۔

خیال نے کہا، یقیناً دھند بھی منظر ہے لیکن یہ منظر مفروضہ ہے۔ دھند جب پھیلتی ہے تو ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ مادی آنکھ دھند کو حتمی سمجھتی ہے لیکن آنکھ جانتی ہے کہ دھند دنیا نہیں۔۔۔ دنیا دھند کے پیچھے آباد ہے۔

ذہن فوراً آسمان کی طرف گیا۔ اس نے سوچا کیمرے کا لینس اپنی استعداد کے بعد منظر کو دھندلا دکھاتا ہے جیسے سفید یا سیاہ بادل۔ آنکھ بھی کیمرا ہے۔ مادی نظر جہاں جا کر رکتی ہے اس کے بعد خلا نظر آتا ہے۔ ہم اس خلا کو بادل یا آسمان کہہ دیتے ہیں۔ حالاں کہ یہ آسمان نہیں ہے۔ اس کا مطلب آسمان حد کو کہتے ہیں۔ آسمان بلندی ہے اور بلندی ہو یا پستی اسے حد کے علاوہ اور کیا کہیں گے۔۔۔؟ جیسے جیسے نظر گہری ہوتی ہے آسمان کی حد بڑھتی جاتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے بندہ دیکھ لیتا ہے کہ اس آسمان کے پیچھے اور آسمان بھی ہیں۔

ابھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ خیال نے پوچھا، تم کہہ رہے ہو نظر گہری ہوتی ہے تو نظر میں وسعت آ جاتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ دھند کا وجود کہاں ہے۔۔۔ باہر یا اندر۔۔۔ دھند فضا میں ہے یا مسئلہ تمہاری آنکھوں کے لینس کی استعداد میں ہے؟

اس نے جواب دیا، اب تک کے تجربات کے مطابق مسئلہ میرے لینس کی capacity میں ہے۔ آنکھ دیوار کے پار نہیں دیکھ سکتی۔ میں چشمہ لگا لوں، دوربین سے دیکھوں یا بڑے سے بڑا لینس استعمال کر لوں، سب کی حد کہیں نہ کہیں جا کر ختم ہو جائے گی۔ اور میں اتنا ہی دیکھ سکوں گا جتنا لینس دکھائے گا۔

www.ksars.org

توپھر تم نے دیکھا یا لینس نے۔۔۔؟خیال نے پوچھا۔

لینس نے۔اس نے جواب دیا۔

تم لینس کے دیکھنے کو سیکھ رہے ہو تو پھر تم کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔؟

میں سمجھا نہیں۔۔۔؟

خیال نے سوال کو آسان کرتے ہوئے کہا کہ ایک حد تک فوکس کرنے کے بعد لینس کی صلاحیت ختم ہو گئی۔pixelsکا پھیلنا۔۔۔منتشر ہونا ہے، منظر دھندلا گیا اور تم نے اس کا نام آسمان رکھ دیا۔کیا وہ واقعی آسمان ہے۔؟

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

خیال نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا، پھر وہ کیا ہے؟

اس نے کہا، میں جس کو آسمان سمجھ رہا ہوں وہ آسمان نہیں، خلا ہے۔اور خلا کے اوپر آسمان ہے۔

خیال سے پوچھا۔مفروضہ کا حصار کیسے ختم ہو؟

خیال نے جواب دیا۔۔۔؟؟

آنکھ کا لینس

وہ پشاور سے کراچی آرہا تھا۔فضائی سفر کے دوران آنکھ خلا اور خلا میں موجود بادلوں کو قریب سے دیکھتی ہے۔نظر جہاز سے باہر دنیا پر جمادی۔ادراک ہوا کہ بلندی پر آنکھ تھوڑے فاصلہ سے آگے نہیں دیکھ سکتی۔بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی لیکن نظر کسی انجانی شے سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہے یا پھر خلا میں گم ہو جاتی ہے۔دن میں فضائی سفر کریں تو دس ہزار فٹ کی بلندی پر ہر طرف سفید ہی سفید نظر آتا ہے یا پھر آنکھ کا لینس دھندلا (blur) ہو جاتا ہے اور ہم اسے سفید رنگ کا نام دیتے ہیں۔جب کہ زمین سے آسمان کی طرف دیکھا جائے تو یہی آنکھ کروڑوں میل دور چاند کو بھی دیکھتی ہے، ستاروں کو بھی، سورج کو بھی اور جسے ہم آسمان سمجھتے ہیں وہ نیلا آسمان بھی۔سوچ رہا تھا زمین والی آنکھ بلندی پر جا

www.ksars.org

کر محدود کیوں ہو جاتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ جسمانی طور پر بلندی پر پہنچ کر لاکھوں کروڑوں میل آگے دنیا کیا ہے، نظر آنا چاہئے۔ لین یہاں پہنچ کر نظر بمشکل آدھے میل کا سفر طے نہیں کرتی کہ دھندلا جاتی ہے۔ وہاں ایسا کیا ہے جس کا یہ آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی۔۔۔؟

بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔ ایک گھنٹے کے بعد جہاز کی بلندی تھوڑا کم ہوئی تو دیکھا جہاز سے باہر اور اوپر ہر طرف مطلع صاف اور روشن ہے لیکن نیچے ایک علاقہ ایسا ہے جس کے اوپر گہرے سیاہ بادل ہیں اور وہاں اندھیرا ہے۔ سیاہ بادلوں کی وجہ سے اندھیرے پر تعجب نہیں تھا۔ سیا رنگ غالب ہوتا ہے تو ہر رنگ کو سیاہ کر دیتا ہے۔ تعجب اس حقیقت پر تھا کہ وہ بیک وقت دو وقت دیکھ رہا تھا۔۔ بادل کے نیچے رات اور بادل کے اوپر دن، نیچے موجود لوگوں کے لیے رات اور بلندی پر موجود لوگوں کے لیے دن۔ رات اور دن کے درمیان بادل پردہ بن گئے تھے۔ اس نے اس بات کو ایسے سمجھا کہ جب رات ہوتی ہے تو وہ رات نہیں ہوتی بلکہ سیاہ بادل زمین کو گھیر لیتے ہیں۔ ان بادلوں کے پیچھے تیز روشنی ہے۔ یہی صورت حال دن کی ہے۔

یہ تفکر جب اس نے مرشد کریم کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے بات کو اس طرح بیان کیا، ''رات اور دن کی مثال ایک ورق کی ہے۔ صفحہ کا ایک رخ سفید دن ہے اور صفحہ کا دوسرا رخ تاریکی یعنی رات ہے۔ سمجھنے کے لیے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کتاب کا ایک ورق سفید (reverse) لکھا ہوا ہے۔ ورق کا دوسرا صفحہ سیاہ (black) لکھا ہوا ہے۔ سفید دیکھنا دن ہے اور تاریک دیکھنا رات ہے۔ روحانی علوم میں جو قوانین پڑھائے جاتے ہیں (جس کا تذکرہ آسمانی کتابوں اور آخری الہامی کتاب قرآن پاک میں موجود ہے) اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے،''

''وہ رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔''

(فاطر:۱۳)

اس نے عرض کیا، حضور! یہ رات کا دن میں نکالنا اور دن کا رات میں نکالنا کیا ہے۔۔۔؟ کچھ دیر خاموش رہے اور فرمایا۔۔ ''یہ اگلی کلاسوں کی بات ہے۔ روحانیت ایک مکمل ضابطہ عمل اور حیات و ممات کی ضامن ہے۔ روحانیت میں 23 کلاسیں ہوتی ہیں۔''

وہ جو بغور ان کی طرف دیکھ رہا تھا یہ بات سن کر خاموش رہا۔ مزید کچھ نہیں پوچھا اور سر جھکا کر جو کچھ سمجھایا گیا تھا اس پر غور کیا۔ خیال میں ڈوبا تو بے ساختہ پوچھ بیٹھا کہ حضور! یہ تو معلوم ہے کہ زمین سے نگاہ فضا میں ایک

www.ksars.org

حد تک دیکھ سکتی ہے لیکن جسمانی طور پر بلندی پر پہنچ کر نگاہ مزید محدود کیوں ہو جاتی ہے یا پھر جس محدودیت کو میں دور سے محسوس کرتا تھا قریب پہنچ کر وہ زیادہ محسوس ہو رہی تھی؟

فرمایا۔ ''لکھو!'' کاغذ پین ہاتھ میں تھا۔ لکھنا شروع کیا۔

''اور ہم نے قرآن میں ساری باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں۔''

(بنی اسرائیل: ۸۹)

''قرآن ایسی کتاب ہے جس میں ہر ظاہر و باطن بات و وضاحت سے لکھ دی ہے۔ یہ ظاہر اور باطن کیا ہے؟ اس کا جواب بظاہر یہ ہے کہ ظاہر جس کی منظر کشی ہے۔ باطن وہ ہے جس کی منظر کشی ہمارے سامنے نہیں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس چھپی ہوئی منظر کشی کو اندر کی آنکھ دیکھتی ہے۔ قرآن نے فہم کی جو عینک عطا کی ہے اگر اسے لگا لیا جائے تو ظاہر و باطن، ابتدا انتہا آج اور کل۔۔۔ آج اور کل کے درمیان ہونے والے مناظر۔۔ کیا تھا، کیا ہے کیا ہو گا۔ پیدا ہونے سے پہلے ہم کہاں تھے۔۔۔ بچپن کہاں چھپ گیا۔۔ جوانی کی قدریں کیسے نمودار ہوئیں اور یہ قدریں منہ زور گھوڑے کی طرح مغلوب کیوں ہو جاتی ہیں؟ تفصیل غیب سے مشاہدہ بن جاتی ہے۔

کیا ہم جانتے ہیں دنیا میں آنے سے پہلے ہم کہاں تھے۔ اس بات کا بھی کوئی علم ہے دس سال کے بچہ کے شب و روز ماہ و سال کہاں چھپ گئے۔ جوانی پہ انحطاط کیوں آ جاتا ہے جب کہ کوئی نہیں چاہتا۔ جوانی خزاں میں کیوں چھپ جاتی ہے؟ اگر جوانی چھپ جاتی ہے تو بڑھاپا غالب آ جاتا ہے اور بالآخر بڑھاپا بھی غائب ہو جاتا ہے۔ بڑھاپا خزاں کی طرح کیسے چھا جاتا ہے۔ درخت مرجھا جاتا ہے، آدمی سکڑ جاتا ہے۔ آدمی پیدا ہونے سے پہلے کہاں تھا، نہیں معلوم۔ آدمی بڑھاپے کی دہلیز سے نہ چاہتے ہوئے جب اس دنیا کے اُس پار پھینک دیا جاتا ہے کیا اس کے بارے میں دنیا کے تمام علوم جمع ہو کر کوئی ایک صحیح بات کہہ سکتے ہیں۔۔۔؟

بڑے بڑے محقق، دنیا سمیٹنے والے شہنشاہ، زور آور لوگ، کم زور لوگوں کا شکار کرتے ہیں۔ جب وہ اس دنیا میں آئے تھے کیا کچھ ساتھ لائے تھے؟ جب جاتے ہیں کیا کچھ ساتھ لے جاتے ہیں؟ یہ سب کیا ہے۔۔۔؟ ہم آسمانوں کی بات کرتے ہیں، زمین کی گہرائی کی پیمائش کرتے ہیں، پانیوں کی نشان دہی کرتے ہیں، آندھی طوفان روز زمین کی رونق کو تہ بالا کرتے ہیں۔ کیا ہم ان باتوں پر کسی طرح بھی قدرت رکھتے ہیں۔۔۔؟'' اتنا فرما کر وہ خاموش ہو گئے۔

اس کی باتوں کا جواب اسی تفصیل میں تھا۔ ایک ایک سطر (لائن) اس نے کئی بار پڑھی۔ ذہن سوال در سوال کی بھنور میں تھا۔ ظاہر اور باطن کیا ہے۔۔۔؟ فہم کی عینک کیا ہے۔۔۔؟

www.ksars.org

ہم کہاں سے آئے ہیں اور ہر لمحہ کہاں جارہے ہیں۔۔۔؟
مڑ کر پیچھے دیکھتے ہیں تو زندگی کیا ہے۔۔۔؟
مستقبل حال اور حال ماضی بن رہا ہے۔زندگی ماضی ہے تو ماضی کیا ہے۔۔۔؟
خلا میں جا کر تحقیق کرتے ہیں لیکن خلا سے آگے اور خود خلا کیا ہے، نہیں دیکھتے۔
جن چیزوں پر بات کرتے ہیں ان پر قدرت نہیں رکھتے۔سائنس تحقیق کے لیے ہبل پر انحصار کرتی ہے۔ہبل کیا ہے اور یہ معرکہ الآراء دوربین بنائی کس نے ہے۔۔۔؟

ہبل دوربین ماہر فلکیات Edwin Hubble نے ایجاد کی۔یہ خلا میں لگائی گئی ہے اور اس کے نتائج کو دیکھ کر محقق کائنات سے متعلق نظریات اخذ کرتے ہیں۔ہبل مخصوص قسم کی دھاتوں اور گلاس سے بنائی گئی ہے۔مرشد کریم اپنی تحریروں میں پڑھنے والوں کو سمجھ کر پڑھنے کی طرف راغب کرنے کے لیے سوال وجواب کا سلسلہ ہمیشہ رکھتے ہیں۔کئی مرتبہ ہبل سے متعلق سوال پوچھ چکے ہیں۔

ایک مرتبہ شیخ نے پوچھا،"یہ سائنسی دور ہے، تحقیق و تلاش مختلف زاویوں سے پردہ کشائی کرتی ہے۔

۱۔فرض کیجیئے میری دور کی نظر کمزور ہے eye specialist کے مشورہ پر عینک لگالیتا ہوں۔دور کی چیزیں چشمہ سے روشن اور قریب نظر آتی ہیں۔

۲۔خوردبین سے بہت چھوٹی چیزیں بڑی نظر آتی ہیں۔

۳۔Hubble (دوربین) 340 میل دور خلا میں ہے اس میں 100 انچ کا شیشہ لگا ہوا ہے۔شیشہ کی معرفت ہم کہکشانی نظام اور سیارے کو دیکھتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ محققین کی آنکھ نے براہ راست دیکھا یا دوربین کے شیشہ کے دیکھنے کو دیکھا۔۔۔؟"

کائنات لامحدود ہے۔شیشہ سوانچ کا ہو یا دو سوانچ کا۔۔عدد میں آجائے تو محدود ہو جاتا ہے۔محقق زمین پر بیٹھ کر دوربین کے دیکھنے کو دیکھ رہا ہے۔دوربین بھی اس نے خود بنائی ہے۔محقق کی نظر محدود ہے اس لیے اس کو دوربین بنانی پڑی۔لامحالہ بنائی ہوئی چیز بھی محدود ہوگی۔سوانچ کے لینس کے دیکھنے کی بھی ایک حد ہوگی۔اس کے بعد اس

www.ksars.org

لینس کے لیے منظر ویسے ہی دھندلا ہو جائے گا جیسے ہماری آنکھ کے لیے ہوتا ہے۔ محدود لینس کی حد جہاں تک لے جاتی ہے محقق اس چیز کو حتمی مان کر نتائج اخذ کر رہا ہے۔ جب کہ مشاہدہ یہ ہے کہ خلا کے پیچھے بھی ایک دنیا ہے یا پھر دنیا ہی خلا کے پیچھے ہے۔ ہبل نے دیکھنے کی صلاحیت کو بڑھایا ضرور ہے لیکن صلاحیت تو ہبل کی بڑھی۔۔آدمی کی آنکھ تو وہیں کی وہیں ہے۔

اسے فوٹو گرافی کا شوق ہے۔ تصویریں کھینچتے ہوئے ہمیشہ وہ ایک بات محسوس کرتا ہے کہ ظاہری آنکھ محدودیت کے باوجود سامنے موجود منظر کو جیسا دیکھتی ہے، کیمرے کا لینس اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔آنکھ صرف پیچھے نہیں دیکھ سکتی ورنہ سامنے اور دائیں بائیں کا منظر ایک ہی وقت میں اس کا ادراک بنتا ہے۔آنکھ جو دیکھ رہی ہے وہ منظر ویسا ہی دکھانے کے لیے panoramic shot ایجاد کیا۔کیمرے کو دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں گھماتا جاتا ہے۔ اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور اس حد پر پہنچ کر شاٹ اینڈ ہو جاتا ہے۔یوں ایک فریم بنتا ہے۔فریم کہیں، still shot کہیں یا تصویر، ایک ہی بات ہے۔جو لوگ واقف نہیں وہ panoramic شاٹ کو گوگل (Google) کریں تو بات سمجھ میں آجائے گی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ظاہری آنکھ کیمرے سے بہتر دیکھتی ہے یہ اور بات ہے کہ وہ کیا دیکھتی ہے۔ کیمرا ظاہری آنکھ سے اس وقت بہتر ہو جاتا ہے جب لینس کی صلاحیت بڑھادی جائے۔وہ سوچ رہا تھا یہ صلاحیت جو لینس کو دی گئی اگر انسانی آنکھ کو دے دی جاتی تو آدمی کی آنکھ منظر کو زیادہ بہتر دیکھتی۔ خیال نے کہا، ظاہری آنکھ دیکھے یا کیمرا دکھائے، بات تو ایک ہی ہے۔ ظاہری آنکھ اور کیمرا ایک طرح سے کام کرتے ہیں۔آنکھ کو دیکھ کر ہی تو کیمرا بنایا گیا ہے۔ دونوں محدود ہیں۔کیا کوئی ذی شعور محدود دیکھنے کو نتیجہ مانے گا۔۔۔؟

کائنات میں دور کرنے والی لہریں ذہن کی اسکرین سے ٹکرا کر لفظ بن رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کیمرا دکھاتا ہے، آنکھ دیکھتی ہے۔جب آنکھ دیکھتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں۔ ہم خود کب دیکھتے ہیں؟ اگر آنکھ بند کر لی جائے تو ہم دیکھتے کیوں نہیں ہیں۔۔۔؟اس کے معنی یہ ہوئے کہ آنکھ کے تل پر گلاس جو عکس منتقل کر رہا ہے اس عکس کو ہم دیکھ رہے ہیں۔یعنی آئینہ کے دیکھنے کو ہماری آنکھ دیکھ رہی ہے۔ براہ راست ہماری آنکھ نہیں دیکھ رہی۔

اس نے مرشد کریم سے عرض کیا کہ ہماری آنکھ براہ راست کیوں نہیں دیکھتی۔۔۔؟

فرمایا، ''آنکھ براہ راست بھی دیکھتی ہے۔چوں کہ براہ راست دیکھنے والی آنکھ سے ہم واقف نہیں یا واقفیت حاصل کرنا نہیں چاہتے اس لیے عکس نمایاں ہونے کے بجائے دھندلا ہوتا ہے۔کوئی شخص جس وقت چاہے جب

www.ksars.org

چاہے تجربہ اس طرح کر سکتا ہے کہ وہ کسی شے کے بارے میں سوچے یا خیال کرے، شے کا عکس دماغ کی اسکرین پر آجاتا ہے۔واضح طور پر ہم اس لیے نہیں دیکھتے کہ ہمیں،

ا۔دیکھنے کی مشق نہیں ہے۔

۲۔اس دیکھنے کو ہم وہم یا خیال کہہ کر گزر جاتے ہیں۔

وہم خیال کی اگر کوئی حیثیت نہیں ہے تو نفسیاتی مرض کیا ہے۔کیا یہ خیال اور واہمہ کے دائرہ کار سے باہر ہے۔۔۔؟ایک آدمی کو سانپ سے ڈر لگتا ہے وہ سانپ کو دیکھ نہیں رہا۔سانپ کے ہونے کا عکس دماغ کی اسکرین پر ظاہر ہوتا ہے اور آدمی ڈر جاتا ہے۔اگر خیال گہرا ہو جائے تو آدمی فرش پر پڑی ہوئی رسی کو سانپ تصور کر کے ڈر جاتا ہے۔اتنا ڈر جاتا ہے کہ شور مچا دیتا ہے سانپ سانپ! سوال یہ ہے کہ جب سانپ دیکھا نہیں گیا اور سانپ کا مادی وجود سامنے نہیں ہے تو ہم ڈرتے کیوں ہیں۔خوف سے پسینہ کیوں آجاتا ہے۔۔۔؟اس قسم کی مثالیں اگر تلاش کی جائیں تو ہر شخص کی زندگی میں لاشمار مثالیں سامنے آجاتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ جب ہم نے سانپ کا مادی وجود میں دیکھا نہیں ہمارے اوپر خوف کا غلبہ کیوں ہوا۔۔؟''

پدرم سلطان بود

دن کا بیشتر حصہ وہ کتابوں کے مطالعہ اور قرآن کریم میں غور و فکر میں صرف کرتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کا دل لگے۔کسی وقت ذہن پر بوجھ محسوس ہو تو کتاب اس کے کام آتی ہے۔ذہن لمحوں میں یکسو ہو کر نیند کی دنیا میں گم اور وزن بے وزن ہو جاتا ہے۔جو باتیں کتاب میں پڑھتا ہے وہ خواب میں نظر آتی ہیں۔کتابوں سے اس حد تک دوستی ہے کہ جس دن قرآن کریم کو زیادہ وقت دیتا ہے، خواب میں بھی قرآن پڑھتا ہے۔جس آیت پر غور کرتا ہے، خواب میں الفاظ کی تکرار ہوتی ہے۔جو قانون سمجھنا چاہتا ہے، خواب میں بھی دہراتا ہے۔

www.ksars.org

نیند کی دنیا میں داخل ہوا تو دیکھا کسی کا عرس ہو رہا ہے اور وہ دسویں پارہ کے پہلے رکوع کی ترجمہ کے ساتھ تلاوت کر رہا ہے۔ نیند سے جاگا تو زبان پر ''واعلموا'' اور ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا'' کا ورد تھا۔ یاد آیا کہ دسواں پارہ ''واعلموا'' کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ پھر دیکھا کہ وہ ظاہر اور باطن سے متعلق آیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ''وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے''۔ جاگنے کے بعد قرآن کریم کھول کر دیکھا کہ دسویں پارہ کے پہلے رکوع میں کیا لکھا ہے اور اس کا خواب میں پڑھی جانے والی دوسری آیات سے کیا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ خواب کے ذریعے کس جانب متوجہ کر رہے ہیں۔۔۔؟

قرآن کریم کے دسویں پارہ کے پہلے رکوع کا ترجمہ ہے،

''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور رشتہ داروں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلہ کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تھی، (تو یہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یاد کرو وہ وقت جب کہ تم وادی کے اس جانب تھے اور دوسری جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور اس کے درمیان مقابلہ کی قرارداد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پہلو تہی کر جاتے، لیکن جو کچھ پیش آیا، وہ اس لیے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ دلیلِ روشن کے ساتھ ہلاک ہو۔ اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیلِ روشن کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ اور یاد کرو وہ وقت جب کہ اے نبیؐ، اللہ ان کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر کہیں وہ تمہیں ان کی تعداد زیادہ دکھا دیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے، لیکن اللہ ہی نے اس سے تمہیں بچایا، یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔ اور یاد کرو جب کہ مقابلہ کے وقت اللہ نے تم لوگوں کی نگاہوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا تاکہ جو بات ہونی تھی اسے اللہ ظہور میں لے آئے، اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔'' (الانفال: ۴۱-۴۴)

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ میں نہ پڑو۔'' (ال عمران: ۱۰۳)

---

www.ksars.org

کچھ خواب دن کی طرح روشن ہوتے ہیں یا ضمیر راہ نمائی کر دیتا ہے۔ان آیات سے وہ یہ سمجھا کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر بحیثیت مسلمان ہم جس طرح فرقوں میں بٹ گئے ہیں اس نے تیل اور دوسرے معدنی ذخائر کی دولت سے مالامال ہونے کے باوجود نقصان پہنچانے والوں کی نظر میں ہمیں تھوڑا کر دیا ہے۔اللہ اور رسولؐ کی اطاعت سے دور ہو کر ہمارے اندر جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے اس نے پیروں کے نیچے سے زمین نکال لی ہے۔

جب ہم نصیحتیں کرتے ہیں تو ''ہم'' کہنے کے باوجود ہم اس میں نہیں ہوتے۔جب کہ اللہ کے دوستوں کا طریق یہ ہے کہ وہ صدیق ہیں۔ان کا قول، فعل اور فعل، قول ہے۔اللہ اور رسولؐ کی سنت تفکر ہے۔جب تک مسلمانوں نے قرآن میں تفکر کو شعار بنایا، علم کے ہر شعبہ میں سکہ جمایا۔

سائنس کا آغاز یونان سے ہوا جو ساتویں صدی عیسوی تک اس کرۂ ارض پر سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تھا۔جب یونان جنگ کا حصہ بنا تو ترقی رک گئی۔اس وقت تک اسلامی دنیا میں یونانی حکما کی کتابوں کے تراجم پر کام شروع ہو چکا تھا۔یونانی اور مسلم محققین میں نمایاں فرق یہ تھا کہ اہل یونان کے علوم نظریاتی تھے جب کہ مسلم محققین نے علوم کی بنیاد مشاہدات اور تجربات پر رکھی اور ان میں بیش بہا اضافہ کیا۔اگلے پانچ سو سال تک اسلامی دنیا سائنس و ٹیکنا لوجی کا مرکز رہی جس کا دارالخلافہ بغداد تھا۔کوئی ایجاد یا دریافت ایسی نہیں ہے جس کا سہرا مسلمانوں کے سر نہ ہو۔اس امر کا ذکر مشہور مصنف میکس مائر ہاف(Max Meyerhof)نے اس طرح کیا ہے۔

''ڈوبتے ہوئے یونانی سورج (علم) روشنی کو لے کر اسلامی سائنس کا چاند اب چمکنے لگا اور اس نے یورپ کے قرون وسطیٰ کی تاریک ترین رات کو روشن کیا۔یہ چاند بعد میں یورپ کے نشاۃ ثانیہ کا دن طلوع ہونے کے بعد ماند پڑ گیا۔''

مسلمانوں کا زوال اس وقت شروع ہوا جب تفکر کی تحریک کمزور ہوئی۔اس دوران یورپ میں عربی کتابوں کے لاطینی اور دیگر زبانوں میں تراجم شروع ہو چکے تھے۔یورپ اور امریکہ کی درس گاہوں میں پڑھائے جانے والے تمام علوم مسلمانوں کی کتابوں کے تراجم ہیں جن سے وہاں کے محققین نے فائدہ اٹھایا۔ان علوم میں جو اضافہ کیا گیا اس کی بنیاد مسلمان محققین کا کام ہے جنہوں نے ریسرچ کی بنیاد مشاہدہ پر رکھی۔مسلمانوں نے جب یونانی کتابوں کے تراجم کیے تو نام تبدیل نہیں کئے لیکن مغرب نے ترجمہ کرتے ہوئے محققین اور کتابوں کے ناموں کا بھی ترجمہ کر کے بیش تر مقامات پر انہیں اپنے محققین

www.ksars.org

سے منسوب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں انسائیکلو پیڈیا اور تاریخِ سائنس کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کو پروان چڑھانے میں صرف مغرب کا عمل دخل ہے۔

مصنف محمد زکریا ورک نے اپنی کتاب ''مسلمانوں کے سائنسی کارنامے'' کے ایک حصہ میں ان سائنسی حقائق کو بے نقاب کیا ہے جن کی تعلیم یورپ اور امریکہ میں دی جاتی ہے مگر ان میں مسلمان محققین کی دریافتوں اور سائنس کی ترقی میں ان کا حصہ کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ کتاب علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے تحت شائع کی گئی ہے۔ کتاب میں موجود حقائق میں چند کو مختصر کر کے لکھا جارہا ہے۔ مغرب کہتا ہے کہ آئزک نیوٹن نے روشنی (light)، عدسہ (lens) اور پرزم کا صحیح مصرف بیان کیا جو علمِ مناظر (optics) کی بنیاد ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علمِ مناظر (بصریات) کا جدامجد عظیم مسلمان محقق ابن الہیثم ہے جس نے گیارہویں صدی میں آنکھ کے مختلف حصوں کی تشریح کی۔ آنکھ کے بیچ ابھرے ہوئے حصہ کا نام عدسہ تجویز کیا۔ یہ مسور کی دال کی شکل کا ہوتا ہے۔ عدسہ کا لاطینی ترجمہ لینس ہے۔ لاطینی میں مسور کو lentil کہتے ہیں جس سے لفظ لینس بن گیا۔ ابن الہیثم کی حدبی عدسوں پر تحقیق کے سبب یورپ میں مائیکرو اسکوپ اور ٹیلی اسکوپ ایجاد ہوئیں۔

روشنی کے قوانین ابن الہیثم نے دریافت کیے۔ لیکن مغرب نے آئزک نیوٹن سے منسوب کر دیا۔ اس نے آنکھ کی فزیالوجی، فریب نظر (optical illusion)، علمِ تناظر (perspective)، دوربینی تصویر (binocular vision)، رنگ، سراب (mirage)، انعکاس اور انعطاف کے نظریے، علمِ مرایا (diotrics/catoptrics) ہالے (holes)، قوس قزح (rainbow)، کہکشاں (galaxy)، دم دار ستارے (comet) جیسے گہرے موضوعات پر سائنسی توجیہات پیش کیں۔

اس نے تجربہ کیا کہ سورج اور چاند افق پر بڑے نظر کیوں آتے ہیں اور ڈوبتے اور نکلتے کیسے ہیں۔ ستارے رات کے وقت جھلملاتے کیوں ہیں۔ اللہ نے انسان کو ایک کے بجائے دو آنکھیں کیوں دی ہیں۔ چھڑی کو پانی میں رکھا جائے تو وہ ٹیڑھی کیوں نظر آتی ہیں۔ ہم کس طرح دیکھتے ہیں اور ہمیں چیزیں کیوں اور کیسے نظر آتی ہیں؟

گوگل کیجیے تو کیمرے کا موجد مغربی محققین کو بتایا گیا ہے۔ کیمرے کا موجد ابن الہیثم ہے۔ اس نے تجربہ سے ثابت کیا کسی تاریک کمرے کی دیوار میں چھوٹا سوراخ سورج کے رخ پر ہو اور اس سوراخ کے دوسری طرف

www.ksars.org

کمرے میں ایک پردہ اس طرح ہو کہ باہر کی روشنی کا عکس اس پردہ پر پڑے تو پردہ پر جن اشیا کا عکس بنے گا وہ الٹی نظر آئیں گی۔ اس کو کیمرا آبسکیورا کہا جاتا ہے۔ صدیوں بعد کیمرا اسی اصول کے تحت بنایا گیا۔

قطب الدین شیرازی نے ابن الہیثم کے کیمرا آبسکیورا پر مزید تجربات سے بتایا کہ کیمرے میں چھوٹے سوراخ سے روشنی کے آنے پر جو عکس بنتا ہے وہ سوراخ کے سائز پر منحصر ہوتا ہے۔ سوراخ جتنا چھوٹا ہو گا، عکس اتنا شفاف بنے گا۔

کہا جاتا ہے کہ نیوٹن نے سب سے پہلے نظریہ پیش کیا کہ سفید روشنی مختلف رنگوں کی شعاعوں سے بنتی ہے جب کہ یہ دریافت ابن الہیثم اور چودھویں صدی کے ایرانی محقق کمال الدین فارسی کے سر ہے۔ ابن الہیثم نے اصولِ جمود (Law of Inertia) دریافت کیا۔ صدیوں بعد یہی اصول گیلیلیو اور نیوٹن کے قوانین حرکت کا جزو قرار پایا۔

مغرب کے مطابق دنیا کی پہلی لیبارٹری Tycho Brahe (1546-1601) نے تعمیر کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ماہر فلکیات ابن اسحٰق الکندی نے باقاعدہ اس نظام کی پیش رفت کی۔

خلیفہ مامون کے عہد میں بغداد میں متعدد رصد گاہیں تھیں۔ کہا جاتا ہے اڑنے کی مشین کا ڈایا گرام بنا کر پرواز کا پہلا تصور راجر بیکن نے 1929ء میں پیش کیا جب کہ قرطبہ کا باشندہ عباس ابن فرناس وہ پہلا شخص تھا جس نے نویں صدی میں فلائنگ مشین بنائی اور تماشائیوں کے سامنے قرطبہ کی پہاڑی سے کچھ دور لمبی پرواز کی لیکن اس کے glider میں اترنے کے لیے پرندوں جیسی دُم نہیں تھی اس لیے اسے اترتے وقت چوٹیں آئیں۔

اہل یورپ کہتے ہیں کہ شیشہ کے بنے ہوئے آئینوں کی ایجاد وینس میں 1291ء میں ہوئی۔ جب کہ وینس کے لوگوں نے شیشہ سازی کا علم شام کے ماہرین سے نویں اور دسویں صدی میں حاصل کیا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلی

Menchanical clock میلان میں 1335ء میں بنائی گئی لیکن پہلی گھڑی اسلامی سپین میں ابن فرناس نے نویں صدی میں بنائی۔ اس کا نام المقاطہ تھا۔

پینڈولم کی ایجاد سترویں صدی میں گیلیلیو سے منسوب کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قاہرہ کی سائنس اکیڈمی کے عبدالرحمٰن ابن یونس نے 1009ء میں وقت کی پیمائش کے لیے پینڈولم ایجاد کیا۔ کہا جاتا ہے کہ trigonometry کو یونانیوں نے فروغ دیا۔ یونانیوں کا علم نظریاتی تھا۔ البتانی وہ پہلا محقق ہے جس نے ٹرگنو میٹری

www.ksars.org

کی اصطلاحیں سائن (sine)، کو سائن اور ٹینجنٹ استعمال کیں۔ سائن کی اصل عربی ''جیب'' ہے جس کا لاطینی ترجمہ سائن ہے۔ اس نے شمسی سال پر تحقیق کی اور دریافت کیا کہ ایک سال 365 دن، پانچ گھنٹے، چالیس منٹ اور چوبیس سیکنڈ طویل ہوتا ہے۔

لوگارتھم اور لوگارتھم ٹیبلز کی دریافت John Napier سے منسوب کی جاتی ہے جب کہ الگورتھم کا لفظ الخوارزمی کے نام کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ابن شاطر نے مرکری کی حرکت اور چاند کا جو ماڈل تیار کیا اسے ہو بہو بعد میں کوپرنیکس نے پیش کیا۔ جامع کمالات رازی پہلا کیمیا دان تھا جس نے بیان کیا کہ گندھک (Sulphur)، نمک (Salt) اور پارہ (Mercury) ہر قسم کی اشیا میں پائے جاتے ہیں۔ یورپ میں Paracelsus نے اسے صدیوں بعد دریافت کیا۔

عظیم سرجن ابو القاسم زہراوی نے اپنی کتاب میں سرجری کے دو سو آلات کی تصویریں دی ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے نقلی دانت (Denture) گائے کی ہڈی سے بنائے اور orthodontistry کی بنیاد رکھی۔ عدیم المثال طبیب محمد بن زکریا رازی نے بغداد میں ہسپتال کی تعمیر کے لیے شہر کے مختلف علاقوں میں گوشت لٹکانے کے بعد مشاہدہ کیا کہ کس جگہ پر گوشت سب سے آخر میں خراب ہوا اور اس مقام پر ہسپتال تعمیر کرنے کا مشورہ دیا۔

یورپ میں کہا جاتا ہے کہ کوپرنیکس (1543 – 1473) نے سب سے پہلے زمین کی گردش کا نظریہ پیش کیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سجستانی پانچ سو سال قبل اس نظریہ کو دلائل کے ساتھ بیان کر چکا ہے۔ ابو الحسن احمد نسوی کی اہم دریافت (1030ء) وقت کی تقسیم در تقسیم ہے۔ اس نے دقیقہ اور ثانیہ کے الفاظ دیئے جس کا انگریزی میں ترجمہ منٹ اور سیکنڈ کیا گیا۔ بلبل ہزار داستان اور معروف ریاضی دان عمر خیام نے سال کی مدت 365.24219858156 دن نکالی جب کہ اس وقت کمپیوٹر نہیں تھے۔

عبد الرحمن الصوفی وہ پہلا عالمی ہیئت دان ہے جسے خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے چاند کے 47 کلو میٹر کریٹر (crater) کا نام الصوفی (Azophi) رکھا گیا ہے۔ ابو اسحٰق الکندی نے چاند کی 28 منزلیں بیان کیں۔

طب میں ابن سینا کے نام سے کون واقف نہیں۔ رازی اور ابن سینا نے ذہنی امراض کی تشخیص اور ان کے علاج کے لیے ایسے طریقے استعمال کیے جو فرائڈ اور کارل یونگ نے بیسویں صدی میں مریضوں پر آزمائے۔ ابن

www.ksars.org

سینانے جریان کے امیر قابوس بن وشمگیر کے بھانجے کا علاج Word Association سے کیا جو آج بھی عمدہ نفسیاتی طریقۂ علاج ہے۔

قابوس بن وشمگیر کا بھانجا ہر وقت خاموش پڑا رہتا۔ابن سینانے مریض کی نبض دیکھی اور کہا کسی ایسے شخص کو بلایا جائے جو جرجان کے گلی کوچوں سے واقف ہو۔ وہ شخص آیا تو ابن سینانے اسے گلی کوچوں کے نام ٹھہر ٹھہر کر بتلانے کو کہا۔ شیخ کی نظریں مریض کے چہرہ پر تھیں۔وہ شخص نام بولتا جاتا رہا تھا۔ایک محلہ کا نام آیا تو شیخ نے نبض میں عجیب حرکت محسوس کی۔مریض کا رنگ بدل گیا۔اب شیخ نے کسی ایسے شخص کو بلانے کا کہا جو محلہ کے سب گھروں سے واقف ہو اور ہر ایک کا نام جانتا ہو۔ایک گھرانے کا نام آیا تو مریض کی حالت غیر معمولی اور نبض تیز ہو گئی۔گھر والوں کے نام دہرانے پر مریض تڑپنے لگا۔ابن سینانے امیر قابوس سے کہا، یہ نوجوان عشق میں مبتلا ہے۔فلاں محلہ کے فلاں گھر جو خاتون رہتی ہے اس سے اس کی شادی بلاایت و لعل کر دی جائے۔شادی کر دی گئی اور مریض صحت یاب ہو گیا۔

مسلمان محققین کے کارناموں کی فہرست طویل ہے اور صفحات کم۔موجودہ سائنس کی ترقی ان کی مرہونِ منت ہے۔لیکن بعد کے دور میں ٹیکنالوجی اور ذرائع ابلاغ پر غلبہ کی وجہ سے ایجادات مغرب سے منسوب کر دی گئیں ہیں۔

مسلمانوں کی ایجادات لکھنے کا مقصد قصہ کہانیاں سنانا نہیں بلکہ یہ سوچنا ہے کہ عہد رفتہ کے مسلمانوں اور ہم میں کیا فرق ہے۔۔۔؟ وہ کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں۔۔۔؟ بات یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے حکم پر عمل کر کے کائنات میں تفکر کیا اور تفرقہ سے محفوظ رہے۔آج پدرم سلطان بود پر مسلمانوں کو فخر ہے لیکن باپ نے اس کے لیے کیا کیا۔۔مسلمان جانتے ہوئے بھی انجان ہیں۔

اللہ نے پاکستان جیسا ملک عطا کیا۔کون سی ایسی نعمت ہے جو یہاں نہیں۔سارے موسم، ان کے پھل، زرخیز زمین، زیرِ زمین معدنیات کے ذخائر۔۔محاسبہ اپنے آپ سے شروع کیا جائے تو کس کا دامن کتنا داغ دار ہے جواب دن کی طرح روشن اور حقیقت رات کی طرح تاریک ہے۔

نیند سے جاگنے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ وسیع النظر نظر ہی خواب کے مفہوم کو واضح کرے گی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔کچھ سوالات ایسے ہیں انہیں مرشد کریم سے جاننے کی ہمت نہیں ہوتی۔کس منہ سے جا کر

www.ksars.org

اس خواب کی تعبیر معلوم کرے۔ خامیوں سے پُر آدمی اپنے مرشد سے پوچھے کہ حضور بتایئے مجھ میں کیا خامی ہے۔ تو بتایئے اس کا کیا جواب ہو گا۔۔۔؟

www.ksars.org

وَتَرَاھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَایُبْصِرُوْنَ

قربت قدم قدم محاسبہ ہے۔اندر کی آواز رابطہ میں ہے۔۔آواز کو سننے کی اس کی صلاحیت بھی بڑھ گئی ہے۔پہلے غلطی کر کے آواز کو سنتا تھا۔۔اب کام کرنے سے پہلے سن لیتا ہے۔ ملامت دماغ کو بوجھل کر دیتی ہے، پہلے سن لینے سے قلب مطمئن رہتا ہے۔استاد طریقت نے اندر کی آواز کو سننے کا جو اصول بتایا، وہ سنہرا ہے۔ فرماتے ہیں۔۔''ہر شخص کے اندر ایسی آواز ہے جو غلطی کا احساس دلاتی ہے۔۔یہ آواز آدمی کا ضمیر ہے۔ عمل کیا جائے تو تزکیۂ نفس ہے اور غلطی کرنے سے پہلے آواز کو سن لیا جائے تو ہر عمل ضمیر کا عمل بن جاتا ہے اور ضمیر باطن کا نور ہے۔''

دل کے دریچے کھلے اور قرآن کریم کے الفاظ روشنی بنے،

''اے نفس مطمئنہ، پھر چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ شامل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''(الفجر:۲۷۔۳۰)

اللہ کا بندہ سے اور بندہ کا اللہ سے راضی ہونا کیا ہے۔۔۔؟ کتاب ''محمد رسول اللہؐ جلد اول'' کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک سوال پوچھنے پر مرشد نے یہ بات سمجھائی تھی۔اس خوب صورت مقام پر پہنچنے کے لیے نفسِ مطمئنہ ضروری ہے۔ نفس مطمئنہ کیا ہے۔۔۔؟

قرآن کریم کو ترتیب سے پڑھنا چاہئے اور جو پڑھیں اس پر غور و فکر ضروری ہے۔ مخصوص سورتوں کی تلاوت وظیفہ بن جاتی ہے اور بغیر اجازت وظائف سے شعور پر دباؤ پڑتا ہے۔قرآن کی ہر آیت اہم ہے اور بندہ کا اللہ سے ربط قائم کرتی ہے۔پہلے وہ روزانہ تین چار صفحات ترجمہ کے ساتھ پڑھتا تھا۔درمیان میں بہت سی آیات پر ذہن متوجہ کرتا کہ یہاں رک کر غور کرنا چاہئیے۔

جب باقاعدگی سے ایسا ہونے لگا تو اس نے سوچا تین چار صفحات ایک وقت میں پڑھنے سے سپارہ تو چار دن میں ختم ہو جائے گا لیکن تفکر کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔اس کا منشا قرآن پہ قرآن ختم کرنا نہیں بلکہ باطن در باطن، باطن در باطن قرآن کریم کی آیات سے واقف ہونا ہے۔لہذا اب تین چار صفحات پڑھنے کے بجائے جس آیت پر اندر کی

www.ksars.org

آواز متوجہ کرتی ہے وہیں رک جاتاہے۔ مشق سے ہوا یہ کہ اندر کی آواز کو سننے کی صلاحیت بڑھ گئی ہے اور اب وہ سنتا ہے کہ آواز مخصوص آیات پر نہیں، ہر آیت پر متوجہ کر رہی ہے۔

شیخ طریقت زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر کی طرف متوجہ کرتے ہیں تو آسمان سے متعلق یہ آیت اکثر تلاوت فرماتے ہیں کہ ''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستون کے۔''

جتنی مرتبہ یہ آیت سنی، ذہن پر دباؤ محسوس ہوا۔ چوں کہ غور وفکر کی عادت نہیں تھی اس لیے ذہن دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ مرشد کریم کی خدمت میں حاضر تھا تو آیت یاد آئی۔

اس نے پوچھا۔۔۔ سر! ستون کے بغیر عمارت نہیں ہوتی لیکن آسمان کو اللہ نے ستون کے بغیر بنایا اور واضع کر دیا کہ اصل عمارت ستون کے بغیر بنتی ہے۔ پھر آسمان کیا ہے۔۔۔؟ آسمان میں ستارے ہیں سورج اور چاند بھی۔۔انہوں نے سورہ حجر کی آیت تلاوت فرمائی۔

''اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں بروج، اور آراستہ کیا اسے دیکھنے والوں کے لیے اور محفوظ کر دیا اس کو شیطان مردود سے۔'' (الحجر: ۱۶۔۱۷)

فرمایا، ''اللہ نے کائنات کو جن قوانین کے تحت بنایا ہے قرآن کریم میں ان قوانین کو بیان کر کے سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ اگر آدمی بروج کی حقیقت سے واقف نہیں، فرشتوں کو نہیں دیکھتا، اجرام فلکی اور دیگر مخلوقات جن سے اللہ نے آسمان کو زینت دی، اگر وہ اسے نظر نہیں آتیں تو وہ کس گروہ میں شامل ہے۔۔۔؟ شیطان الرجیم کا مطلب ٹھکرایا ہوا۔ اللہ کی نظروں سے گر جانا۔

اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دنیا میں اس لیے بھیجا کہ میری مصنوعات پر غور کرو، آسمانوں کی زینت دیکھو اور ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جو میری قدرت کی کرشمہ سازی دیکھتے ہیں اور میرے دوستوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔''

ان دنوں وہ سورہ رعد پر ہے۔ مرشد کریم فرماتے ہیں کہ سورہ رعد میں بہت زیادہ تخلیقی قوانین بیان ہوئے ہیں۔ خالق کائنات فرماتے ہیں،

www.ksars.org

''اللہ وہ ہے جس نے بلند کیے آسمان ایسے ستونوں کے بغیر جن کو تم دیکھتے ہو، پھر قائم ہوا عرش پر، اور مسخر کیا سورج اور چاند کو۔ ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت تک۔ تدبیر کرتا ہے کام کی، کھولتا ہے نشانیاں، تاکہ تمہیں اپنے رب سے ملاقات کا یقین حاصل ہو۔'' (الرعد: ۲)

رات کا وقت تھا۔ مرشد کی بات ذہن میں، نظر آسمان پر تھی۔ بروج نظر آئے نہ فرشتے۔ ستاروں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ستارے نہیں ان کا Reflection ہے۔ ستارے پیچھے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ستاروں سے بھرا آسمان ہے لیکن وہ ستاروں سے ناواقف ہے۔ استغفار پڑھنا شروع کیا۔ خیال نے جب ملامت کرتے دیکھا تو کہا۔۔۔ اس سے پہلے کہ تمہاری قسمت کے ستارے گردش میں آئیں۔۔۔ وقت کی گردش کو بدل دو۔ جو لوگ زمین کی طرف مائل رہتے ہیں اللہ آسمان کی دنیا کو ان کی نظروں سے محفوظ کر لیتا ہے اور پھر۔۔۔ اور پھر خیال خاموش لیکن اس سے آگے سوچتے ہوئے اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔

سوال کا جواب مرشد دے سکتے تھے مگر نہیں دیا شاید اس لیے کہ وہ ذہن کو استعمال کرنا سیکھے۔ خیال میں بے خیال اس نے سوچا بغیر ستون کے آسمان بلند ہونے کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟

دل بولا۔۔۔ آسمان کشش ثقل سے آزاد ہے۔ اگر ستون ہوتا تو ستون کی بنیاد زمین میں ہوتی۔ اس نے قلم اٹھایا اور آنے والے خیالات ڈائری میں لکھنا شروع کر دیئے۔

لاشعور بتا رہا تھا۔۔۔ ثقل کا تعلق زمین سے ہے۔ جو شے ثقل سے آزاد ہو جائے وہ بلند ہو جاتی ہے۔ زمین کی حدوں سے نکل کر فضا میں معلق ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ستون کیا ہے۔۔۔۔؟

ستون میخوں کا کام دیتے ہیں جیسے پہاڑ زمین کے لیے میخیں ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں،

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔'' (النبا: ۶۔۷)

ستون کہیں، پہاڑ یا میخ۔۔۔ ثقل ہے۔۔۔ ثقل بوجھ ہے۔۔۔ وزن بے وزن ہو جائے تو شے کا زون بدل جاتا ہے۔ ستون ثقل کے قائم مقام ہے۔

سوچتے سوچتے دل کی دھڑکن تیز اور تیز تر ہو گئی۔ شعور اس طرح متوجہ ہوا کہ بیداری پر نیند غالب آ گئی اور مٹی سے بنا ہوا جسم نظر سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن جسم کا ہر عضو دیکھ رہا تھا اور اس دیکھنے میں بے وزنی اتنی زیادہ تھی کہ

www.ksars.org

جسم ہوا میں اڑتا ہوا دیکھا۔ زمین نظر تو آ رہی تھی لیکن اس طرح جیسے شعوری دنیا میں آسمان نظر آتا ہے۔ عجیب منظر تھا کہ شعوری دنیا سے الگ اسے اپنی پہچان تھی اور پرندہ کی طرح نہیں بلکہ بے بال و پر کاغذ کی طرح فضا میں معلق پتہ نہیں کون سی کائنات اس کے سامنے تھی۔ آنکھیں، دل، کان، ہاتھ، پیر سب موجود ہی نہیں تھے، حرکت میں تھے۔ چلنا، پینا، کھانا، اڑنا سب موجود تھا۔ انتہا یہ کہ غسل واجب ہونے کے عمل سے بھی گزر گیا۔ ڈر اور خوف کا غلبہ ہوا تو دل کی دھڑکن اتنی زیادہ ہو گئی کہ دل میں ٹیسیں اٹھنے سے کیفیت بے کیف ہو گئی۔ زمین کا بوجھ ثقل اتنا زیادہ ہوا کہ اس آزاد دنیا سے پابند دنیا کا قیدی بن گیا۔

اللہ نے قرآن کریم میں سماوات کا ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد سات بتائی ہے۔ یعنی آسمان سے اوپر اور آسمان ہیں۔ ہر آسمان دوسرے آسمان کے لیے زمین ہے۔ بات کو سمجھنے کے لیے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ آسمان میں رہنے والی مخلوقات کے لیے آسمان زمین ہے اس لیے ہر آسمان ایک طرف آسمان اور آسمان کا دوسرا رخ زمین ہے۔ ہر آسمان اپنے سے پہلے آسمان سے زیادہ لطیف ہے۔ جہاں بوجھ ہو تا ذہن کی رفتار کم ہوتی ہے۔ بوجھ ہٹ جائے رفتار بڑھ جاتی ہے۔ زمین میں ثقل ہے اس لیے زمین کی طرف مائل رہنے والوں کے ذہن کی رفتار کم ترین درجہ پر ہے جسے قرآن کریم نے اسفل سافلین فرمایا ہے۔ جو انسان کائنات کی ساخت میں غور کرتا ہے اس کے لیے ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

آیت کے دوسرے حصہ میں ہے کہ ''مسخر کیا سورج اور چاند کو''۔ خیال نے بتایا کہ سورج کے ایک معنی دن کے حواس اور چاند رات کے حواس کے قائم مقام ہے۔ دونوں حواس کو مسخر کیا انسان کے لیے۔ مسخر ہونے سے مراد آدمی دن رات کے حواس سے آزاد ہو کر سلطان سے واقف ہو۔

تیسرے حصہ میں ہے کہ ''ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ مدت تک۔'' اس نے سوچا مقررہ مدت کے معنی کیا ہیں؟ مدت ختم ہو گی تو کیا ہو گا؟ کیا اس کے بعد سب اپنی حالت پر واپس چلے جائیں گے؟ اپنے ہی خیال پر وہ چونک گیا۔ اپنی حالت پر واپس جانے کا کیا مطلب ہے۔۔۔؟ یہاں سے آنے سے پہلے سب کیا تھے۔ یہاں سے جانے کے بعد کیا ہو گا۔۔؟ وہ اصل ہے یا پھر یہ۔۔۔۔؟ اگر یہ حالت اصل ہے تو اس کے لیے مدت کیوں مقرر ہے۔۔۔؟ خیال نے کہا جس موجودہ حالت میں ہم ہیں اسے دوام نہیں اس لیے لکھا ہے کہ مقررہ مدت تک۔۔ سوچنا یہ ہے جس حالت کو دوام ہے وہ کیا ہے۔۔۔؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''انسان پر لامتناہی زمانہ کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا۔'' (الدھر: ۱)

www.ksars.org

اس بات کو سمجھنے کے لیے ذہن پر زور دیا لیکن شرح صدر نہیں ہوا۔

پانچویں حصہ میں ہے کہ تدبیر کرتا ہے امر کی۔ یعنی مخلوق کی مقداریں معین ہیں۔ چھٹے حصہ میں ہے کہ کھولتا ہے نشانیاں۔ جو لوگ مقداروں میں غور کرتے ہیں اللہ انہیں تفصیل سے اپنے قوانین سمجھاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملاقات کا یقین حاصل ہو۔

حقائق غور و فکر سے روشن ہوتے ہیں۔ عجیب بات ہے وہ یہ کیوں کہتا ہے کہ حقائق ذہن میں روشن ہوئے یا ذہن میں آیت روشن ہوئی۔ روشن ہونے کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟ کیا وہ پہلے سے ذہن میں موجود ہے لیکن تاریکی میں ہے۔ جب غور کرتے ہیں تو روشنی ہو جاتی ہے۔ جتنا تفکر گہرا ہو، روشنی پھیلتی ہے۔ کوئی حصہ زیادہ روشن ہوتا ہے اور کوئی کم۔ کہیں پر اس سے کم اور کوئی جگہ بالکل تاریک۔ سوال در سوال ہیں۔ ہر جواب میں سوال اور سوال جواب طلب ہے۔

انسان بذات خود کائنات ہے۔ کائنات پر غور و فکر کے دوران ایسا سرا ضرور ہاتھ آتا ہے جس سے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ بات نفسِ مطمئنہ سے شروع ہوئی تھی۔ سوچ رہا تھا کہ نفس مطمئنہ کے بارے میں کیسے اور کس زاویہ سے سوچے۔

خیال گویا ہوا، تم کب مطمئن ہوتے ہو۔۔۔؟

اس نے کہا، محبوب کی قربت میں۔

پوچھا، قربت کیا ہے۔۔۔؟

اس نے کہا، خود کو بھولنا۔

پوچھا، ایسا کب ہوتا ہے۔۔۔؟

آنکھیں پانی ہو گئیں۔ منظر پر دھند چھا گئی۔ آنکھیں بند ہوئیں تو اندر روشن ہو گیا۔

خیال نے پھر پوچھا۔ آدمی خود کو کب بھولتا ہے۔۔۔؟

اس نے کہا، جب وہ کسی کا ہو جاتا ہے۔

خیال نے کہا، تمہارے سوال کا جواب اسی میں ہے۔

www.ksars.org

ایک بار اس نے محبوب کو تحریر پڑھ کر سنائی جس میں اپنے جذبات لکھے تھے۔ ''سرتاپا محبت'' نے تحریر میں اضافہ کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ یہاں لکھو،

من تو شدم

من تن شدم

تاکس نہ گوید بعد ازیں

من دیگرم تو دیگری

کسی کے طرزِ عمل سے سخت تکلیف پہنچی۔ ذہنی صدمہ نے حواس بے حواس کر دیئے۔ خواب میں نشان دہی ہوگئی تھی کہ سمت درست نہیں لیکن وہ سمجھ نہیں سکا۔ سمجھ میں آیا تو دیر ہو چکی تھی۔ ڈائری پڑھتے ہوئے ماضی کے چند صفحات کو کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ڈرتا ہے کہیں پڑھ کر یہ محسوس نہ ہو کہ وہ آج بھی وہیں ہے۔ نہ جانے کیا سوچ کر آج اوراق پلٹے تو الحمدللہ بدل چکا تھا۔

لوگ کہتے ہیں اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ غلط کہتے ہیں۔ یقیناً اللہ کے ہاں اندھیر نہیں اس لیے کہ عدل اس کا وصف ہے لیکن اللہ کے ہاں دیر بھی نہیں ہے۔ اللہ اعتدال پسند ہے اور کائنات معین مقداروں پر قائم۔۔۔ پھر اللہ کے ہاں دیر کیسے ہو سکتی ہے۔۔۔؟ اس کا ہر کام وقت پر ہوتا ہے۔ آدمی جلد باز ہے۔ صبر کرتا نہیں وقت اس کے لیے طویل ہو جاتا ہے۔

اللہ فرماتے ہیں میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔

ٹھوکر لگی تو ذہن بوجھل ہو گیا۔ نہیں معلوم اسے ذہن کا بوجھل ہونا کہتے ہیں، خالی ہونا یا پھر کسی ایسے نکتے پر رک جانا جہاں آگے دکھائی نہ دے۔۔۔ پیچھے سب ختم ہو چکا ہو۔

مرشد کریم کے پاس انتظامی امور کے سلسلہ میں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ جب وہ گئے اور کسی اور نے آنا چاہا تو انہوں نے روک دیا اور اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔۔۔ ''ادھر آ!''

اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ جو خاموش بیٹھا تنہائی کا منتظر تھا، یہ سنتے ہی قریب گیا۔ دل بھرا ہوا تھا آنکھیں پانی ہو گئیں۔ شفیق مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے فرمایا،

www.ksars.org

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات توجھکا جب غیر کے آگے، نہ من تیرا نہ تن اپنے من میں
ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن شیخ کی زبان سے یہ اشعار سن کر وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا۔

پوچھا، ''کیا سمجھے۔۔۔۔؟''

وہ خاموش رہا اور سر تخت سے ٹکا کر رونے لگا۔

انہوں نے گلے لگالیا۔

فرمایا، ''جانتا تھا کہ آؤ گے۔ بندہ کسی چیز کی خواہش کرتا ہے، وہ ایک چیز چاہتا ہے لیکن وہ بندہ اللہ سے محبت بھی کرتا ہے تو اللہ اسے نقصان سے محفوظ رکھتے ہیں۔ زندگی کا مقصد اللہ سے واقف ہونا ہے۔ اللہ میں دل لگاؤ اطمینان قلب ہوگا۔''

آج مرشد کی باتیں پڑھیں تو آنسو رواں ہو گئے۔ یہ آنسو مرشد کی محبت کے ہیں۔

خیال کا رخ تبدیل ہوا اور اس نے سوچا تکلیف پہنچانے والوں کا انجام کیا ہوا۔۔۔؟ دوسروں کو تکلیف دینے والوں کو سخت سزا ملنی چاہئے۔ خیال نے کہا۔۔ اپنے لیے اللہ سے معافی چاہئے اور دوسرے کے لیے انتقام۔۔۔؟ وہ دہل گیا۔ کہا کچھ نہیں کہ دماغ سن ہو گیا تھا۔

خیال نے کہا، اللہ سے محبت کرنے والا مخلوق کا ہم دم و ہم درد ہوتا ہے۔ جب اپنے لیے ہدایت مانگنے والا دوسرے کے لیے ہدایت نہیں، سزا کا منتظر ہو تو وہ اللہ کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔؟ اللہ نے تمہیں معاف کیا تو وہ چاہتا ہے کہ تکلیف پہنچانے والا بھی راہ راست پر آئے۔ ایک کے بعد ایک غلطی کرنے کے بعد جب تم مرشد کریم سے معافی مانگتے ہو تو وہ در گزر فرماتے ہیں۔ ہر بار اس طرح سمجھاتے ہیں جیسے پہلی مرتبہ سمجھا رہے ہوں۔ جب اللہ اور اس کے دوستوں کا دوست بننا ہے تو دوست کی طرز فکر معاف کرنا ہے۔

www.ksars.org

عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

نیند سے جاگا تو زبان پر آیت تھی کہ اللہ کے دوستوں کو خوف و غم نہیں ہوتا۔اس کے ساتھ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب نیند سے آنکھ کھلتی ہے تو زبان پر قرآن کی کوئی آیت ہوتی ہے۔اور آواز تو اس کی ہوتی ہے لیکن آواز میں ایسا نور ہوتا ہے کہ وہ سمجھ نہیں پاتا۔دماغ پر سکون ہوتا ہے، آنکھیں نیم کھلی اور کانوں میں نورانی آواز کی گونجار محسوس ہوتی ہے۔اس آواز میں ایسا نور ہوتا ہے کہ خود کو بھول جاتا ہے اور جاگنے کے باوجود نیند کی لہروں میں گم ہوتا ہے۔دل گداز ہوتا ہے، آنکھیں جھرنا بن جاتی ہیں۔عجیب منظر ہوتا ہے جس کی منظر کشی شعور سے ماورا ہے۔جو آیت زبان پر ہوتی ہے اس کا تعلق حال سے ہوتا ہے۔حال کیا ہے، یہ بھی ایک سوال ہے۔مرشد کریم سے کبھی پوچھا نہیں لیکن ان سے گفتگو کے دوران حال کا آسان مطلب سمجھ میں آ گیا تھا۔

جن کیفیات سے ہم گزرتے ہیں اگر وہ قانون قدرت کے مطابق نہ ہوں اور ہم ان سے نکلنا چاہتے ہیں تو قدرت مدد کرتی ہے۔لیکن قدرت تو سب کی مدد کرتی ہے۔وہ بے نیاز ہے۔جو اسے نہیں مانتا وہ اس کی بھی رازق ہے۔ہاں! یوں کہنا چاہئے کہ بندہ جب اللہ کے راستہ میں جدوجہد کرتا ہے تو راہیں روشن ہوتی ہیں۔لڑکھڑانے لگتا ہے تو ہمت عطا ہو جاتی ہے۔جب تک بندہ مکمل طور پر اپنے شعور کی نفی نہیں کر دیتا، قدرت مختلف طریقوں سے راہ نمائی کرتی ہے۔کوئی بچہ پہلے دن اسکول جا کر پہلا گریڈ پاس نہیں کر لیتا۔ہر روز سبق ملتا ہے اور ہر سبق نیا ہوتا ہے یا پھر سبق ایک ہی ہے، بس زاویے نئے روشن ہوتے ہیں اور مقررہ وقت کے بعد بچہ کو پہلی کلاس کی سند ملتی ہے۔

اسی طرح وہ بھی شعور کی نفی کے راستہ پر چل رہا ہے تاکہ حقیقت۔۔۔ حقیقت سے آشنا کر دے۔

تجربات نے سکھایا ہے کہ ہر وہ لمحہ محفوظ ہے جس میں ذہن مرشد کی طرف ہو۔اس بار اس نے مرشد کا ہاتھ پکڑا نہیں ہے۔اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا ہے۔بے یقینی سر اٹھاتی ہے تو ہاتھ پر گرفت کا احساس ہوتا ہے اور وہ گم نہیں ہوتا بلکہ حال کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

www.ksars.org

تربیت کا عمل بتاتا ہے کہ ذہن بننے کے لیے وقت درکار ہے۔ وقت کیا ہے، کیسے گزر رہا ہے اور اس میں تبدیلی کیسے ہوتی ہے۔ سورج اور چاند سے وقت اور دنوں کا تعین ہوتا ہے۔ سورج نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور چاند بادلوں میں چھپ جاتا ہے۔ دن اور رات کو وقت کہا جاتا ہے لیکن دن مستقل ہے اور نہ رات۔ پھر وقت کی کیا تعریف ہوئی۔ کیا وقت میں تبدیلی ہے۔ اگر ہے تو کیا ہے؟

———

اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔ خوش رہتے ہیں۔ یہ اللہ کی رضا میں راضی رہنے کی خوشی ہے۔ قدرت اُسے مسلسل اللہ کی رضا میں راضی رہنے کی تلقین کر رہی ہے۔ خیال بتاتا ہے کہ وقت کا غم اور خوشی سے گہرا تعلق ہے۔ جب آدمی خوش ہوتا ہے، وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ غمگین ہوتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ وقت ٹھہر گیا جب کہ وقت ٹھہرا نہیں۔ وقت کا تعین رفتار سے ہے اور رفتار کا تعلق وجود سے ہے۔ حرکت وجود میں ہوتی ہے۔ وجود نہ ہو تو حرکت نہیں ہوگی۔ خوشی اور غم کیفیت ہے۔ کیفیت وجود ہے۔ خوش رہنے والے شخص کے چہرہ پر رونق ہوتی ہے اور افسردہ آدمی کا چہرہ بیمار نظر آتا ہے۔ کیفیت بدلتی ہے تو وقت بدلتا ہے۔

روحانیت میں وجود کو مکان یا space کہتے ہیں اور حرکت یا وقت کو زمان یا time کہا جاتا ہے۔ خوشی اور غم کی کیفیت کو سامنے رکھ کر مکان اور زمان کو سمجھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمان ہے تو مکان ہے۔ سائنس کی ترقی مکان اور زمان کے گرد گھوم رہی ہے۔ وہ وقت کی رفتار کو بڑھا رہے ہیں اور مزید بڑھانا چاہتے ہیں۔ لیکن وقت کی رفتار کو بڑھانے کے لیے وہ کیا کرتے ہیں۔۔۔؟ پہلے وجود تیار کرتے ہیں۔ سائیکل بنائی، رفتار کو بڑھانے کے لیے موٹر سائیکل، گاڑی، ریل گاڑی اور ریل کے بعد ہوائی جہاز، راکٹ اور خلائی شٹل بنا دی۔

ہر ایجاد میں رفتار کا تعلق وجود کی صلاحیت سے ہے۔ یہی نہیں، ماں کے رحم میں بچہ کا وجود بنتا ہے تو یہ وقت کی کارفرمائی ہے۔۔۔ لیکن وقت میں تغیر نہیں ہے۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ وقت میں تغیر مٹر کے برابر بچہ کی ایک تصویر بنا دیتا ہے لیکن یہی وقت بچہ کے نرم و نازک کومل چہرہ کو اُلجھی ہوئی جھاڑی کی طرح جھریوں سے بھر دیتا ہے۔ ہم عمر کا تعین بچہ کے ماں کے وجود سے باہر آنے کے بعد کرتے ہیں لیکن فہم بتاتی ہے کہ بچہ کی زندگی کا وقت اس وقت شروع ہوا جب ماں کے رحم میں اس کا وجود بنا۔ ایسے ممالک ہیں جو پیدائشی عمل کے نو ماہ بھی عمر میں شامل کرتے ہیں۔

———

www.ksars.org

سائنس مشین کی رفتار کو بڑھانے پر کام کررہی ہے اور روحانی سائنس ذہن کی رفتار کو بڑھانے پر کام کرتی ہے۔ اسپیس بدلے گی وقت بدلے گا۔۔۔ یہ الفاظ بار بار ذہن میں گونج رہے تھے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہیں تو رفتار اور ہوتی ہے۔ ہوائی جہاز میں بیٹھے، اسپیس بدل گئی لامحالہ رفتار بھی بدل گئی۔

خیال نے کہا، جنت سے ہو کر آئے ہو، جنت کی زندگی پر غور کرو۔

جنت کے لیے اللہ نے فرمایا کہ جہاں سے جی چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ جنت خوشی کا مقام ہے اور خوشی میں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ جنت میں نافرمانی نے آدمی کو غم میں مبتلا کر دیا۔ اور آدمی اس اسپیس میں آگیا جہاں وقت کی رفتار کم ترین درجہ پر ہے۔

اسپیس کے درجات ہیں۔ ہر درجہ میں وقت کی رفتار کا تعلق اسپیس کی صفت پر ہے۔ ذہن کی رفتار کو بڑھانے کے لیے اسپیس کا بدلنا ضروری ہے۔۔۔ وقت خود بخود بدل جائے گا۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں،

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور اسپیس پر غور کرنے سے سمجھ میں آیا کہ خیال بھی اسپیس ہے۔ آنکھیں بند کر کے دنیا کا خیال کیجئے، دنیا خیال بن جائے گی۔ دنیا اچھی ہے، وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوگا۔ ذہن میں دنیا کا تصور مایوس کن ہے، ذہن بھاری ہو جائے گا۔ ذہن کا بھاری ہونا کیا ہے۔۔۔؟

وہ سوچ رہا تھا ہم میں سے ہر شخص ذہین بننا چاہتا ہے لیکن کیا ہم جانتے ہیں کہ ذہانت کیا ہے اور ذہین شخص کسے کہتے ہیں؟ ذہانت کا تعلق ذہن کی رفتار سے ہے۔ جتنی رفتار تیز ہوتی ہے بندہ اتنی جلدی معاملات کی تہ تک پہنچتا ہے، نت نئے ایجادات کرتا ہے، زندگی میں آسانیاں تلاش کرتا ہے۔ رکاوٹیں پریشان نہیں کرتیں کیوں کہ وہ راستہ بنانا جانتا ہے۔ تیز گھومنے والی شے پر بوجھ رکھ دیا جائے تو اس کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ آدمی کا ذہن بھی Revolving surface کی مانند ہے جہاں خیال آتا ہے اور مظاہرہ کر کے واپس چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا۔ یوں ایک دائرہ بن گیا۔

اس نے سوچا جو خیال کسی جینئس کو آتا ہے وہ عام آدمی کو بھی آتا ہے لیکن جینیئس عمل کر لیتا ہے اور عام آدمی اس خیال پر توجہ نہیں دیتا۔ یوں خیال واپس اپنے source کی طرف چلا جاتا ہے۔ ایک عام آدمی اور جینیئس میں کیا فرق ہوا۔۔۔؟ عام آدمی کا ذہن بٹا ہوا ہے۔ اس کی توجہ غیر ضروری چیزوں کی طرف ہے۔ جب کہ جس

www.ksars.org

شخص کو جینیئس کہا جاتا ہے اس کا ذہن یکسو ہے۔ جینئس کے پاس اتنا ٹائم نہیں کہ وہ غیر ضروری چیزوں پر وقت ضائع کرے اس لیے توجہ بٹتی نہیں۔ جب توجہ نہیں بٹتی تو ذہن رکتا نہیں اور رفتار تیز ہو جاتی ہے۔

بات سمجھنے کے لیے ذہن میں گاڑی کی مثال آئی۔ دو گاڑیاں ایک سڑک پر سفر کر رہی ہیں۔ ایک بس ہے اور ایک نجی گاڑی۔ نجی گاڑی کا ڈرائیور یہاں وہاں کے بغیر تیز رفتاری سے منزل کی طرف رواں ہو گا اور بس کی بہ نسبت بہت پہلے پہنچے گا۔ کیوں۔۔۔؟ اس لیے کہ بس جگہ جگہ رکتی ہے، طرح طرح کے لوگوں کو سوار کرتی ہے، اتارتی ہے، نئے لوگ چڑھتے ہیں، یہاں تک کہ تِل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ ڈرائیور کو مزید مسافر ملتے ہیں تو وہ انہیں بس کی چھت پر سوار کر لیتا ہے۔ مخصوص اسٹاپ پر بس کو کافی دیر رکنا بھی پڑتا ہے۔ اب اس بھری بس کے ساتھ وہ اس رفتار سے نہیں جا سکتا جیسے نجی گاڑی جاتی ہے۔

اس نے خود سے پوچھا کہ ہم میں اور بس میں کیا فرق ہوا۔۔۔؟ ہمارے ذہنوں کی حالت بھی اس بس جیسی ہے، ہم بھی جگہ جگہ رکتے ہیں، غیر ضروری چیزوں کو دماغ میں جگہ دیتے ہیں، خوب کھچڑی پکاتے ہیں، دماغ کو ادھر اُدھر کی باتوں، قیاس آرائیوں، غیبت، جھوٹ، لڑائی جھگڑوں، چغل خوری، حسد، کینہ، انتقام، غصہ، نفرت، مستقبل کے اندیشوں اور مال جمع کرنے کی ہوس سے اتنا بھر دیتے ہیں کہ ذہن بھاری ہو جاتا ہے اور ہم بے سکون۔ اب اس ذہن کو کیسے کوئی بات سمجھ میں آئے جس میں پہلے ہی اتنا گھاس پھوس اور کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔ ایسے ذہن کی رفتار تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ جہاں ہوتا ہے، وہیں رہتا ہے۔

ذہن کی رفتار کیسے بڑھے۔۔۔؟ سوال بھی اسی کا تھا اور جواب سے بھی وہ واقف تھا۔

روحانیت میں مرشد کی کیا اہمیت ہے مرید جانتا ہے۔ مرشد معرفت کے مرتبہ پر ہیں، مقام عبدیت پر ہیں۔ تصور شیخ دراصل اپنی مادی اسپیس سے نکل کر مرشد کے ذہن کی اسپیس سے واقف ہونا ہے۔ جتنا مرشد چاہیں۔

دو سال پہلے اس نے ان سے عرض کیا کہ حضور! میں کسی حال میں نہیں ہوں۔

مسکرائے اور فرمایا۔۔ ''پھر آ جاؤ حال میں۔''

کیسے۔۔۔؟

فرمایا۔۔ ''جیسا کہتا ہوں ویسا کرو۔''

www.ksars.org

خیال نے کہا۔۔ذہن کی رفتار کو بڑھانے کا یہی فارمولا ہے۔قطرہ اس وقت سمندر بنتا ہے جب وہ سمندر میں ملتا ہے۔قطرہ گم ہو جاتا ہے اور سمندر باقی رہتا ہے۔قطرہ کا سمندر میں گم ہونا کیا ہے؟قطرہ کی اسپیس بدل گئی۔ اسی طرح صلوٰۃ کو مومن کی معراج کہا جاتا ہے۔مومن کو صلوٰۃ میں مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے۔وہ تصور کرتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو ذہن کی اسپیس بدل جاتی ہے۔

جب سے اس نے مرشد کریم کی باتوں پر عمل کرنا شروع کیا ہے سامنے آنے والی ہر رکاوٹ اور خواہش کو امتحان سمجھتا ہے۔ایسا کئی بار ہوا کہ مرشد کے علاوہ جس چیز کی جانب متوجہ ہوتا، خواب میں نشان دہی ہو جاتی ہے کہ قدم غلط سمت میں اٹھ رہے ہیں اور وہ چوکنا ہو جاتا ہے۔امتحان سے متعلق وہ واقعہ یاد آیا جو کسی نے سنایا تھا۔

ایک مرتبہ ایک شاگرد مرشد کریم کے پاس گیا اور لوگوں کے رویوں کی شکایت کی۔

صاحب طریقت نے پوچھا،"آپ یہاں کس لیے آتے ہیں؟"

شاگرد نے کہا، آپ کے لیے۔

انہوں نے پوچھا،"کیا آپ کو مجھ سے شکایت ہے؟"

شاگرد نے فوراً کہا، نہیں جناب! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔

فرمایا،"بس تو پھر یہ سب لوگ تمہاری تربیت کے لیے ہیں!"

اس نے خود سے کہا، کتنے مسائل غصہ اور انتقام سے پیدا ہوتے ہیں اور ذہن کو بھاری کر دیتے ہیں۔ درگزر اور معافی ذہن کو ہلکا، حواس کی رفتار کو تیز اور پرواز کو بلند کرتے ہیں۔اس راہ میں قدم قدم پر امتحان ہے، الجھو مت، گزر جاؤ۔کیا معلوم کون تمہارا امتحان ہے اور تم کس کا!

مرشد کریم نے اسے واقعہ سنایا جو انہیں ان کے مرشد نے سنایا تھا۔

ایک نواب صاحب تھے۔ان کو شوق تھا روحانیت سیکھنی چاہئے۔جاننا چاہتے تھے یہ کون سا علم ہے اور کیسے حاصل ہوتا ہے۔شہر میں ایک فقیر رہتے تھے ان کے پاس جا کر بیٹھنا شروع کیا اور اس کے لیے جمعرات کا دن مقرر کیا۔کافی عرصہ تک یہ معمول رہا۔

www.ksars.org

ایک روز فقیر نے پوچھا، آپ تشریف لاتے ہیں لیکن کبھی کوئی بات نہیں کی مدعا بیان نہیں کیا۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔

نواب صاحب نے کہا، حضور! مجھے اللہ سے ملاقات کرنی ہے۔

فقیر خاموش ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر پوچھا۔ نواب صاحب! کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔

نواب صاحب نے دوبارہ عرض کیا کہ اللہ سے ملنا ہے۔

سوال جواب کا سلسلہ تین مرتبہ ہوا تو ایک رات یہ واقعہ پیش آیا۔

بالا خانہ پر نواب صاحب کے مخصوص کمرے کے دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ کڑاکے کی سردی تھی۔ یہ آواز نواب صاحب کو بہت ناگوار گزری اور ذہن میں خیال آیا کہ رات کے وقت اتنی سردی میں کون آ گیا۔ یہ کمرہ ایک قلعہ میں تھا۔ نواب صاحب نے ملازمین کو بلانے کے لیے گھنٹی بجادی۔ گھنٹی کی آواز محل میں گونجی تو افراتفری پھیل گئی۔ سپاہی ہتھیار سنبھالے نواب صاحب کے کمرے میں جا پہنچے۔ اس سے پہلے کہ سپاہی بالا خانہ پر پہنچتے، نواب صاحب نے دروازہ کھول کر دیکھا کہ ایک آدمی پھٹے پرانے کپڑے پہنے کھڑا ہے اور سردی سے کپکپا رہا ہے۔

فقیر نے کہا، میرے پاس کپڑے نہیں ہیں اور سردی بہت زیادہ ہے مجھے کپڑے دے دیجئے۔

نواب صاحب کے غصہ کی حرارت کا پارہ 106 پر پہنچ گیا۔ اور انہوں نے جو کچھ کہا وہ قارئین خود سوچیں کہ نواب صاحب نے کیا کہا ہو گا۔ اتنے میں سپاہی ہاتھوں میں لاٹھیاں اور بندوقیں لیے اوپر پہنچ گئے اور نواب صاحب کے حکم پر اس کو مارتے پیٹتے گالم گلوچ کرتے پکڑ کر لے گئے۔

اگلا روز جمعرات تھا۔ نواب صاحب حسب معمول بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئے بزرگ نے کہا، نواب صاحب کیسے آئے ہو کیا کام ہے؟

نواب صاحب نے نہایت عاجزی و انکساری سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، سرکار اللہ سے ملنا ہے۔

درویش نے جب یہ بات سنی تو چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں جلال اتر آیا اور کہا۔۔۔ نواب صاھب! آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ رات اللہ میاں آپ کے پاس آئے تھے انہوں نے آپ سے سخت سردی میں کپڑے مانگے اور آپ نے اپنے اہل کاروں سے انہیں دھکے دلوا کر گھر سے نکال دیا۔ آپ سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے ایک فقیر کو جس کو اللہ نے بھیجا تھا کپڑوں کے انبار میں سے ایک جوڑا کپڑا تو دے نہیں سکے، آپ اللہ سے ملنے کی توقع رکھتے ہیں۔۔؟

www.ksars.org

دن اور رات۔۔۔۔۔؟

وہ صاحب طریقت کے سامنے بیٹھا تھا۔ دن کیا ہے اور رات کیا، اس کی سمجھ کے مطابق سمجھا رہے تھے۔ بات وقت پر آئی تو مسکراتے ہوئے پوچھا کہ ''وقت کیا ہے۔۔۔؟''

سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ عرض کیا وقت پر جب میں نے غور کیا تو ذہن میں پہلا لفظ ''والعصر'' آیا۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں وقت کا ذکر ہے تلاش کر کے غور کروں گا۔

انہوں نے تائید میں سر ہلایا۔

پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے عرض کیا، آپ بتا دیجیے وقت کیا ہے۔۔۔؟

فرمایا، ''پہلے تم غور کرو پھر میں بتاؤں گا۔''

انہوں نے راہ نمائی کی کہ یوم بھی وقت کے معنی میں آتا ہے۔

''مرشد کی باتیں'' کی ابتدا بھی اس نے وقت سے کی تھی۔ بجلی کے چمکنے پر رات کا دن بننا اور دن کا واپس رات میں داخل ہونا قدرت کا وہ مظاہرہ ہے جس نے چونکا دیا تھا۔ دن اور رات کے ردّوبدل کو وہ روزانہ Slow motion میں دیکھتا ہے۔ اتنا آہستہ کہ بجلی کی چمک میں دن اور رات کا جو منظر اس نے دیکھا، احساس ہوا ذہن کی رفتار اتنی کم ہے کہ تیزی سے حرکت کرتی کائنات منجمد نظر آتی ہے۔ سر اٹھا کر تیز چلتے پنکھے کو دیکھئے۔۔ بالکل ایسے!

رات بھی اسپیس ہے اور دن بھی۔ اسپیس بدلتی ہے وقت بدل جاتا ہے۔ مرشد فرماتے ہیں رات کے حواس حقیقی ہیں۔ سوچ رہا تھا رات میں ایسا کیا ہے جو دن میں نہیں ہوتا۔ رات اور دن دیکھنے کی دو طرزوں کی تخلیق ہے۔ اگر رات اور دن ایک ہو جائیں اور دن اور رات ایک ہو جائیں پھر کیا ہوگا۔۔۔؟ رات اور دن سمجھاتے ہوئے مرشد کریم نے فرمایا تھا، ''اس طرح سمجھنے کی کوشش کرو کہ رات اور دن ایک ہی ہیں اور ان کے درمیان شعوری پردہ پڑا ہوا ہے۔ شعوری پردہ کے اس طرف دن ہے اور پردہ کے دوسری طرف رات ہے۔''

اس نے شعور کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ دن اگر شعور ہے تو پھر رات کیا ہے۔ رات اگر شعور ہے تو دن کے کیا معنی ہیں۔۔۔؟ ایسا لگا جیسے میرا ذہن ماؤف ہو گیا۔ بجلی گرتی ہوئی محسوس ہوئی جیسے ہلکی بارش میں

www.ksars.org

اندھیرے میں آسمان سے بجلی گرتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک سے ذہن کا جمود ٹوٹ گیا۔ جھماکا ہوا۔ ذہن کی رفتار اتنی زیادہ ہوگئی کہ سوچ کا زاویہ تبدیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے قرآن کی آیتیں یاد آگئیں۔

''رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں۔ اور بے جان میں سے جان دار کو نکالتا ہے اور جان دار میں سے بے جان کو۔''[1](ال عمران:۲۷)

اس کے بعد ذہن پر سکوت طاری ہو گیا۔

یہ بات مرشد کریم سے عرض کی۔ انہوں نے کچھ دیر غور کیا اور آسمان کو دیکھتے رہے۔

بارہا اس بات کا مشاہدہ ہوا ہے کہ مرشد کریم تفکر میں ہوتے ہیں تو پلکیں نہیں جھپکتیں اور آنکھ کے ڈیلے ساکت ہو جاتے ہیں۔ اس کیفیت کے بعد انہوں نے فرمایا، ''اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔ تعطل سے مراد ایک لمحہ کے لیے بھی نظام رکتا نہیں۔ پھر ہم وقت کی رفتار کا کم یا تیز ہونا کسے کہتے ہیں۔۔۔؟ ذہن دو طرزوں میں پھنسا ہوا ہے اس لیے وقت کی رفتار کو کم یا تیز دیکھتا ہے۔ جو وقت کی حقیقت سے واقف ہو جاتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ وقت میں تبدیلی نہیں۔''

مرشد کریم کے ایک ایک لفظ کو وہ تحریر کرتا ہے۔ ذہنی استعداد اتنی نہیں کہ الفاظ میں مخفی راز فوراً سمجھ سکے۔ نوٹ کر کے بار بار پڑھنے سے الفاظ روشن ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے روشنی بڑھتی ہے، پھیلتی جاتی ہے اور قریب و بعید روشن ہو جاتے ہیں۔ اندر سے آواز آئی۔۔۔ ہم سب یہاں پر عکس ہیں، تصویر کہیں اور ہے۔ اس آواز پر ''ماہنامہ قلندر شعور'' اپریل 2014ء کے شمارہ کا سرورق نظروں کے سامنے آگیا۔ مرشد کریم کئی بار وضاحت سے یہ قانون سمجھا چکے ہیں۔

خیال نے راہ نمائی کی کہ اندر کی آواز کا کیا مطلب۔۔۔؟ کیا آواز باہر بھی ہے۔۔۔؟

اس نے سوچا آخر یہ رات دن ہیں کیا۔۔۔؟ دن میں جاگتے ہیں وہی کچھ کرتے ہیں جو رات میں کرتے ہیں۔ رات میں جاگتے ہیں یعنی دن میں سوتے ہیں تو وہی سب کچھ ہے جو رات میں تھا۔ عجیب راز ہے جو کھلتا نہیں کہ رات اوٹ میں ہو جاتی ہے تو دن ظاہر ہو جاتا ہے دن پردہ میں چھپ جاتا ہے تو رات ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ دو عالمین ہیں ہم دونوں میں کھاتے پیتے ہیں سوتے جاگتے ہیں خوفزدہ ہوتے ہیں خوش ہوتے ہیں شادی کے لوازمات پورے کرتے

www.ksars.org

ہیں۔ جس طرح دن میں پاکی ناپاکی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے شعور میں نہ ہوتے ہوئے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔؟ وہ اس بات پر تفکر کرتا رہا، کرتا رہا۔

بالآخر ایک اسکرین ظاہر ہوئی۔ آدھی اسکرین پر رات کا سماں تھا اور آدھی اسکرین پر دن۔ لیکن ان دونوں کے درمیان کتاب کے ورق کی طرح پردہ تھا۔ دن کی طرف جو تصاویر بنی ہوئی تھیں وہی تصاویر رات کی سمت بھی بنی ہوئی تھیں۔ خمار آلود دھند چھا گئی اور اتنی بڑھی کہ کاغذ پر بنی ہوئی سب تصویریں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ تصویریں نظروں سے اوجھل ہوئیں تو خمار اتنا بڑھا کہ سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو گیا لیکن چھوٹے سے چھوٹا وقفہ نہ ہونے کے باوجود اسی پردہ پر نقش و نگار پھر نظر آنے لگے اور دن پر اندھیرا چھا گیا۔ رات روشن ہو گئی۔ رات کی تاریکی روشنی بن گئی۔ ذہن نے دیکھا روشنی کے دو نام ہیں۔ ایک کا نام دن اور دوسری روشنی کا نام رات ہے جسے آدم زاد ناواقفیت کی بنا پر اندھیرا یا تاریکی کہتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات کے حوالہ سے مرشد کریم نے فرمایا تھا رات اور دن دراصل شعور کے دو زاویے ہیں۔ ایک زاویہ جو شعور سے وابستہ ہے وہ تخلیقات کو دن کی روشنی میں ظاہر کرتا ہے اور تخلیق کا یہی زاویہ جب اندر کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے تو رات دن بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔" (لقمٰن: ۲۹)

"ان کے لیے ایک اور نشانی رات ہے ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔" (یٰس: ۳۷)

جب وہ غور کرتا ہے تو مرشد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور پھر غور کرتا ہے۔ سوال ذہن میں آتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد جواب بھی آ جاتے ہیں۔ ان جوابات میں نئے سوال ہوتے ہیں۔ یوں سوال جواب، جواب اور پھر سوال کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مرشد کریم اپنی بات میں سوچ کو فکر کے اتنے زاویے دے دیتے ہیں کہ شاگرد مستقل مزاجی سے تلاش جاری رکھے تو ذہن کھل جاتا ہے۔

www.ksars.org

بات دن اور رات سے شروع ہوئی تھی۔ مرشد کریم کی ہدایات کی روشنی میں وقت کی گتھی کو سلجھاتے ہوئے وہ کڑی در کڑی آگے بڑھ رہا تھا۔اس نے سوچا کس عمل یا عادت سے رات دن کا فرق پیدا ہوتا ہے۔ بات پردہ کی ہے پھر پردہ کیا ہے۔۔۔؟ غور کیا لیکن سمجھ میں نہیں آیا۔ محسوس ہوا ذہن ماؤف ہو گیا ہے۔ماؤف ہونے کی کیفیت بھی عجیب ہے۔ذہن بھاری ہو جاتا ہے جیسے معنی پہنانے والی مشین پر سکت سے زیادہ بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔

اس نے آنکھیں بند کیں، ذہن پر بار کو کم کرنے کے لیے گہرے سانس لیے۔ آہستہ آہستہ وزن بے وزن ہوا۔ نظر باہر کی دنیا سے ہٹ کر اندر کی دنیا کی طرف متوجہ ہوئی تو اللہ رحمٰن و رحیم کی مہربانی سے ہر طرف سکون محسوس کیا۔ دیکھا کہ اس کا جسم خلا ہے جہاں اندھیرا اور گہری خاموشی ہے۔ خلا میں آواز گونجی۔۔۔اور لہروں اور دائروں کی صورت میں پھیلتی ہوئی ذہن کی اسکرین سے ٹکرائی اور اس نے بے اختیار کہا، ''اختیار۔۔۔ ارادہ کو استعمال کرنے کا اختیار!''

یہ وہ عمل ہے جو دن کو رات اور رات کو دن بناتا ہے اور بندہ کو رات اور دن کے طلسم سے آزاد بھی کر دیتا ہے۔ کیسے۔۔۔؟آدمی جب ارادہ کو استعمال کرتا ہے تو پستی (اسفل سافلین) میں گرتا ہے اور استعمال نہیں کرتا تو اس کا شمار احسن تقویم میں ہوتا ہے۔ مثال سونا جاگنا ہے۔اطلاع نیند میں بھی آتی ہے اور بےداری میں بھی۔ خواب میں اطلاع پر عمل ہوتا ہے تو ارادہ استعمال نہیں ہوتا لیکن جاگنے کے بعد ہم ارادہ کو استعمال کرتے ہیں۔ارادہ کو استعمال کرنا پابندی میں لے جاتا ہے۔ خواب کی زندگی بتاتی ہے کہ ارادہ کو استعمال نہ کر کے اطلاع کو خالص رہنے دیا جائے تو ذہن کی رفتار تیز اور پرواز بلند ہوتی ہے۔ آزادی کی طرف سفر شروع ہوتا ہے۔ بیداری اور نیند کی کیفیت پر غور کیجیے۔۔۔ بات سمجھ آجائے گی۔

خالق کائنات اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد دونوں کو حکم دیا کہ ہماری طرف خوشی سے آؤ یا بردستی۔۔۔آنا معین ہے۔ دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔

اس نے خود سے کہا اس بات میں سبق یہ ہے کہ اختیار ہوتے ہوئے بھی اختیار کو استعمال نہ کرو، عجز و انکساری اپناؤ اور راضی رہو کیوں کہ اختیار صرف اللہ کا ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے۔ آدمی جب اللہ کے اختیار میں مداخلت کرتا ہے تو مصیبت میں آجاتا ہے۔

www.ksars.org

ذہن میں سوال آیا کہ اللہ کے نیک بندے کیا کرتے ہیں۔۔۔؟ پہلی تصویر مرشد کریم کی بنی۔ وہ مقامِ عبدیت پر ہیں۔ تکوین کے اعلیٰ عہدہ پر فائز صدر الصدور حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا ذہن انہیں منتقل ہوا ہے۔ کائنات ان کے لیے مسخر ہے اور وہ اللہ، رسول اللہؐ اور اپنے عظیم مرشد کریم کی محبت میں مست و بے خود ہیں۔

اللہ کے نیک بندوں کی بندگی کا یہ عالم ہے کہ اختیار ہوتے ہوئے بھی اختیار کو استعمال نہیں کرتے۔ خواص میں ہو کر عوام کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ بات ان کا یقین بن جاتی ہے کہ زندگی اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ مشیت جو چاہتی ہے اور جیسا چاہتی ہے اور حکم دیتی ہے وہی ہوتا ہے۔ دوسروں کو بھی راضی بہ رضا رہنے کا درس دیتے ہیں۔ ایک بار اس نے استادِ طریقت سے عرض کیا تھا کہ حضور! میں بہت بے چین ہوں، یہ بے چینی کب ختم ہو گی؟ فرمایا "جب تم خود کو اللہ کے سپرد کر دو گے تو بے چینی ختم ہو جائے گی۔ پھر وہ ہو گا جو تم چاہو گے۔۔ بلکہ جو اللہ چاہے گا تم بھی وہی چاہو گے۔"

ایک ایک کر کے مرشد کریم کی باتیں نئے مفہوم کے ساتھ روشن کر رہی تھیں۔ جتنا غور کر رہا تھا سوچ کے دریچے کھل رہے تھے۔ اسی کیفیت میں وہ سو گیا۔ بڑے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب کوئی سونے سے پہلے اللہ کا ذکر کرتا ہے اور اس کیفیت میں سو جاتا ہے تو رات لاشعوری طور پر اللہ کے ذکر میں گزرتی ہے۔ نیند سے جاگا تو زبان پر آیت تھی،

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَاۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿سورہ البقرہ آیت ۲۵۶﴾

یہ پوری آیت عربی میں اس طرح یاد تھی جیسے حفظ کر کے سویا ہو۔ جب کہ اس نے کبھی اسے حفظ کیا نہ اس پر غور۔ ایک بار سرسری طور پر پڑھ کر گزر گیا۔ شعور میں دور دور تک آیت کا نام و نشان نہیں تھا۔ عربی حفظ ہونا انہونی تھی۔ خیال نے کہا، دنیا میں انہونی کا وجود نہیں۔۔۔ ہر موجود شے معین ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے:

"دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط بات سے الگ کر دی گئی ہے۔ اب جو طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لایا، اس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے، جاننے والا ہے۔" (البقرۃ: ۲۵۶)

آیت کا جو مفہوم ذہن میں آیا اسے تحریر کر لیا۔ اچھی چیز اختیار کرنا اور بری چیز سے اجتناب دین ہے۔ ارادہ کو استعمال کرنا آدمی کو مصیبت میں ڈالتا ہے اور اس سے فساد پھیلتا ہے۔ جو شخص ارادہ اور اختیار کو استعمال نہیں

www.ksars.org

کرتا اور اپنی نفی کر کے یقین لاتا ہے اللہ پر، تو اس نے پکڑا سہارا مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں۔اس مقام کو قرآن نے بندگی فرمایا ہے۔اور نیند کی حالت میں قرآن کی آیت حفظ کروا کر قدرت نے اسے بندگی سکھائی ہے۔

www.ksars.org

طلوع غروب۔ غروب طلوع

رات گہرے کالے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند۔۔ بند آنکھوں کے پیچھے اسکرین سیاہ تھی۔ خیال بے خیال ہوا تو اسکرین پر اسکرین اشکال بننا شروع ہو گئیں۔ اسے گول، سیدھی، ترچھی لکیروں والی شکل کہیں یا پھر

Geometrical shapes یہ خلا میں قائم ہیں اور ایک دوسرے کے مابین خلا ہے۔ دائرہ اور مثلث میں ڈایا گرام۔۔ ڈایا گرام میں یکجا بہت سی تصویروں کے عکس، ہر عکس میں مخلوق۔ ڈایا گرام میں بنے ہوئے آدمی میں نظر آتا ہے کہ لامحدود عکس۔ ہر عکس ایک وجود اور ہر وجود کسی ایک مخلوق کا ہیولیٰ ہے۔ مخلوق کا ہر یونٹ ایک دوسرے میں جذب ہے اور الگ بھی ہے۔ جیسے ہم آئینہ دیکھتے ہیں۔ صورت آئینہ میں نظر آتی ہے لیکن آئینہ میں موجود ہونے کے باوجود الگ بھی ہے۔ تحریر بظاہر مشکل ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ آئینہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو آئینہ میں تصویر نظر آتی ہے۔ یعنی آئینہ نے تصویر کو دیکھا اور ہم نے آئینہ کے دیکھنے کو دیکھا۔ آئینہ نے ہمارا عکس قبول کیا اور ہمیں الٹا دیکھا جب کہ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ میں سیدھا دیکھ رہا ہوں۔

بات تفکر کرنے کی ہے۔۔۔ سمجھ آجاتی ہے۔

تجرباتی مشاہدہ ہے کہ جب اس نے آسمان اور زمین میں موجود کسی شے پر غور کیا، پلکیں ٹھہریں اور اس شے نے حرکت کرنا شروع کی۔ خیال نے تصحیح کی اور کہا۔۔ وجود چاہے مٹی کا ہو یا ستاروں کا، اس وقت حرکت نہیں کرتا جب تمہاری نظر ان پر رکتی ہے بلکہ نظر کے رکنے سے تم ان کی حرکت دیکھ لیتے ہو۔ یہ دیکھنا اصل میں دیکھنا ہے۔ تم نے ستاروں کو دیکھا، اندر کی آواز سنی۔ ستارے حرکت میں ہیں اور آواز بھی گونج رہی ہے۔ ان سب میں آدمی رک گیا ہے اور اپنے ٹھہرنے کو ہر شے پر قیاس کر رہا ہے۔

جب وہ کائناتی نظام پر غور کرتا ہے تو خیال کہتا ہے حقیقت ان لوگوں پر روشن ہوتی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ تقویٰ کی تعریف قربت ہے۔ پرہیزگاری اور احتیاط اس وقت کی جاتی ہے جب احساس غالب ہو کہ اللہ

www.ksars.org

دیکھ رہا ہے۔ آدمی یہ تو سوچتا ہے کہ احتیاط کرے لیکن احتیاط کے دوسرے رخ قربت پر غور نہیں کرتا۔ احتیاط کے بجائے قربت کا احساس غالب ہو جائے تو محبت فاتح عالم ہے۔

قرآن کریم پڑھ رہا تھا کہ ایک آیت پر رک گیا۔

''آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک صلوٰۃ قائم کیجیے۔ اور فجر میں قرآن بھی۔ بے شک فجر کا قرآن پڑھنا حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اور کسی قدر رات کے حصہ میں سو اس میں تہجد پڑھا کیجیے جو آپ کے لیے نفل ہے۔ امید ہے آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں جگہ دے گا۔'' (بنی اسرائیل: ۷۸:۷۹)

سمجھنے کی کوشش کی کہ جب سورج یہاں غروب ہوتا ہے تو کہیں اور طلوع ہو جاتا ہے۔ یہاں غروب وہاں طلوع، وہاں غروب یہاں طلوع۔ ایک جگہ غروب ہونا دوسری جگہ طلوع ہونا ہے پھر سورج غروب ہونا کیا ہے۔؟

رات کے اندھیرے تک یعنی صبح صادق تک صلوٰۃ کا قیام۔ تہجد کی تاکید ہے اور فجر میں قرآن کریم پڑھنے کو حاضر ہونے کا وقت بتایا گیا ہے۔ مزید ارشاد ہے،

''اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی لے جا صدق کے ساتھ لے جا
اور جہاں سے بھی نکال، صدق کے ساتھ نکال اور سلطان کو میرا مددگار کر
دے۔'' (بنی اسرائیل: ۸۰)

اگلی آیت میں اللہ نے حواس کی رفتار کو بڑھانے کے لیے سلطان کو مددگار بنانے کی دعا کا حکم دیا ہے۔ سلطان روح ہے۔ فجر کے وقت میں ایسی کیا بات ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والا بندہ اللہ کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔۔؟ بات کو سمجھنا اس وقت ممکن ہے جب آدمی عمل کرے۔ سوچا وقت سے واقف ہونے کے لیے سو کر وقت نہیں گزارا جا سکتا بلکہ جو وقت ہے اس میں جاگا جائے۔ ارادہ کیا کہ باقاعدگی سے صبح صادق کے وقت قرآن پڑھے گا تاکہ ایت سمجھ میں آجائے۔

www.ksars.org

جب سے ارادہ کیا ہے مخصوص وقت پر بغیر الارم کے آنکھ کھلتی ہے اور ہر بار اٹھنے پر پہلا خیال اتا ہے کہ قدرت مدد کر رہی ہے کہ وہ جاگے اور آیت سے واقف ہو۔ نیند بھری آنکھوں کے ساتھ اٹھ کر بیٹھتا ہے، ہمت نہیں ہوتی اور سو جاتا ہے۔ پانچواں دن ہے کہ وہ صبح اٹھ کر خود کو ملامت کرتا ہے کہ سو کیوں گیا۔

مرشد کے پاس بیٹھا تھا۔ سوال کرنے والا تھا کہ انہوں نے فرمایا، ''ساری عمر تو سو لیے، اتنا سو کر کیا کرنا ہے۔۔؟'' بات گہری تھی۔

فرمایا، ''جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے۔۔ نیند ضروری ہے لیکن جاگنا بھی سیکھو۔''

سخت شرمندہ ہوا تو انہوں نے فرمایا، ''اچھا کیا جاننا چاہتے ہو۔۔۔؟''

عرض کیا، جاننا چاہتا ہوں کہ فجر میں ایسی کیا بات ہے کہ حواس کی رفتار بڑھ جاتی ہے اور اللہ چاہے تو بندہ کو حاضری نصیب ہوتی ہے۔۔۔؟

فرمایا ''حیوانات، نباتات، جمادات، سماوات اور سمندری تخلیقات میں امر مشترک ہے کہ ہر ذی روح یا بزعم خود غیر ذی روح سمجھی جانے والی مخلوق شعور رکھتی ہے۔ شعور کے دو زاویے ہیں۔۔

ا۔ حواس اس طرح کام کریں کہ زمان اور مکان دونوں کا عمل دخل ہو۔ عمل دخل کے بغیر زندگی کا رخ متعین نہیں ہوتا۔ اس بالواسطہ میڈیم میں وقت (زمان) ٹکڑوں میں تقسیم ہے۔ ٹکڑوں میں تقسیم سے مراد ہے کہ چلتے ہوئے ایک قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم اٹھانا مجبوری ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ ایک قدم اٹھا اور اس کے بعد دوسرا قدم اسپیس پہ آیا۔ ان دونوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ فاصلہ اسپیس ہے۔ لیکن ایک قدم کے بعد دوسرا قدم زمین پر آنے تک کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ وقفہ زیر بحث آتا ہے۔ دس قدم چلنے میں ہم ٹائم اور اسپیس کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ ہی دس قدم اٹھانے کے بعد کسی بھی طرح زمان و مکان دونوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ زمان و مکان، شعور لاشعور زندگی کے دو رخ ہیں۔ شعور لاشعور تحریکات کی بنیاد پر مجبور ہے کہ وہ gravity کی غیر متعین حدود میں رہ کر عمل کرے۔ بتانا یہ چاہتا ہوں کہ زمین (earth) اسپیس کے قائم مقام ہے۔ اور زمین کی محوری اور طولانی گردش زمان (time) کی پابند ہے۔

۲۔ لاشعور، شعور کے برعکس زندگی ہے۔ equation یہ ہے کہ شعور جب suspend ہو جاتا ہے تو شعور کی بنائی ہوئی عمارت ڈیڈ باڈی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ زندگی کی بیلٹ لاشعور پر متحرک ہے۔ قانون یہ ہے

www.ksars.org

کہ شعوری دلچسپیاں اعمال و حرکات، بھوک پیاس، سردی گرمی وغیرہ کا اس وقت بھی عمل دخل قائم رہتا ہے جب شعور suspend ہو۔ نیند کی مثال سامنے ہے۔''

چھ سال سے دو شعور اور لاشعور کے بارے میں پڑھ رہا ہے اور ہر بار بات نئے زاویہ سے سامنے آتی ہے۔ آخر ایک ہی بار میں مطلب سمجھ میں کیوں نہیں آجاتا۔۔۔؟ جانتا تھا کہ سوال درست نہیں ہے اور پوچھنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ خیال نے کہا، ایسے سوال کا مطلب روحانی علوم کی اہمیت سے ناواقف ہونا ہے۔ ڈھائی سال کی عمر میں تم kindergarten میں داخل ہوئے اور پھر بارہ سال لگے میٹرک کرنے میں۔ بعد کی تعلیم کا عرصہ الگ ہے۔ ہم روحانی علوم ایک ہی دن میں سیکھ لینا چاہتے ہیں اور محنت بھی نہیں کرتے۔ بس شیخ سے اتنا پوچھا کہ لاشعور اور شعور کیا ہے۔۔۔؟

شیخ جو بغور دیکھ رہے تھے فرمایا، ''زندگی کا تجربہ یہ ہے کہ ہم جو حرکات یا اعمال شعوری زندگی میں کرتے ہیں ویسا سب کچھ لاشعوری زندگی، نیند میں بھی کرتے ہیں۔ لاشعوری زندگی کے تاثرات اس طرح اثرانداز ہوتے ہیں جس طرح شعور میں ہوتے ہیں۔ ہم ڈرتے ہیں خوش ہوتے ہیں کھانا کھاتے ہیں سوتے جاگتے ہیں انتظار کرتے ہیں کچھ دیتے ہیں اور دوسروں سے کچھ لیتے بھی ہیں۔ ان اعمال و حرکات و سکنات کی موجودگی میں شعور اور لاشعور میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جب ہم سو جاتے ہیں شعور تقریباً suspend ہو جاتا ہے بجز اس کے کہ سانس کی آمد و شد جاری رہتی ہے پھر یہ سب کیا ہے؟ آسمانی کتابیں اور قرآن کریم کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ شعور اور لاشعور زندگی کے دو رخ ہیں اور یہ دونوں رخ الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ۔

قانون قدرت کے تحت کتاب کے ایک ورق کے دو صفحات ہیں۔ ایک صفحہ پر لکھی ہوئی تحریر شعوری زندگی ہے اور ورق کے دوسرے صفحہ پر لکھی ہوئی تحریر۔۔۔ اس تحریر میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔''

جواب لکھتے لکھتے صاحبِ شہود ہستی کو دیکھا تو قلم رک گیا۔ محسوس ہوا وہ خلا میں دیکھ رہے ہیں۔ آنکھیں کھلی ہیں، پلکیں ساکت ہیں، آنکھ کی پتلی ٹھہری ہوئی ہے۔ بات جاری تھی لہذا وہ واپس کاغذ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

www.ksars.org

''اس کو اس طرح سمجھیے کہ کتاب کا ایک ورق ہے۔اس ورق کے دو صفحے ہیں۔ایک صفحہ پر لکھی ہوئی تحریر کے جملوں میں اسپیس کا وقفہ ہے۔دوسرا صفحہ لاشعور میں یہی تحریر وقفہ کے بغیر نظر آتی ہے جب کہ وقفہ اس میں بھی ہے۔ہر مخلوق چرند،پرند،جمادات،نباتات،دریا،سمندر سب کی زندگی ان دو دائروں میں مسلسل حرکت میں ہے۔اسپیس کا غلبہ ہو جاتا ہے شعور کی واردات و کیفیات مظہر بن جاتی ہیں اور جب اسپیس ہونے کے باوجود وقفہ نظر نہیں آتا تو زندگی کے اعمال و حرکات لاشعوری زندگی ہیں۔جو لوگ اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان نشانیوں کے میکانزم سے اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ واقف ہیں وہ زمان و مکان کی حقیقت کا علم رکھتے ہیں۔''

مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا،''نیند کی حالت میں بشر وہ سارے کام کرتا ہے جو بیداری میں کرتا ہے لیکن نیند کے اعمال، حرکات و سکنات میں اسپیس اور ٹائم ہونے کے باوجود نفی ہو جاتی ہے۔ نفی کیوں ہو جاتی ہے۔۔۔؟اس لیے کہ شعور ٹکڑوں میں تقسیم ہونے والا ایک میکانزم ہے۔ نفی سے مراد ختم ہونا نہیں بلکہ ہمارے لیے کسی طرح اس کی پیمائش ممکن نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ایک رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ماضی میں اور حال میں سائنسی معلومات کے پیشِ نظر اگر حساب لگایا جائے تو ایک رات برابر ہے 60 ہزار دن رات کے۔60 ہزار دن رات کتنے گھنٹوں کا مجموعہ ہیں۔۔۔؟ غور و فکر کریں اور بتائیں کہ ساٹھ ہزار دن رات کے کتنے گھنٹے اور کتنے منٹ بنتے ہیں۔۔۔؟''

جتنی دیر وہ خیال سے ہم کلام ہوتا ہے پلکوں کا جھپکنا کم ہو جاتا ہے۔جواب اس وقت ذہن میں آتا ہے جس لمحہ آنکھوں کے ڈیلے ساکت ہوتے ہیں۔یہ کوئی انہونی نہیں، غور کیجیے سب کے ساتھ ہوتا ہے۔سوچتے سوچتے آنکھیں بند ہوئیں۔برق رفتاری سے خیال کی روشنیاں پھیلیں،اس نے آنکھیں کھول دیں اور خود سے کہا۔۔جب ہم سوتے ہیں تو پلکیں ساکت ہو جاتی ہیں۔ہم نیند کی دنیا میں داخل ہوتے ہیں جہاں وقت کی رفتار کی پیمائش ممکن نہیں اور ہم کہاں سے یہاں۔یہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ارادہ اور اختیار ہی نہیں، پلک جھپکنے کا بھی محدودیت اور لامحدودیت سے تعلق ہے۔یہ وہ باتیں نہیں جو آدمی نہ جانتا ہو لیکن غور نہیں کرتا اور جب غور کرتا ہے تو بظاہر عام آنے والی بات کے پیچھے مکمل علم ہے۔اس لمحہ وہ جس کیفیت سے گزرتا ہے، کسی دوسرے کو نہیں سمجھا سکتا جب تک دوسرا شخص خود اس کیفیت سے نہ گزرے۔

www.ksars.org

ایک مرتبہ صاحبِ نظر ہستی نے کسی خاتون کو خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے صاحبِ یقین بچہ کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ ’’تربیت کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ماں باپ دونوں خود کو صاحبِ کردار، بااخلاق ہوں، دونوں میں عفو در گزر ہو اور سخی ہوں۔ تربیت کا خاص خیال رکھا جائے اور دوستی کے لیے اچھی بچوں کا انتخاب کیا جائے۔ بچہ کو شروع سے بادب اور بااخلاق بنائیں اور اس کا یقینی طریقہ یہ ہے کہ ماں باپ اور بہن بھائی آپس میں ایک دوسرے کا ادب کریں۔ اس کے علاوہ رات کو ماں بچہ کو قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں سنائیں، اللہ ھو کا ورد کرے اور رسول اللہؐ کا بار بار تذکرہ کیا جائے۔ سونے سے پہلے بڑوں اور چھوٹوں کو سلام کریں۔ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں بڑے اور چھوٹے ہاتھ ضرور دھوئیں۔‘‘

اس نے یہ تحریر اپنی کزن کو پڑھ کے سنائی اور کہا۔۔۔ بچوں کی تربیت ایسے کرنی چاہئے۔

کچھ دنوں بعد جب وہ اپنے بھانجے کے ساتھ کھیل رہا تھا جس کی عمر پونے دو سال ہے۔ توتلی زبان اور میٹھے الفاظ میں ٹوٹے پھوٹے لفظ ادا کر کے بچی اسے اور وہ بچہ کو اپنی بات سمجھا رہا تھا۔ وہ جو کہتا، بچہ دہراتا۔ اس نے اللہ کہا۔۔ بچہ نے بھی اللہ کہا۔

اس نے ترنم میں اللہ پڑھا، بچہ نے اسی ترنگ میں دہرایا۔

بچہ کے پاس stuffed toys تھے۔ اس نے بچہ سے کہا اب سونے کا وقت ہے۔ یہ سننا تھا کہ بچہ نے ایک کھلونے کو لٹایا اور تھپک تھپک کر اللہ ھو کہنا شروع کر دیا۔ وہ مسکرا دیا۔

بچہ جو دیکھتا ہے وہ کرتا ہے۔ بچہ نے دیکھا کہ اس کی اماں اسے اللہ ھو اللہ ھو کہہ کر سلاتی ہیں تو بچہ نے اس عمل کو دہرایا۔ اس نے پوچھا۔۔ اللہ کہاں ہے؟

بچہ نے فوراً ہاتھ اٹھایا اور کہا۔۔۔ اللہ اوپر ہے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر پوچھا۔۔ اللہ کہاں ہے؟

اسی طرح ہاتھ فضا میں بلند کیا اور کہا اللہ اوپر ہے۔ اس بار وہ اسے نیا جواب سکھانا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا اور کہا۔۔۔ اللہ یہاں ہے۔۔ بچہ یہ دیکھ کر مسکرا دیا۔

مرشد کریم فرماتے ہیں، ’’بچے ماں باپ کا عکس ہوتے ہیں۔ بچہ وہ کرتا ہے جو ماں باپ کرتے ہیں۔

ایک شخص خود جھوٹ بول کر، اونچی آواز میں بات کر کے اپنے بچے کو جھوٹ بولنے سے روکے اور دھیمی آواز میں بات

www.ksars.org

کرنے کا کہتا ہے تو کیا اس کا بچہ سچ بولے گا اور نرمی سے بات کرے گا۔۔۔؟ بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ کا صاحبِ اوصاف ہونا ضروری ہے۔"

اس نے سنا تو تھا لیکن اپنے بھانجے کے ساتھ کئی روز گزار کر دیکھ بھی لیا کہ بچوں کی پلک کم جھپکتی ہے، ذہن کی رفتار تیز ہوتی ہے اور وہ فوراً یکسو ہو جاتے ہیں۔ اگر صحیح تربیت نہ کی جائے تو جیسے جیسے ایک دن دوسرے دن، ایک مہینہ دوسرے مہینہ اور ایک سال دوسرے سال میں داخل ہوتا ہے، پلک جھپکنے کا عمل بتدریج بڑھتا رہتا ہے۔ خیال آیا۔ اللہ نے ہر بچہ کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے تو کیا زیادہ پلک جھپکنے سے ہم فطرت سے دور ہو جاتے ہیں۔۔۔؟

مرشد کریم کسی مضمون کی تصحیح کرواتے ہوئے رکے اور خلا میں دیکھا۔ اس طرح کہ پلک جھپکی نہ آنکھ نے حرکت کی۔ مرشد خلا میں دیکھ رہے تھے اور وہ مرشد کو۔ محسوس ہوا ایسے دیکھنا بے ادبی ہے۔ نظر ہٹالی۔ چند لمحوں بعد انہوں نے دوبارہ لکھوانا شروع کیا۔ اس منظر نے تجسس کو بڑھا دیا۔

بعد میں ان سے عرض کیا۔۔۔ میں نے محسوس کیا ہے آپ کی پلک بہت کم جھپکتی ہے یا پھر جھپکتی ہی نہیں اور جب آپ کسی بات پر غور کرتے ہیں تو آنکھ کے ڈیلے اس طرح ساکت ہو جاتے ہیں جیسے نظروں کے سامنے ہماری دنیا کی طرح کوئی اور دنیا روشن ہے۔ جاننا چاہتا ہوں کہ پلک جھپکنا اور نظر کا ساکت ہونا کیا ہے اور اس کا وقت کی رفتار سے کیا تعلق ہے۔۔۔؟

فرمایا، "خیال مسلسل آتا ہے لیکن خیال میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں خیال کے قیام کا بڑے سے بڑا وقفہ پندرہ منٹ ہے۔ اسی صورت سے ہر آدمی کا نظام ہے۔ خیال تب آئے گا جب آپ کی پلک جھپکے گی۔ اس کی مثال کیمرہ ہے۔ فوکس کیا، شٹر گرایا، تصویر آجاتی ہے۔ شٹر نہ گراؤ، تصویر نہیں ائے گی۔ پلکیں شٹر کا کام دیتی ہیں۔ اگر پلک نہ جھپکے کچھ دیر کے بعد منظر غائب ہو جائے گا اس کے بعد اس کا ایک قاعدہ ہے، اس پر عمل کر لیا تو زمین اور زمین کے اندر اور خلا میں سب نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی لاشعور کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ پلک جھپکنا بھول جاتا ہے۔ بچوں کا بھی یہی ہے کہ تین ساڑھے تین مہینے تک پلک نہیں جھپکتی۔ آہستہ آہستہ vocabulary بڑھتی ہے۔ جس مناسبت سے بڑھے گی اسی مناسبت سے شعور بڑھے گا۔ اگر پلک نہ جھپکے تو آدمی شعور کے دائرہ کار سے نکل جائے گا۔ کیمرے کو دماغ تسلیم کر لیں تو بات آسانی سے سمجھ آجائے گی۔"

www.ksars.org

زمانہ ماضی ہے

وہ لکھ رہا تھا۔۔۔ مٹا رہا تھا۔۔۔ مٹا کر پھر لکھ رہا تھا۔۔۔ ایک سے زیادہ مرتبہ۔۔۔ ایسا بھی ہوتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے اور جب مرحلہ آتا ہے تو ذہن بھاری ہو جاتا ہے۔ جیسے خیال رک گیا ہو یا اس طرح الجھ گیا ہو گرہ کھولے بغیر بڑھنا ممکن نہ ہو۔ اندر کی آواز کو سننے کے بعد اب وہ اندر میں دیکھے بغیر کام نہیں کرتا، اگر کرلے تو خمیازہ بھگتتا ہے۔

گزشتہ تین سالوں میں نشیب در نشیب اور ہر نشیب کے بعد فراز سے حیات کے معنی بدل گئے ہیں۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات، زندگی نہیں ہے۔ زندگی پردہ میں ہے۔ کشش مادی شے میں ہو تو ثقل پیدا ہوتا ہے۔ کشش ختم ہو جائے، ثقل ختم ہو جاتا ہے۔

بندہ، بشر اور اعصاب کمزور! شکست وریخت کے مراحل سے دماغ شل ہے۔ محبوب کا تصور ہو تو صبح سے رات تک کام کرنے کے بعد تھکن بھی نہیں ہوتی۔ خود کو مزید توانا محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس دوران کسی سے متاثر ہو جائے یا خیال پریشان کن دنیا میں لے جائے تو تھک جاتا ہے جیسے بھاری پتھر اٹھا لیا ہو۔ اُس وقت وہ ''بظاہر جاگتی دنیا'' سے فرار حاصل کرنے کے لیے سونا چاہتا ہے۔ اللہ مہربان ہے، نیند آغوش میں لے لیتی ہے۔ جانتا ہے کہ مسئلہ کا حل یہ نہیں۔۔۔ جاگنے کے بعد پھر وہی دنیا ہے۔

لکھنے کے لیے خاموشی چاہئے۔۔۔ باہر نہیں۔۔۔ اندر!

بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اس کو لکھنا نہیں آتا اور وہ چاہتا بھی نہیں ہے کہ کبھی لکھنا آئے۔ بس آواز سننا، سن سن کر لکھنا اور بولنا زندگی ہے۔ ''نہیں'' کے مرحلہ سے گزر کر اسے ''ہاں'' چاہئے۔

ایک لمحہ کو بھی خیال آئے کہ وہ ہے۔ دل مضطرب ہو جاتا ہے۔ بس کسی طرح ذہن سے یہ بات حذف ہو جائے کہ وہ ہے جب کہ وہ نہیں ہے۔ یہ فلسفہ نہیں، لاشعور کے اُس پار شعور میں گم ہونے کا راستہ ہے۔

www.ksars.org

ٹوٹے پھوٹے لفظ لکھ لکھ کر جب وہ مٹا رہا تھا تو اندر باہر جنگ جاری تھی کہ ہر موڑ پر ایک کے بعد ایک امتحان ہے۔ ایک سے نکلتا نہیں دوسرا سامنے ہوتا ہے۔

خیال نے کہا۔۔۔ جب آدمی نہیں سیکھتا تو بار بار ان حالات سے گزرتا ہے۔ پہلی کلاس میں فیل ہونے کے بعد دوسری میں داخلہ کیسے ملے گا۔۔۔؟ پہلی پاس کرنے کے لیے ہر بار امتحان ہوگا اور امتحانی پرچہ اسکول میں بھی ہر سال ایک نہیں ہوتا۔ Depreciation سے متعلق سوال ہر سال آتا ہے لیکن ہر بار زاویہ مختلف ہوتا ہے۔ زندگی درسگاہ ہے۔ دھوکا کھانے والا ایک بار سمجھ جائے کہ اب اعتبار نہیں کرنا۔۔۔ وہ دھوکا نہیں کھاتا۔۔۔ جو نہیں سیکھتا۔۔۔ بار بار دھوکا کھاتا ہے۔ اس لیے سیکھو اور آگے بڑھ جاؤ۔

کسی کے لیے برا خیال دل میں نہیں کہ مرشد کریم نے معاف کرنا اور بے ضرر ہونا سکھایا ہے۔ انجانے میں کسی کو تکلیف پہنچا دے تو معافی مانگنا بھی سکھایا ہے لیکن جب کسی شخص کے بارے میں سوچے کہ وہ اچھا ہے۔ ایسی ٹھوکر لگتی ہے کہ دماغ سن ہو جاتا ہے۔ پھر سوچتا ہے کہ کم از کم فلاں سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ نتائج زیادہ سنگین ہوتے ہیں۔ حالات کے تھپیڑوں سے گزرتا ہے تو مرشد کریم براہ راست یا بالواسطہ دستگیری فرماتے ہیں۔

کچھ روز اسے خود سے لڑتے دیکھا تو ایک دن فرمایا، ''دیکھو! کسی کو اچھا کہو نہ برا۔ اچھا کہہ دیا تو اب اسے اچھا ہی کہنا ہے۔۔۔ برا کہو تو پہلے یہ دیکھو کہ تم کہاں کھڑے ہو تو پھر وہ تمہیں برا نہیں لگے گا۔''

عرض کیا، سر! اچھا برا کیوں ہو جاتا ہے۔۔۔؟

انہوں نے پوچھا، ''اچھا کیوں ہوتا ہے۔۔۔؟

وہ خاموش رہا۔

فرمایا، ''اس لیے کہ وہ ہمارے کام آیا۔ ہم اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اب جب ہمیں تکلیف پہنچتی ہے تو ہم برا کہہ دیتے ہیں۔ اگر وہ برا ہے تو اچھا کیوں کہا اور اچھا ہے تو برا کیوں کہہ رہے ہیں؟ کوئی اچھا ہے نہ برا۔ اسی طرح جس کے ساتھ نیکی کی، اس نے نقصان پہنچایا تو فوراً نیکی کا خیال آجاتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ اچھا کیا اور اس نے کیا کیا۔ بس نیکی ضائع ہو گئی۔ برا کرو نہیں اور اچھا بھول جاؤ۔''

عرض کیا، میں ضرورت سے زیادہ حساس ہوں۔

www.ksars.org

فرمایا، اچھی بات ہے لیکن حساسیت اپنے کام سے متعلق ہو، رویوں سے نہیں۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ،

''جب آدمی یہ جان لے کہ وہ کس کے لیے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا۔ کچھ بھی ہو جائے آپ کو یہ یاد رکھنا ہے کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔''

بات لکھنے سے شروع ہوئی تھی۔ جب اسے لکھنا نہیں آتا تو ایسے میں وہ یہ لکھنا شروع کر دیتا ہے کہ اسے لکھنا کیوں نہیں آرہا۔ خیال نے کہا تخلیق اس وقت ہوتی ہے جب بندہ ''اندر میں'' سے ہم آہنگ ہو۔ تخلیق اندر میں ہے۔ مقصد مدِ نظر رہے تو ذہن یکسو ہو گا۔

اس نے سوچا، ''یکسو'' کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟

خیال آیا کہ یکسو دو الفاظ ''یک سو'' کا مجموعہ ہے۔ ''یک'' اور ''سو'' سمت کو کہتے ہیں۔

شیخ سے عرض کیا کہ ذہن بند ہے اور لکھنا نہیں آرہا۔ قرآن میں تفکر کا سلسلہ رک گیا ہے۔

تاکید فرمائی، ''وسوسہ ہے اور کچھ نہیں۔ روز لکھنا اور تفکر کرنا ہے۔''

سونے سے پہلے قرآن کریم پڑھتے ہوئے آیات پر غور کیا۔ ایک بار پھر قلم اٹھایا۔ مفہوم واضح ہونے لگے لیکن لفظ بے ترتیب تھے۔ خیر! کوشش کے بعد سو گیا۔ نیند کی دنیا میں دیکھا۔۔۔ صاحبِ علم ہاتھ پکڑ کر لوح پر قلم سے لکھنا سکھا رہے ہیں۔ درمیان میں لکیر ڈال کر جگہ خالی چھوڑتے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ان کو ملاؤ۔ ہوم ورک دے کر جب وہ گئے تو اس نے خود سے کہا کہ جس نے ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا ہے۔۔۔ وہی ہاتھ پکڑ کر خالی جگہ پُر کرنا بھی سکھائے گا۔

مرشد کریم نے پوچھا تھا کہ وقت کیا ہے۔۔۔؟ بند ذہن کھلا، مختلف زاویے ذہن میں آئے۔ جیسے کہ وہ آنکھیں کھول کر دنیا دیکھے تو وقت کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ بند کر کے دیکھتا ہے تو لمحہ سے بھی کم وقت میں برسوں کا وقت طے کر لیتا ہے۔ مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ اصل سے واقف ہونے کے لیے نقطۂ ازل میں لوٹنا ہو گا۔ مشق دی کہ آنکھیں بند کر کے خود کو ماضی میں دیکھو۔

www.ksars.org

بھول بھلیوں میں گم ماضی میں داخل ہونے کی کوشش کی تو تالاب کی تہ میں موجود لہریں متحرک ہونا شروع ہوئیں اور دائرہ بہ دائرہ سطح پر نمودار ہوئیں۔ پہلے اسکول کا زمانہ یاد آیا۔ پھر ترتیب وار پہلی کلاس تک پہنچا جب عمر چار سال تھی۔ اس سے آگے نقش دھندلے تھے۔ اگلی مرتبہ چار سال کی عمر سے anti-clockwise سفر شروع کیا تو تیسرے سال میں داخل ہوا جب وہ نرسری میں تھا۔ کلاس میں بچوں کے لیے راؤنڈ ٹیبل اور ہر ٹیبل کے گرد چار کرسیاں تھیں۔ کاپی پر اس کی ہینڈ رائٹنگ میں ABC یا 123 لکھا ہوا ہے۔ ایک لمحہ ذہن میں ABC آتا ہے تو اگلے لمحہ میں 123 کے نقش واضح ہوتے ہیں۔ فیصلہ نہیں کر سکا کہ کاپی میں چھوٹی بڑی آڑی ترچھی لائنیں کیا بتا رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اسکرین پر بچوں کا ٹیبلو نظر آیا۔ کلاس میں ہریالی پیش کرنے کے لیے پھل پھول پودوں اور جانوروں کی تصویریں لگا کر جنگل کا ماحول بنایا گیا تھا، ہر بچہ کے پاس ایک کاسٹیوم تھا۔ مس نے اسے خرگوش بنایا۔ جیسے ہی میوزک چلتا، سارے بچے رقص کرتے جھومتے گاتے اپنے کردار کا نام آتے ہی خرگوش کے پاس دائرہ بنا کر اکٹھے ہوتے۔ دائرہ مکمل ہوتا اور جنگل میں ۔۔۔ منگل ہو جاتا۔

مشق جاری رکھی اور کچھ عرصہ بعد بچپن کے ڈھائی سال سامنے آ گئے۔ دیکھا کہ وہ اور اس کا کزن مونٹیسری جاتے ہوئے ہر صبح خستہ اور گرم پیٹیز کھاتے ہیں۔ پیٹیز یاد آتے ہی خوش بو پھیل گئی۔ زبان پر ذائقہ محسوس ہوا جیسے ابھی ابھی کھایا ہو۔ خوش بو اور ذائقہ کے درمیان کئی سال حائل تھے لیکن وقت کی بساط لپٹی تو فاصلہ حذف ہو گیا۔ کنڈر گارٹن (kindergarten) کے نقش ہلکے مگر خاکہ ذہن میں ہے۔ مزید پیچھے گیا تو سب سے پرانا گھر یاد آیا۔ گھر کا انٹیریئر ذہن میں بہت حد تک روشن ہے۔ بیڈ، پردے، لاؤنج، دروازہ، سیڑھیاں ۔۔۔ والدہ سے اس وقت کی عمر پوچھی تو بتایا کہ دو سال تھی۔ دو سال کی عمر سے پہلے کے مناظر تاحال بھول کے خانہ میں ہیں۔

آدمی ماضی میں برس ہا برس گزار دیتا ہے۔ واپس لوٹتا ہے تو گھڑی کی سوئی وہیں ہوتی ہے۔ کسی کی عمر پچاس سال ہے، جب وہ بچپن میں لوٹتا ہے تو اس کا ایک لمحہ پچاس سال کا وقت طے کر لیتا ہے۔ ماضی میں پچاس سال گزار کر آ گیا۔ ایک لمحہ میں پچاس برس کا طے ہونا کیا ہے ۔۔۔؟ اس طرح کہ آدمی جب واپس آتا ہے تو اس کی عمر سو سال نہیں ہو جاتی۔ ایک لمحہ میں پچاس برس ہیں تو پھر اسپیس کہاں ہے ۔۔۔؟ جب پچاس برس لمحہ گزر گئے تو پھر وقت کیا ہے ۔۔۔؟

www.ksars.org

جاگنے کے بعد خواب لاشعور۔۔۔خواب میں بیداری کی دنیا لاشعور ہے۔ بات مشکل نہیں ہے۔

آدمی جس شعور کی نفی کرتا ہے اس کو لاشعور کہتا ہے، جس میں رہتا ہے وہ شعور بن جاتی ہے۔

نیند میں خواب کی دنیا شعور ہوتی ہے۔۔۔ایک لمحہ کے لیے بیداری کی دنیا کا خیال نہیں آتا کہ جب جاگے، تو یہ کرے گا وہ کرے گا۔ نیند میں بیداری کی دنیا حذف ہو جاتی ہے لیکن بیداری میں نیند کی دنیا حذف نہیں ہوتی۔۔ نیند میں کیا گیا کم از کم ایک کام تو ضرور یاد رہتا ہے۔ آدمی حقیقت سے واقف نہیں ہے اس لیے خواب کے شعور کی نفی کر کے اس کو لاشعور کہہ دیتا ہے جب کہ خواب وخیال کے حواس غیب کی دنیا کا پہلا زون ہیں۔

مزید غور کرنے پر احساس ہوا کہ دوسرے زون میں داخل ہونے سے پہلا زون فکشن ہو جاتا ہے۔

جب تیسرے میں داخل ہوگا تو دوسرا زون فکشن ہو جائے گا۔ زون در زون آگے بڑھنے سے فکشن اور reality کے مراحل طے ہوتے ہیں۔ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ سوائے ایک حقیقت کے سب فکشن ہو جاتا ہے۔

اندر جھانکیں تو آئینہ نظر آتا ہے۔ آئینہ ہمیں دیکھتا ہے اور آئینہ میں اپنا عکس دیکھتے ہیں۔ مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ کوئی برا کرے یا تم کسی کو برا کہو تو پہلے یہ دیکھو کہ تم کہاں کھڑے ہو۔۔ پھر وہ تمہیں برا نہیں لگے گا۔ خیال نے کہا کہ یہ خود کو آئینہ میں دیکھنا ہے۔

اس نے سوچا یہ کیسا آئینہ ہے جس کے لیے کوئی سمت۔۔۔ سمت نہیں۔ آئینہ ماضی میں لے جاتا ہے۔ مستقبل کی حقیقت کھولتا ہے اور حال سے واقف کراتا ہے۔ کائنات میں کوئی شے وقت (زمان) اور فاصلہ (مکان) کی حدود سے باہر نہیں۔ کن سے زمان و مکان یعنی سمتیں تخلیق ہوئیں اور کن بذات خود زمان و مکان کی نفی بھی ہے۔

صاحب طریقت سے عرض کیا۔۔۔ سر! آئینہ کے دیکھنے کو دیکھنا کیا ہے۔۔۔؟

فرمایا۔۔۔"زندگی کے بارے میں یک سوئی کے ساتھ سوچا جائے تو بات یقینی بن جاتی ہے کہ زندگی۔۔۔اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں۔۔۔اطلاع کا وجود اس وقت زیرِ بحث آتا ہے جب اطلاع کا کوئی ماخذ(source) ہو۔ Source کے بارے میں تفکر سے کام لیا جائے تو راز کھلتا ہے کہ سوچ خیال کے تابع ہے۔ خیال وہم کے تابع ہے۔ (وہم سے مراد شک وشبہ نہیں) وہم سے اوپر ایک اور ایجنسی ہے جس کو تصوف میں ورائے وہم کہتے ہیں۔ بات اس طرح آسان ہو جاتی ہے کہ خیال ائے بغیر بندہ بشر یا کوئی بھی مخلوق کوئی عمل نہیں کر سکتی۔ خیال میں خیال، خیال میں dimension کا پیدا ہونا اس وقت ہوتا ہے جب خیال ٹوٹ کر بکھر جائے۔ یعنی ایک آدمی کے اندر کھانے کا تقاضا پیدا ہوا جس کو عرفِ عام میں بھوک

www.ksars.org

کہاجاتاہے۔اس تقاضے میں ایسی توانائی ہے کہ جب تک تعمیل نہ ہو زندگی مخدوش بن جاتی ہے۔اس طرح سمجھئے کہ ہر شے بھوک پیاس، گرمی سردی کااحساس، قربت دوری سب خیال کے تابع ہیں۔آپ آئینہ کے سامنے ہیں، آئینہ میں آپ کا عکس ہے۔آپ کیا سمجھے کہ آئینہ میں عکس کی کیاحیثیت ہے۔۔؟''

فرمایا، ''آئینہ میں صلاحیت ہے کہ وہ تصویر کا عکس اپنے اندر قبول کرے اور عکس۔۔۔آپ کو دکھائے۔آسان لفظوں میں اس طرح بیان کیاجائے گا کہ آپ آئینہ کو نہیں دیکھ رہے اوراگر دیکھ رہے ہیں تو آئینہ کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں۔اگرآئینہ آپ کو قبول نہ کرے توکیاآپ آئینہ میں یعنی آئینہ کے دیکھنے کو دیکھ سکتے ہیں۔۔۔؟

اللہ آپ کو، دوستوں اور بزرگوں کو سب کواپنی حفظ وامان میں رکھیں۔اللہ تعالیٰ نے انسانی دماغ یعنی کمپیوٹر میں 12 کھرب صلاحیتیں محفوظ کی ہیں۔یہ صلاحیتیں شعور لاشعور کی تحریکات ہیں۔مخلوقات وجود میں آتی ہیں اور بکھر جاتی ہیں۔یہ بکھرنا صلاحیت ہے۔صلاحیتیں اسٹور کاکام کرتی ہیں۔ٹوٹتی ہیں۔۔۔بکھرتی ہیں۔نور سے روشنی میں تبدیل ہوتی ہیں اور روشنی لاشعور سے شعور میں منتقل ہوتی ہیں اور ہم مادی دنیا میں اپنا وجود دیکھتے ہیں جو فکشن کے علاوہ کچھ نہیں لیکن اس فکشن کو متحرک رکھنے والے عوامل یاequationاللہ کانور ہے۔اللہ نور السمٰوٰت والارض۔''

www.ksars.org

سوال جواب۔۔جواب سوال ہے

رات اور دن ایسا موضوع ہے جس پر وہ دو سال سے غور کر رہا ہے لیکن رات اور دن کے اسرار و رموز پوری طرح سمجھ میں نہیں آئے۔دن میں روشنی پھیلتی ہے اور رات میں تاریکی غالب آجاتی ہے۔روشنی پھیل کر وقت کی رفتار کو کم۔۔۔سمٹ کر رفتار بڑھا دیتی ہے۔روشنی کے سمٹنے کو لوگ تاریکی کہتے ہیں۔حالاں کہ اس تاریکی میں روشنیوں کے جہان آباد ہیں۔ہر جہان میں لاشمار روشنیاں ہیں۔

رات کیسے دن بنتی ہے اور دن کس طرح رات میں داخل ہوتا ہے۔ذہن میں مناظر بنتے ہیں جس میں رات رنگ ہے۔اس رنگ کو پھیلا یا جائے اس حد تک کہ سیاہی ختم ہو جائے۔ہم اس دن کو کہتے ہیں۔دن بھی رنگ ہے۔خیال نے ٹوکا۔۔۔ہر شے اللہ کی صفت پر قائم ہے اور اللہ کی صفت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔اس لیے دنیا میں کوئی چیز ختم نہیں ہوتی۔جذب ہو جاتی ہے۔سیاہی ختم نہیں ہوئی مغلوب ہے۔وہ اس طرح کہ جب پھیلی ہوئی تصویر کا حجم (سائز) کم کیا جائے تو تاریکی نمایاں ہوتی ہے۔اگر وہ ختم ہو گئی تھی تو پھر نمایاں کیسے ہوئی۔۔دن کے بعد واپس رات کیسے آگئی۔۔۔؟ ذہن پر بار پڑنا شروع ہوا۔اندر موجود فلم کو الفاظ میں بیان کرنا نہیں آرہا تھا۔آنکھیں بند کر کے دیکھا۔اندر تاریکی اور تاریکی میں تصویریں موجود تھیں۔

لکھنا شروع کیا۔۔۔سیاہ رنگ کو ہلکا کیجیے، ہلکا کرتے کرتے آخر میں سفید ہو جائے گا۔تاریکی کا غالب ہونا سفیدی کا جذب ہونا ہے۔سفیدی کا غالب ہونا تاریکی کا جذب ہونا ہے۔

لاشعور نے کہا کہ بات quality اور quantity کی ہے۔کوالٹی اور کوانٹیٹی کے بارے میں سوچا تو تجلی درجہ بہ درجہ خیال بنی اور اس نے سمجھا کہ تجلی quality ہے۔۔۔quality سے quantity بنتی ہے۔

تجلی۔۔۔نور۔۔۔روشنی۔۔۔سب زون ہیں۔ہر زون ایک وجود۔۔۔وجود کے دو رخ ہیں۔

وجود۔۔۔مطلق ہے اور مطلق کے دو رخ۔۔۔مفرد اور مرکب ہیں۔مطلق quality ہے اور اس کے رخ quantity ہیں۔

www.ksars.org

بات دن رات اور ذہن میں موجود تصویروں کی عکس بندی سے شروع ہوئی تھی۔ اسکرین پر ایک عکس اور بنا۔ عکس نے دیکھا۔ رات کے اجزا دن میں موجود ہیں لیکن اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ جب تک ان میں فاصلوں کو ختم نہ کیا جائے، نظر نہیں آتے۔ دن رات میں سمٹ رہا ہے۔ اتنا ہی دیکھا تھا کہ ذہن میں سوال آیا۔ اگر دن اس آہستگی سے رات میں سمٹتا ہے تو پھر بجلی کڑکنا اور اس روشنی میں دن رات کا منظر کیا ہے۔۔۔؟ بجلی کڑکنے کے دوران رات دن اور دن رات میں اس تیزی سے داخل ہوتا ہے کہ وقت کا شمار نہیں۔ ذہن سن ہو جاتا ہے کہ یہ کیا ہے اور جسے میں دن رات سمجھتا ہوں وہ کیا ہے۔۔۔؟ لگتا ہے کہ دن رات تیزی سے ایک دوسرے میں داخل ہوتے رہتے ہیں لیکن ذہن کی رفتار اتنی سست ہے کہ اس منظر کا آہستہ دیکھتا ہے۔

خود سے پوچھا۔۔ جو فاصلے میں نے بنائے ہیں وہ کیا ہیں اور ان فاصلوں میں گزرتی ہوئی زندگی کیا ہوئی۔۔؟

ذہن ماؤف ہو گیا۔ آنکھیں بند کیں ایک بار پھر دن اور رات فلم کی صورت سامنے تھے۔ دن رات میں سمٹ رہا ہے اور سمٹ کر سیاہ روشنی کا گولا بن گیا ہے۔ سیاہ گولے کے اندر روشنیاں ہی روشنیاں ہیں۔ اندھیروں میں رہنے کی عادت ہے، روشنی سے موافقت نہیں اس لیے آنکھیں چندھیا گئیں۔ رات کی دنیا کیسی ہے، دیکھ نہیں سکا۔ مگر یہ احساس ضرور ہوا کہ جب خیال یہاں تک لے آیا ہے تو ایک وقت آئے گا کہ رات دن کیا ہے، اس کا انکشاف ہو گا۔

وہ بے جہت آسمان اور تاحد نگاہ پھیلی زمین کو دیکھتا ہے تو ہر عکس میں مرشد کی تصویر نظر آتی ہے۔ آنکھیں بند اس لیے کرتا ہے کہ اندر مرشد کو دیکھے، باہر اس لیے دیکھتا ہے کہ مرشد نظر آئیں۔ مسکراتا ہے تو موجود پاتا ہے اور روتا ہے تو آنسو پونچھنے والا کوئی اور نہیں مرشد ہیں۔ جب اس نے یاد کیا ہے۔ محبوب کو حاضر اور خود کو ان کے حضور پایا ہے۔ قریب و بعد کا فرق ختم ہو گیا ہے۔

خیال میں گم تھا کہ چونک گیا۔ کچھ دیر اندر کی آواز سنی اور پھر لکھا۔۔۔ قرب و بعد کا فرق بہت حد تک ختم ہو گیا ہے۔ خیال نے پوچھا۔۔۔ بہت حد تک کا کیا مطلب۔۔۔؟

اس نے کہا، ''میں'' کہیں نہ کہیں باقی ہے۔ جب ''میں'' سر اٹھاتی ہے تو پھر محبوب نظر نہیں آتا۔ فنائیت کا مسافر ہوں، نہیں معلوم منزل ہے کہاں۔۔۔؟ وسوسوں سے متاثر ہو جاؤں تو بے یقینی سر اٹھاتی ہے۔ محب کہا جائے یا محبوب، اگرچہ کہیں نہیں گیا۔ میں جہاں ہوں میرے ساتھ ہے۔ جب یہ احساس قوی ہو کہ ساتھ ہے تو پھر میں

www.ksars.org

نہیں ہوں۔جب میں نہیں ہوں تو پھر کیا ہے۔۔۔؟روح بے چین ہے کہ فراق کی گھڑیاں قیامت ہیں۔ذرّہ ذرّہ وصل کے لیے بے تاب ہے۔میر تقی میر کہتے ہیں،

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو تیرے آستاں سے اٹھتا ہے
یوں اٹھے آہ! اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا
شور اک آسماں سے اٹھتا ہے
عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

ماسوا محبوب کے ذکر کے وہ ہر ذکر بھول گیا۔جس شے پر نظر پڑتی ہے،ربط صاحبِ دل سے جوڑ دیتا ہے۔جہاں ہوتا ہے ۔۔۔"مشہود" کو "شاہد" پاتا ہے۔

مرشد کریم قرآن کریم میں غور و فکر کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔۔۔اس نے قرآن کریم سے دوستی کرلی ہے۔صرف پڑھتا نہیں ہے۔۔۔غور کرتا ہے اور پھر جو سمجھا ان کو بتاتا ہے۔اگر کبھی کسی وجہ سے بتانے کا موقع نہ ملے تو ذہن میں موجود سوالوں کے جواب صاحبِ علم اپنی گفتگو میں دے دیتے ہیں۔ان کے دیئے ہوئے اسائنمنٹ پر عمل کیا جائے تو ذہن کی گرہ کھلتی ہے اور جواب کی جس حد تک پہنچانا ہے۔۔۔واضح کر دیتے ہیں۔

ایسی تحریر لکھنے کو دی جائے جس میں مرشد کا ذکر نہ ہو،مشکل میں پڑ جاتا ہے۔کئی دن سوچ بچار میں گزرتے ہیں لیکن لکھنے کے لیے سرا ملتا ہے نہ ذہن میں خاکہ بنتا ہے۔بالآخر تصور میں گم ہو کر محبوب کے حضور بیٹھتا ہے۔۔۔اور پھر قلم چلتا ہے اور وہ قلم کو چلتے دیکھتا ہے۔جب تک زمین و آسمان کی موجودات میں صاحبِ دل کو نہ دیکھے۔۔۔سوچ نہیں سکتا۔۔۔لکھ نہیں سکتا۔۔۔بول سکتا۔

www.ksars.org

مرشد کریم کہہ رہے تھے اور وہ لکھ رہا تھا۔۔ ''آسمانی کتابیں اور قرآن کریم کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ شعور اور لاشعور زندگی کے دو رخ ہیں اور یہ دونوں رخ الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے تعاون کے ساتھ۔''

اتنا فرما کے رکے۔

اگلے جملے کا منتظر تھا کہ انہوں نے پوچھا، ''اس کا مفہوم کیا ہے۔۔۔؟'' وہ سٹپٹا گیا۔

عرض کیا، ایک رخ غالب اور دوسرا مغلوب

''مفہوم پوچھ رہا ہوں، تعاون کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟''

حضور۔۔۔۔ربط ہے دونوں میں۔

بات پر زور دے کر فرمایا، ''مفہوم پوچھ رہا ہوں تعاون کا مطلب کیا ہے، کیوں لکھوایا ہے میں نے۔۔۔؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔

وہ غور کر رہا تھا اور وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

عرض کیا، بات مشکل ہے۔

فرمایا، ''یہ کیا بات ہوئی۔۔۔۔؟''

آپ بتا دیں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔

الفاظ پر زور دیتے ہوئے فرمایا، ''تعلق قائم ہے دونوں میں۔ ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہیں لیکن ربط نہیں ٹوٹتا۔ اگر ربط ٹوٹ گیا تو۔۔۔۔؟''

دونوں وجود ختم ہو جائیں گے۔

''نہیں! جو رخ تابع ہے وہ ختم ہو گا، source ختم نہیں ہو گا۔ اصل باقی رہے گی۔ لاشعور، شعور کو فیڈ نہ کرے تو۔۔۔؟''

شعور میں حرکت نہیں ہو گی۔

''لاشعور۔۔۔۔؟''

وہ رہے گا اس لیے کہ وہ source ہے۔

www.ksars.org

فرمایا، ''بجلی کی مثال سے سمجھو۔ گرڈ اسٹیشن سے لائٹ آتی ہے، بٹن آن کرتے ہیں تو بلب روشن ہوتا ہے، لائٹ موجود ہے لیکن بجلی نہ آئے تو۔۔۔؟''

بلب روشن نہیں ہو گا۔

''حالاں کہ بجلی ہے۔ اب بلب کا وجود بے معنی ہے۔'' مزید فرمایا، ''اکثر ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ ذہن کو جھٹکا لگتا ہے اور آدمی حیران ہوتا ہے جب کہ بات معمولی ہوتی ہے۔''

پوچھا، غور نہیں کرتے اس لئے۔۔۔؟

فرمایا، ''ہاں! غور کریں گے تو سمجھ آجائے گا۔ جو کہا گیا ہے، وہ سمجھنے کا زاویہ ہے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات خواہ اس کی آپ کے نزدیک اہمیت ہو یا نہ ہو، اس پر تفکر کرو۔''

کتنی باتیں ہم سرسری طور پر پڑھ کر اور سن کر گزر جاتے ہیں لیکن معنی و مفہوم پر غور نہیں کرتے۔ کسی صاحب کو خط کا جواب دیتے ہوئے مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ ''زندگی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا۔'' ہم اسے محاورتاً بولتے ہیں لیکن انہوں نے اس کی تفصیل میں ''غیب ظاہر غیب'' کا قانون بیان فرمایا۔ بات یہیں پر ختم نہیں کی بلکہ پوچھا کہ جب غیب ظاہر غیب زندگی کی equation ہے تو پھر زندگی کیا ہے۔۔۔؟

اس نے سوچا آخر زندگی ہے کیا۔۔؟ کون ہے جو ہوتا ہے لیکن غائب ہوتا ہے اور پھر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ہے تو اس کا غائب ہونا کیا ہے اور غائب کا ظاہر ہونا کیا ہے۔۔؟ ساری کائنات غیب ظاہر ظاہر غیب۔۔۔ غیب ظاہر غیب کی equation پر قائم ہے۔ جب سب غیب کا ظہور ہے تو پھر غیب کو غیب کیوں کہتے ہیں۔۔۔؟ غیب ظاہر غیب کو سمجھے بغیر جس وجود کا نام زندگی ہے، سمجھنا ممکن نہیں۔ سوال اتنے ہیں کہ ہر جواب۔۔۔ نیا سوال ہے۔

ایک روز عرض کیا، سر! جس شے پر غور کروں، گھوم پھر کر بات وقت پر آجاتی ہے۔ وقت پر غور کرتا ہوں تو رات اور دن میں الجھ جاتا ہوں۔ دو سال سے رات اور دن پر غور کر رہا ہوں لیکن۔۔؟ آپ پردہ اٹھایئے۔

فرمایا، ''بات کچھ بھی نہیں ہے۔ پیدا ہونا یا ظاہر ہونا، آنکھوں سے اوجھل ہونا اور پھر ظاہر ہونا، غیب سے آئے، ظاہر ہوئے، غیب کا پردہ آگیا، پھر زندگی کیا ہے۔۔۔؟''

یہ فرما کر وہ رک گئے۔ کچھ دیر بغور اسے دیکھا۔۔۔ آنکھوں میں گہری مسکراہٹ تھی۔

عشق سراپا یقین ۔۔ یقین فتحِ باب

www.ksars.org

گہری مسکراتی آنکھیں دیکھ کر اس کے چہرہ پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ ان آنکھوں میں دیکھ نہیں سکا اور سر جھکا دیا۔ گھر جا کر ڈائری لکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ مسکراہٹ کیسے بیان کرے مگر ذہن سن تھا۔ اچانک آنکھوں کے سامنے منظر روشن ہوا۔ پر نور چہرہ، محبت سے لبریز آنکھیں اور مسکراہٹ پاکیزہ۔ محبوب حاضر۔ اور خود کو ان کے حضور پایا۔ جذبات بے تاب۔۔ دل کی دنیا زیر و زبر ہو گئی۔ نظر بھر کر دیکھنے کی کوشش کی اور تاب نہ لا کر جیسے ہی آنکھ میں حرکت ہوئی۔ وہ فاصلہ جو حذف ہو گیا تھا ایک بار پھر قائم ہو گیا لیکن احساس موجود رہا۔ احساس کی موجودگی کیا ہے، یہ اپنی جگہ سوال ہے۔ وہ اکثر سوچتا ہے ایسا کیا ہو کہ مادی فاصلے حذف ہو جائیں۔ خیال کہتا ہے ک عشق کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں،

عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتحِ باب

اس نے دن اور رات سے متعلق سوال کیا تھا۔ منتظر تھا کہ کچھ کہیں گے اور وہ لکھے گا۔ فرمایا، "کمال یہ نہیں ہے کہ استاد جواب بتا دے، کمال یہ ہے کہ استاد جواب تک پہنچنا سکھا دے۔ جب آدمی کسی کھوج میں نکلتا ہے تو درمیان میں بہت سے مراحل آتے ہیں اور ذہن کو جواب تک رسائی کے قابل بناتے ہیں۔ اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے،

"ہم نے قرآن سمجھنا آسان کر دیا، ہے کوئی سمجھنے والا؟" (القمر: ۱۷)

جو بندہ اللہ سے واقف ہونے کے لیے کائنات میں غور کرتا ہے اور قرآن سے راہ نمائی لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں، اس لیے یقین کے ساتھ کوشش جاری رکھو۔"

سونے سے پہلے آدھا گھنٹہ مختص کر کے اس نے رات اور دن سے متعلق آیات پر غور کیا۔ وہ نکات لکھے جن کو پڑھ کر ذہن ہمیشہ رکتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں لکھا ہے، رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن میں معاش تلاش کرو۔ اسی طرح رات کو آرام کے لیے اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم غور کرو۔ اکثر سوچتا تھا کہ رات کے حواس غیب سے روشناس کراتے ہیں، اللہ نے رات میں قیام اور عبادت کی تاکید فرمائی ہے پھر رات میں آرام اور دن مس کام کا مطلب کیا ہے۔۔؟ اگر آرام کا مطلب سونا ہے تو بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے، ایسے میں رات کے حواس سے کیسے واقف ہوا جائے۔۔۔؟ اور اگر آرام کا مطلب سونا ہے تو پھر سونا یعنی نیند اور نیند کا غالب ہونا کیا ہے۔۔۔؟ دل کبھی اس بات پر

www.ksars.org

مطمئن نہیں ہوا کہ رات میں آرام یا سکون حاصل کرنے کا مطلب ساری رات سونا ہے۔ نکات تحریر کر کے وہ سو گیا، اس ارادہ کے ساتھ کہ رات کے آخری پہر جاگ کر ذکر اور غور و فکر کرے گا۔

اس رات وہ چھت پر سویا۔ پردہ کے اس پار بیداری میں دیکھا کہ کوئی چھت پر آتا ہے اور جس جگہ وہ سو رہا ہے وہاں سے گزرتے ہوئے اسے دیکھ کر کہتا ہے "اللہ کے نیک بندے جاگ گئے ہیں، تم بھی جاگو اور اللہ کو یاد کرو۔" یہ کہتے ہی وہ غائب ہو گیا۔ آنکھ کھلی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نظر کے سامنے دور دور تک میدان۔۔ آخری حد پر پہاڑ تھے۔

صبح صادق تھی مرغ اذان دے رہا تھا۔ روشنی کی ملائم لہریں اندھیرے میں داخل ہو رہی تھیں اور تاریکی غیر محسوس رفتار سے اجالے کی طرف محوِ سفر تھی۔ ماحول نور سے معمور تھا۔۔ نور جو نگاہ کو نظر عطا کرتا ہے۔ قریب اور دور سے جانوروں کی آوازیں آرہی تھیں۔ آوازوں کی طرف متوجہ ہوا کہ آخر جانور کیا کہتے ہیں۔ دور اور قریب سے آنے والی ہر آواز اور آواز میں اتار چڑھاؤ دوسری آواز سے الگ ہے۔ صبح صادق کی لہروں سے ادراک ہوا کہ حمد باری تعالیٰ بیان کی جارہی ہے۔ اس نے سوچا کہ حیوان ہم سے پہلے جاگ جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے پاس الارم نہیں ہے لیکن وقت مقررہ پر جاگتے ہیں۔۔۔ کوتاہی نہیں ہوتی۔۔ جیسے ان کے اندر کوئی مشین یا ایسا آلہ ہے جو رات کے آخری پہر جگا دیتا ہے۔ لیکن وہ مشین آدمی کو کیوں نہیں جگاتی یا پھر آدمی اندر موجود الارم کو سنتا نہیں اور جانور سن لیتا ہے۔

کوئی صبح تو ایسی نہیں گزرتی جب ہمسایوں کے گھر میں مرغ نے علی الصبح اذان نہ دی ہو۔ اس نے سوچا ہماری اذان تو اللہ اکبر کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے، ان کی اذان کے الفاظ کیا ہیں۔۔؟ ہم پرندوں کی زبان نہیں سمجھتے، کیا پرندے ہماری زبان میں اذان سمجھتے ہیں۔۔۔؟

شیخ طریقت سے عرض کیا، حضور! مرغ جب اذان دیتا ہے تو کیا کہتا ہے۔۔۔؟

مسکرائے اور فرمایا۔۔" الصلوۃ خیر من النوم!"

اسے اپنے ہاتھ پیر سن محسوس ہوئے۔ مرغ جانتا ہے کہ اللہ سے ربط قائم کرنا نیند سے بہتر ہے۔ مرغ تو نیند سے جاگ گیا پھر وہ اذان دے کر کس کو مخاطب کرتا ہے۔۔۔؟ کیا اسے معلوم ہے کہ آدمی سو رہا ہے۔۔۔ اگر معلوم ہے تو مرغ کی حیثیت کیا ہوئی اور آدمی کس مقام پر ہے۔۔۔؟

www.ksars.org

ایسا نہیں ہے کہ وہ تفکر کے لیے صرف رات کا وقت مختص کرتا ہے۔رات تو حواس کا نام ہے کہ جب یک سوئی ہو جائے تو دن رات کے حواس غالب ہو جاتے ہیں۔دیگر کاموں میں مصروف رہتے ہوئے جیسے جیسے موقع ملتا ہے،دل میں ایتوں کو دہراتا ہے، کسی نکتہ پر غور کرتا ہے، مرشد کریم کی تحریریں پڑھتا ہے،ملاقات نصیب ہو تو علمی سوالات پوچھتا ہے۔ملاقات نہ ہو سکے تو اتنا یاد کرتا ہے کہ ملاقات ہو جاتی ہے۔

یک سوئی کا تعلق باہر کی خاموشی سے اتنا نہیں ہے جتنا اندر کے سکوت سے ہے۔آدمی جب کسی کے خیال میں ڈوب جائے تو باہر کا شور مغلوب ہو جاتا ہے اور اندر کا سکوت غالب آ جاتا ہے۔

جب اندر گہری خاموشی ہوئی تو اس نے دعا کی،

''پروردگار، میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے۔'' (طٰہٰ:۲۵۔۲۶)

دعا کرنے کے بعد ایک بار پھر غور کرنا شروع کیا کہ رات میں آرام اور سکون حاصل کرنے میں کس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔۔۔؟

ذہن میں جھماکا ہوا اور ''جنت کی زندگی'' کے الفاظ اسکرین پر آئے۔

لاشعور نے انسپائر کیا کہ سکون اور آرام جنت کی زندگی میں ہے جہاں وسائل کی فکر ہے نہ خوف و غم کے سائے جب کہ کام یعنی مشقت زمین پر ہے۔رات میں بندہ جنت کے زون میں داخل ہو جاتا ہے یا جنت کے حواس غالب آ جاتے ہیں جہاں ٹائم اور اسپیس، زمین (عالم ناسوت) سے مختلف ہے۔یہاں سوچا، وہاں پہنچا۔اور سوچنا کیسا۔۔خواب کی دنیا پر غور کریں۔ آدمی سوچتا نہیں ہے جو خیال آتا ہے اس پر عمل کرتا چلا جاتا ہے۔نیند کی دنیا میں خیال کے آنے اور اس پر عمل کرنے میں وقت اور فاصلہ کی پیائش ممکن نہیں ہے۔اگر خواب میں ارادہ استعمال ہوتا تو آدمی اپنی مرضی کے خواب دیکھتا۔جنت کی زندگی بتاتی ہے کہ سکون اور آرام خود کو سپرد کر دینے۔۔۔اللہ کی رضا میں راضی ہونے میں ہے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دن میں اس کا فضل تلاش کرو۔فضل تلاش کرنا کیا ہے۔۔؟

دن میں اس کا فضل تلاش کرو کا مطلب اس نے ایسے سمجھا کہ اب جب ہم جنت کی دنیا سے واپس ایسی دنیا میں آ گئے ہیں جہاں فاصلوں میں قید ہیں اور مشقت کے بغیر کچھ نہیں ملتا تو ایسے کام کریں کہ ہمیں اس کا فضل ملے۔فضل ملنا۔۔۔دوبارہ جنت کی زندگی میں داخل ہونا ہے۔جنت کی زندگی میں داخل ہونا زمین کے ثقل سے آزاد ہونا ہے یعنی بیداری میں رہتے ہوئے جنت کی زندگی سے واقف ہو جانا۔نوع آدم کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ واپس اپنے ازلی مقام جنت کو حاصل

www.ksars.org

کرے جس سے وہ نافرمانی کی وجہ سے محروم ہوا۔ نینداور بیداری میں کتنی بڑی نشانی ہے کہ جب آدمی جاگتا ہے تو وہ جنت کے زون سے محدود زون میں داخل ہو جاتا ہے۔۔ مگر ہم غور نہیں کرتے۔

قرآن کریم معنی و مفہوم میں لامحدود ہے، غور کرنے سے باطن در باطن حقائق روشن ہوتے ہیں۔روشن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو سامنے آتا ہے وہ پہلے سے موجود ہے۔سب کچھ اندر میں ہے۔روشن ہونا باقی ہے۔بندہ جتنا غور کرے گا، تالاب کی تہ سے مزید لہریں سطح پر آئیں گی۔

اس تفکر میں مصروف ایک روز مراقبہ کے بعد خیال آیا، سکون صرف اللہ کی ذات وصفات میں ہے۔جب نیند کی دنیا، جنت کے حواس ہیں پھر پریشان خواب دیکھنا کیا ہے۔۔۔؟

مرشد کریم کے الفاظ ذہن میں روشن ہوئے۔۔۔''جنت خوشی کا مقام ہے۔جو اس دنیا میں خوش رہنا نہیں سیکھتا، وہ یہاں سے جانے کے بعد بھی خوش نہیں رہتا۔''

خیال نے کہا، یہ دنیا بعد کی زندگی کا عکس ہے۔ کبھی سوچا ہے کہ بندہ اللہ کے پسندیدہ کام کرتا تو خوش رہتا ہے، خواب میں نیک ارواح سے ملتا ہے اور عالمین کی سیر ہوتی ہے، انوار دیکھتا ہے اور اسرار و رموز سے آگاہ ہوتا ہے۔ لیکن جب بیداری میں بندہ اللہ سے دور رہے اور ذہن میں انتشار ہو تو خواب بھی پراگندہ ہوتے ہیں۔

مرشد کریم رات اور دن سے متعلق تحریر لکھوار ہے تھے۔ایک موقع پر اس آیت کا مطلب پوچھا،

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔''(لقمٰن:۲۹)

عرض کیا، دونوں ایک ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے منسلک ہیں اس طرح کہ ایک غالب ہوتا ہے تو دوسرا مغلوب ہو جاتا ہے۔اور ان میں ربط نہیں ٹوٹتا۔

پوچھا، ''مطلب کیا ہوا اس کا۔۔۔؟''

سوال و جواب کی یہ ایک طویل نشست تھی لیکن بیش تر حصہ ذہن سے حذف ہو چکا ہے کیوں کہ اس دن کی ڈائری وقت پر لکھی نہیں اور اب جب وہ لکھنے بیٹھا ہے تو کچھ یاد نہیں۔یاد ہے تو بس اتنا کہ اس نے کسی سوال کا درست جواب نہیں دیا تھا۔ پھر کچھ لوگ آگئے اور موضوع تبدیل ہو گیا۔

www.ksars.org

جب وہ جانے لگا تو انہوں نے روکا اور اس کی نوٹ بک پر ایک ڈایا گرام بنائی۔ بتایا کہ ایک دائرہ دوسرے دائرہ میں کیسے داخل ہوتا ہے، اس دوران مثلث (triangle) کیسے بنتا ہے اور مثلث کا بننا کیا ہے۔

مراقبہ کے بعد چھت پر بیٹھا قریب و دور کے مناظر دیکھ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں داخل ہو کر اندر موجود روشنی سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ ذہن میں لیل اور نہار کی آیات تھیں۔ دور پہاڑوں پر بنے گھر روشنی سے جگ مگا رہے تھے، ایسے جیسے دیئے رکھ دیئے گئے ہوں یا جگنوؤں نے پہاڑوں کو ڈھانپ لیا ہو۔ فطرت میں موجود نظاروں میں عجیب کشش ہے۔ یہ اسے اپنی طرف ایسے کھینچتے ہیں کہ اس کے وجود کا حصہ ہوں۔ یا تو یہ نظارے اس کے اندر ہیں یا وہ ان نظاروں میں ہے اور دونوں ایک دوسرے میں جذب ہو کر اپنی تکمیل چاہتے ہیں۔

اس نے سوچا وہ خود کون ہے۔۔؟ وہ بھی تو فطرت کا ایک نظارہ ہے۔ جیسے وہ پہاڑوں اور دریاؤں کو دیکھتا ہے، دریا اور پہاڑ بھی اسے فطرت کا حصّہ سمجھتے ہیں۔ جب وہ خود کو لوگوں سے بے گانہ کر کے قدرت کے حسین نظاروں میں گم ہوتا ہے تو کشش کی شدت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اسے مٹی کا وجود مغلوب اور اندر میں کوئی غالب محسوس ہوتا ہے۔

اندر میں کوئی ہے۔ اگر نہیں ہے تو موجودگی کا احساس کیا ہے۔۔؟ کیا معلوم یہی کیفیت پہاڑوں، دریاؤں اور دیگر فطری نظاروں کی بھی ہو۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہر وجود کا باطن دوسرے وجود کے باطن سے منسلک ہے۔ جب منسلک ہے تو ہر شے باطن میں ایک ہے، اختلاف ظاہر میں ہے یا پھر ظاہر میں بھی اختلاف نہیں۔۔ جو ہے سو نظر کا دھوکا ہے۔

آواز آئی۔۔ ساری بات یہ ہے کہ دیکھنے والا کون ہے!

وہ پہاڑوں پر جگنوؤں کی مانند روشن گھروں کو دیکھ رہا تھا۔ خیال آیا کہ پہاڑوں اور اس کے درمیان کم و بیش نو یا دس میل کا فاصلہ ہے۔ اگر درمیان میں کوئی شے نہیں ہے تو پھر پہاڑ ایسے کیسے نظر آ رہے ہیں۔۔۔؟ اگر درمیان میں کچھ نہیں ہے تو دونوں کو ایک دوسرے میں جذب ہو جانا چاہئے لیکن ایسا نہیں ہو رہا یا پھر بظاہر ایسا نہیں ہے۔ اگر درمیان میں ربط نہیں ہے تو وہ پہاڑ کو کیسے دیکھ رہا ہے۔۔؟

فون کی مثال سے سمجھیے۔ آپ کسی کو فون کرتے ہیں۔ اگر درمیان میں سگنلز کا نظام قائم نہ ہو تو کیا کسی سے فون پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔۔؟ لہروں کا نظام موجود ہے جس کے دوش پر دنیا کے ایک سرے سے آواز لمحہ سے بھی کم وقت میں

www.ksars.org

دوسرے سرے پر پہنچ جاتی ہے۔اسی طرح پہاڑ اور اس کے درمیان بھی ربط ہے اور اس طرح سے ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی دونوں کے درمیان رابطہ نہیں ٹوٹتا۔دل نے کہا مرشد اور مرید کا تعلق بھی ایسا ہی ہے۔

خیال آیا۔۔اس نے ہاتھ پپوٹے پر رکھا اور آہستہ سے اس طرح اوپر کیا کہ آنکھ آدھی بند ہو گئی۔جیسے ہی آنکھ کی اسپیس سمٹی،دیکھا کہ پہاڑ پر روشنی کی بیم اس کی آنکھ سے ٹکرا رہی ہے یا پھر اس کی آنکھ سے روشنیاں نکل کر پہاڑ سے ٹکرا رہی ہیں۔روشنیوں کی بیم کسی ایک سمت میں نہیں ہے۔۔ہر سمت پھیلی ہوئی ہے۔لیکن روشنیاں پہلے نظر کیوں نہیں آئیں۔اس وقت نظر کیوں آئیں جب اس نے آنکھ کی اسپیس کو کم کیا۔۔؟

www.ksars.org

کچھ نہ ہونے میں ہونا تغیر ہے

یہ ڈائری ہے۔پڑھنے والے کو اس میں ترتیب نہیں ملے گی اس لئے کہ لکھنے والے نے شعوری ترتیب کو مدِ نظر نہیں رکھا۔ لاشعور نے جو کہا، شعور نے قلم بند کیا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے۔

شعور ہر جگہ فکشن نہیں ہے۔بات یہ ہے کہ شعور کس کا ہے۔۔۔؟ شے کا ادراک میں آنا اس طرح کہ بندہ دیکھ لے، شعور ہے۔ایک شعور ہمارا ہے، ہمہ وقت چیزوں کو تبدیل ہوتا دیکھتا ہے اور ایک شعور مرشد کا ہے۔فرماتے ہیں کہ ''کچھ نہ ہونے میں جو ہونا ہے۔۔وہ تغیر ہے۔''

مرشد کی باتیں گہری ہیں۔مختصر اور جامع بات کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیتے ہیں۔بظاہر کوزہ یعنی بات مختصر ہوتی ہے لیکن اندر جھانکئے۔۔دریا نظر آتا ہے اور دریا کو بالآخر سمندر قبول کر لیتا ہے۔ان کی باتوں پر غور کرنے سے وہ اپنے اندر کی تاریکیوں سے واقف ہوا، اس طرح کہ اپنا وجود بے معنی ہو گیا۔یاد آیا کہ ایک بار کسی کی تحریر درست کرواتے ہوئے صاحبِ علم نے فرمایا تھا، ''اپنا وجود نہیں، یہاں صرف وجود لکھو۔۔وجود اپنا نہیں ہوتا!''

زمین پر رات اور آسمان پر صبح کا سماں تھا۔سوچ رہا تھا کہ ہم روشنی کو صبح کہتے ہیں اور اندھیرے کو رات، ایسے میں روشنی سے جگ مگ کرتے آسمان کو رات کیسے کہا جائے۔آسمان دن میں بھی روشن ہوتا ہے اور رات میں بھی۔۔لگتا ہے کہ آسمان۔۔۔رات دن کی بندشوں سے آزاد ہے۔ایک ستارہ پر نظر جمائی۔وہ ایسا چمکا جیسے اس کی جانب متوجہ ہو گیا ہو۔غور کرنے پر احساس ہوا کہ وہ ستارہ نہیں اور شاید ستارہ کی روشنی بھی نہیں بلکہ ستارہ کی روشنی کا عکس ہے۔عکس نشانی ہے۔نشانی پر غور کرنے سے حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔

اس نے خود سے سوال کیا، جب وہ عکس دیکھ سکتا ہے تو پھر جس کا عکس ہے اسے کیوں نہیں دیکھتا۔۔؟ ذہن میں آیت آئی،

www.ksars.org

''اور ہم نے بنائے آسمان میں بروج،اور آراستہ کیااسے دیکھنے والوں کے

لیے

اور محفوظ کر دیااس کو ہر شیطان مردود سے۔''(الحجر:۱۶۔۱۷)

خیال نے کہا،جو اپنی حقیقت سے واقف نہیں،وہ ستاروں کی اصل کیا دیکھے گا۔ستارہ آسمان کی مخلوق ہے۔آسمان۔۔زمین سے مختلف زون ہے۔زمین سے آسمانی مخلوقات جیسی نظر آتی ہیں،وہ ویسی نہیں ہیں۔دوسرے زون کی مخلوق سے واقف ہونے کے لیے اس زون میں داخل ہونا یعنی آسمان کے حواس کا وقوف ضروری ہے بصورت دیگر۔۔؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خواب میں خواب دیکھتا ہے۔اس نے سوچا خواب میں خواب دیکھنا کیا ہے۔۔۔؟اتنا بڑا حصہ خواب میں گزرتا ہے۔یہاں کے چھ گھنٹے نہیں معلوم خواب کی دنیا کے کتنے سال ہوں گے لیکن بہت مختصر یاد رہتا ہے۔

ایک بار اس نے مرشد کریم کو خواب سنانے کے بعد کہا کہ میں نے یہ سب جاگنے سے چند لمحے پہلے دیکھا۔فرمایا،

''آپ کو کیسے معلوم کہ چند لمحے پہلے دیکھا؟یہاں کے اور وہاں کے وقت میں بہت فرق ہے۔''

وہ سوچ رہا تھا کہ خواب کا اتنا بڑا حصہ ہم کہاں گزار کر آتے ہیں اس طرح کہ گمان تک نہیں ہوتا،کہاں جارہے ہیں اور کہاں سے آرہے ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں کہ ہر رات خواب میں آدمی نقطۂ آغاز پر پہنچتا ہے اور وہاں سے واپس نزول کرتا ہے۔۔؟

یہی بات مرشد کریم سے عرض کی۔فرمایا،''اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے،

''ہم نے انسان کو بہترین صناعی کے ساتھ تخلیق کیا،پھر اس کو اسفل

سافلین

میں پھینک دیا۔''(التین:۴۔۵)

اس آیت میں تفکر کیا جائے تو آدمی کی زندگی کے دو رخوں کا ادراک ہوتا ہے۔ایک رخ وہ ہے جو مادی وجود کے ساتھ مادی اشیا میں تصرف کرتا ہے یعنی کسی ایک شے میں تحقیق کرتا ہے۔اس کے پیش نظر اس تخلیق میں ان رموز کو تلاش کرنا ہے جو اس شے کے باطن میں موجود ہیں۔مثالیں بہت ہیں۔ایک مثال ایٹم بم کی ہے۔جاپان کے شہروں پر جب ایٹم بم گرایا گیا تو وہاں دھوئیں کا پہاڑ نظر آیا۔لوگ اسے پہاڑ سمجھتے رہے لیکن جب چھو کر دیکھا گیا تو دھوئیں کی طرح کوئی چیز تھی جو غائب ہوگئی۔یعنی ایٹم جس چیز کا بھی نام رکھا گیا ایک ایسی ہستی ہے جو زمین کا بہر حال ایک حصہ یا ایک جزو ہے۔لیکن اس کے اندر تباہی و بربادی کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ ہیروشیما کا بہر حال ایک حصہ یا ایک جزو ہے۔لیکن اس کے اندر تباہی و بربادی

www.ksars.org

کااتنابڑاذخیرہ ہے کہ ہیروشیمااورناگاساکی پہاڑپر جب ایٹم بم گرایا گیاتوپہاڑدھواں بن گیااوروہ دھواں ہوامیں تحلیل ہو گیا۔اس ایٹم کوہم زمین کے ذرّات کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔اس قسم کی اور بھی اشیاہیں جن کوموجودہ سائنس نے تلاش کرلیاہے۔''

مرشد کریم کی بات جاری تھی۔وہ فرمارہے تھے کہ ''موجودہ دور میں سائنس کاغلغلہ ہے۔موجودہ سائنسی تحقیق وتلاش و کارکردگی ہے جس کی نشان دہی قرآن کریم میں کی گئی ہے۔

''جولوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں میں ان کے لیے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔''(العنکبوت:٦٩)

جولوگ تلاش کرتے ہیں،فی نا۔۔۔میرے لیے نہیں،فی نا کے معنی ہیں میری صفات میں۔۔۔مجھ میں تفکر کرتے ہیں، میں ان کے اوپراپنے راستے کھول دیتاہوں۔''

فرمایا،''اللہ نے آدمی کی تخلیق کی تونطفہ ،مضغہ،علقہ کے مراحل بیان ہوئے اورانسان کواحسن تقویم فرمایاہے۔مفہوم واضح ہے کہ آدمی اورانسان ایک ہونے کے باوجودالگ الگ یونٹ ہیں۔آدمی نطفہ،علقہ اورمضغہ ہےاورانسان احسن تقویم ہے۔''اتنافرماکروہ خاموش ہوگئے۔

عرض کیا،حضورکیابات مکمل ہوگئی۔۔۔؟

فرمایا،''بات اپنی جگہ مکمل ہے۔۔۔تشریح باقی ہے۔''

اس نے اصرار نہیں کیااوروہ مسکرادیئے۔

مرشد کریم کی موجودگی میں وہ موجودہوکے بھی غیر موجودہوتاہے۔جوخیال آتاہے صرف اس پرعمل کرتاہےاور جس بات سے خیال روک دیتاہے،اس کے بارے میں نہیں پوچھتا۔خیال نے کہا،مرید کے لئے مرشد محبوب ہےاورمحبوب کب غیر موجودہوتاہے۔ہم جہاں ہیں وہ ہمارے ساتھ ہے۔اگرکوئی شے توجہ میں رکاوٹ بنے تواس کامطلب یہ ہے کہ ارادہ کواستحکام کی ضرورت ہے۔

www.ksars.org

خواب میں گزرے لمحات کے سوال کو انہوں نے احسن تقویم اور اسفل سافلین کی روشنی میں سمجھایا۔ بتائے گئے نکات پر غور کر رہا تھا کہ ذہن میں جھماکا ہوا۔ خواب لاشعور کا زون ہے اور لاشعور روشنی ہے۔ پھر خواب میں وجود روشنی کے نظر کیوں نہیں آتے۔۔؟ جس طرح جاگنے میں ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، وہی خدوخال خواب میں ہیں۔ وہ تو خواب میں بھی خود کو مادی روپ میں دیکھتا ہے جب کہ خواب کا زون، مادی زون نہیں ہے۔ مٹی میں کثافت ہے، خواب کے حواس میں رفتار تیز ہوتی ہے اور کثیف (بھاری) وجود کے لئے ایسی رفتار ممکن نہیں۔ سونے والا غائب نہیں ہو جاتا، جسم بیڈ پر ہوتا ہے۔۔ اندر میں وجود سفر کرتا ہے۔ مٹی کی دنیا فکشن ہے۔ فکشن کا مطلب وہ شے جو فرض کی گئی ہو۔ جب آدمی روشنی کے زون میں داخل ہو کر بھی وہاں کی دنیا کو مادی خدوخال یعنی مٹی کے لباس میں دیکھے تو پھر خواب میں جو دیکھا، وہ کیا ہوا۔۔؟ لاشعور نے کہا، تم وہاں روشنی اس لئے نہیں دیکھتے کیوں کہ تم نے یہاں روشنی نہیں دیکھی۔ جو فکشن میں رہتا ہے، اس کا خواب بھی فکشن ہے۔ جب تک دن کے حواس میں روشنی سے واقف نہیں ہو گے، خواب میں بھی نہیں دیکھو گے۔ جو کچھ ہے، اسی دنیا میں ہے۔ ''موتو اقبل ان تموتوا'' مر جاؤ، مرنے سے پہلے۔ نیند آدھی موت ہے۔ لاشعور نے راہ نمائی کی کہ نیند سے پہلے بیداری میں رہتے ہوئے نیند کی دنیا سے واقف ہو جانا فلاح ہے۔

رات اور دن سے متعلق سوال و جواب کے بعد مرشد کریم نے ڈایا گرام سمجھائی تھی کہ دائرہ کا بننا کیا ہے اور مثلث کیسے بنتا ہے۔ ذہن اس قدر بھاری ہو گیا تھا کہ واپس آ کر کئی گھنٹے تک دباؤ محسوس ہوا۔ ڈایا گرام بار بار دیکھی اور اس کا تعلق رات اور دن کی آیات سے جوڑنے کی کوشش کی۔ لغت میں عربی الفاظ کے معنی کیے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی سورج اور چاند کو اسی طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک، ایک مقررہ وقت تک چلے جا رہا ہے۔ جان رکھو، وہ عزیز اور درگذر کرنے والا ہے۔'' (الزمر: ۵)

''یکوّر'' کے معنی لپیٹنے کے ہیں۔ لپیٹنے سے محوری اور طولانی گردش بنتی ہے۔ دھاگے کو ریل میں لپیٹیں، دھاگا آگے بڑھتا ہے اور دائرہ بنتا ہے۔ چلتی ہوئی گاڑی میں ٹائر کی حرکت غور طلب ہے۔ جب تک ٹائر دائرہ کی شکل میں آگے نہیں بڑھے گا، گاڑی نہیں چلے گی۔ گاڑی کیا، ٹائر بھی حرکت نہیں کرتا۔ کائنات میں ہر حرکت محوری اور طولانی گردش میں ہے۔ آگے بڑھنا، طولانی حرکت ہے اور دائرہ میں سفر، محوری حرکت ہے۔

www.ksars.org

شے مرکز سے توانائی (انرجی) لے کر آگے بڑھتی ہے، آگے بڑھنے سے فاصلہ پیدا ہوتا ہے اور واپس مرکز کی طرف آنا یعنی دائرہ بننے سے توانائی (انرجی) کی فیڈ نگ جاری رہتی ہے۔ رات میں ملنے والی توانائی (انرجی) دن بھر استعمال ہوتی ہے اور تھکن محسوس ہو تو نیند غالب ہو جاتی ہے۔

دائرہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں طولانی گردش موجود ہے اور محوری حرکت غالب ہے۔ طولانی گردش اسپیس ہے اور محوری گردش ٹائم ہے۔

رات دن اس کے لئے مشکل موضوع ہے اور یہ بات اس نے مرشد کریم سے بھی عرض کی تھی جس پر انہوں نے فرمایا تھا کہ مشکل کام سب سے پہلے کرنا چاہیئے لہذا رات اور دن پر غور کرنا شروع کر دیا۔ درجہ بہ درجہ نکات سامنے آرہے تھے۔ تفکر کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ سلسلہ رکتا نہیں، ہر نکتہ اپنی ذات میں ایک باب ہے۔

لاشعور نے راہ نمائی کی دائرہ کا آگے بڑھنا دراصل تکرار ہے۔ دائرہ کی ابتدا نقطہ ہے۔ کاغذ پر دائرہ بنایئے، قلم کی نوک جہاں رکھی جائے گی، سب سے پہلے نقطہ بنے گا۔ قلم آگے بڑھا، دوسرا نقطہ بنا۔ نقطہ۔ نقطوں کی شکل میں آگے بڑھتا ہے۔ یعنی ایک نقطہ کے دو، دو کے چار، چار کے سولہ اور سولہ کے دو سو چھپن نقطے بنے جسے ہم لکیر کہتے ہیں۔ نقطہ ایک ہو یا سو۔۔ سب کی شکل ایک ہے۔ یعنی دو سو چھپن نقطے، صرف ایک نقطہ کی تکرار ہیں۔ تکرار سے فاصلہ پیدا ہو رہا ہے۔ آگے بڑھنے والی لکیر ایک طرف مرکز سے دور اور دوسری طرف قریب ہو رہی ہے۔ دوری فکشن تخلیق کرتی ہے یعنی آدمی ایک دو تین چار پانچ کی گنتی میں پھنس کر یہ بھول جاتا ہے کہ یہاں سب کچھ ایک ہے۔

"وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔"

(الحدید:۶)

دن کو رات میں داخل کرنا اور رات کو دن میں داخل کرنا، یہ بھی لپیٹنا ہے۔

لپیٹنا یعنی تکرار۔۔۔ تکرار سے ٹائم اور اسپیس تخلیق ہوتی ہے۔ رات کا دن میں داخل ہونا طولانی حرکت اور دن کا واپس بن جانا محوری حرکت ہے۔ رات اور دن مل کر دائرہ بناتے ہیں۔ دائرہ پھر سے رات اور دن میں داخل ہو جاتا ہے۔ مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ جہاں دو دائرے ملتے ہیں وہاں اسپیس تخلیق ہوتی ہے۔ یہ اسپیس خالق اور مخلوق کے درمیان پردہ ہے۔

www.ksars.org

خیال نے کہا، نقطہ کی جگہ دن اور رات کو رکھو تو سارے دن اور رات ایک جیسے ہیں، پھر ہر دن نیا دن اور ہر رات نئی رات کیسے ہو گئی۔۔؟

''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔'' (الانبیا: ۳۳)

سورج دن اور چاند رات کے حواس ہیں۔ جس طرح دن میں چاند آسمان پر ہو کر بھی دکھائی نہیں دیتا اسی طرح رات کے حواس دن میں موجود رہ کر بھی مغلوب ہوتے ہیں۔ چاند اور سورج دونوں متعین اور مخصوص مدار میں تیرتے ہیں۔ ایک ایک فلک میں تیرنا یعنی دائرہ کا دائرہ میں داخل ہونا۔ یہ دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرنے والی بات ہو گئی۔ محوری اور طولانی گردش کا ذکر یہاں پھر آ گیا جس سے کوئی مخلوق باہر نہیں۔

کل فی فلک یسبحون۔۔۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ لغت میں ''یسبحون'' کے معنی ہیں وہ تیزی سے دوڑتے ہیں۔ ''سبح'' کے معنی تیرنا۔۔ پانی یا ہوا میں تیزی سے گزرنے کے ہیں۔

قرآن کریم میں ستاروں کی گردش کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

تیرنے کا ایک مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ اجرام فلکی حرکت میں ہیں، حرکت سے تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور تبدیلی فکشن ہے۔ ایک ایک فلک میں تیرنے کا دوسرا مطلب کشش ثقل کی موجودگی، مقداروں کا معین ہونا اور تکرار ہے۔ تکرار دوری پیدا کرتی ہے اور دوری فکشن ہے۔ تیرنے کا تیسرا مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ جسے ہم خشکی سمجھتے ہیں، وہ بھی پانی ہے لیکن خشکی میں پانی کا درجۂ حرارت مختلف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود پانی کیا ہے۔۔؟ یہ تو اسے بھی نہیں معلوم لیکن مرشد کی تحریروں اور لیکچرز سے اس نے یہ سمجھا ہے کہ پانی اطلاع اور اطلاع روشنی کی صورت میں نزول کرتی ہے۔

ذہن بھاری محسوس ہوا۔ قلم رکھا ہی تھا کہ ایک اور آیت پر نظر پڑی اور وہ خود کو مزید تلاش سے روک نہ سکا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے، ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔'' (یٰس: ۳۷)

''نسلخ'' کے معنی ''ہٹا دینا، منسوخ کرنا'' ہے۔ منسوخ کرنا یا ہٹا دینا۔۔ نفی کرنا ہے۔ دن رات کی اور رات دن کی نفی ہے۔ جب دونوں ایک دوسرے کی نفی ہیں تو پھر باقی کیا رہا اور حقیقت کیا ہے۔۔؟

www.ksars.org

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے

ذہن اکثر اوقات سن محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے سلا دیا ہو۔ جو پڑھتا ہے نقش نہیں بنتا اور سنے ہوئے لفظ فوراً بھول کے خانہ میں چلے جاتے ہیں۔ دس روز سے وہ ایک کتاب پڑھ رہا ہے لیکن کچھ یاد نہیں کہ کیا پڑھا ہے۔ اس صورت حال کو توجہ کی کمی قیاس کر کے ایک روز ایک سطر دس مرتبہ پڑھی کہ یاد ہو جائے لیکن جیسے ہی اگلی سطر پر پہنچا۔۔ گزشتہ کا ہر لفظ ذہن سے غائب ہو گیا۔

ذہن کا سن ہونا تکلیف دہ ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے پرندہ کو پنجرہ میں قید کر دینا۔

خیال نے کہا، تکلیف دہ اس لئے ہے کہ ''میں'' پر ضرب پڑتی ہے۔ اس نے کہا، جب جانتا ہوں کہ کرنے والا کوئی اور ہے پھر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ شاید بے بسی سے واقفیت کی کیفیت علم الیقین کی حد تک تھی۔۔ عین الیقین سے وہ اب گزر رہا ہے۔۔ حق الیقین کیا ہو گا۔۔ اسے معلوم نہیں۔

اس نے دیکھا ہے کہ کسی تحریر میں ''شاید'' آتا ہے، مرشد کریم یہ لفظ نکلوا دیتے ہیں۔

ایک روز پوچھا، حضور! آپ کو ''شاید'' نہیں پسند؟

فرمایا۔۔ ''شاید میں شک ہے۔''

آدمی مخصوص ذہن کے ساتھ لکھنے بیٹھتا ہے لیکن جب لکھتا ہے تو ذہن اور ہوتا ہے۔ کیفیات پر غور کرنے سے ادراک ہوتا ہے کہ ہر عمل خیال کا پابند ہے۔ اس بات کو ہمیشہ سرسری طور پر لیا کہ زندگی خیال پر قائم ہے۔ سرسری کا مطلب سر پر سے گزرنا ہے۔ بات جب تک نہ کھلے اس کا سننا سرسری ہے۔ تجربات سے گزرا اور خیال کو سننا شروع کیا۔ احساس ہوا جب تک خیال نہ آئے آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ بھی نہیں! خیال کیا ہے، اس پر غور کرنا ہے۔ آتا کہاں سے ہے اور بغیر آواز کے اپنے معنی و مفہوم کس طرح واضح کر دیتا ہے؟

جب کوئی چیز دی جاتی ہے تو پہلا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے اور کس نے دیا؟

www.ksars.org

دنیاوی معاملات میں شے سے متعلق ''کیا'' اور ''کس نے'' کے الفاظ کی طرف ذہن متوجہ ہوتا ہے لیکن خیال جس سے ذہن ایک لمحہ بھی خالی نہیں، اس کے بارے میں کیا اور کیوں ہمارے ذہنوں میں نہیں آتا۔

محسوس ہوتا ہے اور آنکھ دیکھتی ہے کہ خیال باہر سے نہیں۔۔اندر سے آتا ہے۔ باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ خیال کی لہریں خلیوں (Cells) سے ٹکراتی ہیں اور اس میں موجود تصویر کا عکس بنتا ہے۔ جسم خول اور ہر خلیہ اسکرین ہے۔ لہریں مرکز سے کس طرح آتی ہیں، پھیلتی کیسے ہیں اور ہم کس طرح واقف ہوتے ہیں، اس عمل پر وہ جب بھی غور کرتا ہے ذہن میں ہلکی اور دھندلی تصویریں بنتی ہیں جنہیں وہ الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہے۔

ذہن کئی مرتبہ سن ہونے کی کیفیت سے دوچار ہوا ہے۔ جب پہلے کچھ دیر کے لئے ایسا ہوا تو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے توجہ دلائی اور وہ ظاہری دنیا کی طرف متوجہ ہوا۔

ظاہری۔۔روز مرہ بول چال میں یہ لفظ دکھاوے یا فریب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایسا مظہر جس میں حقیقت نہ ہو۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ظاہری چیزوں پر نہ جانا۔ بالفاظ دیگر وہ یہ کہتے ہیں کہ جو نظر آتا ہے وہ ہوتا نہیں ہے۔ مگر مجموعی طور پر ظاہری دنیا کو حتمی بھی سمجھتے ہیں۔ اس نکتہ پر آکر ذہن کیوں سن ہو جاتے ہیں۔۔؟

مرشد کریم کے پاس بیٹھ کر اس نے ہر آنے والے خیال کو سننا شروع کیا اور عمل کرنے سے ضمیر نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ استاد طریقت کی تربیت کا انداز ہے کہ وہ خامیوں کی نشان دہی اس انداز میں کرتے کہ سننے والے پر واضح ہو جاتا ہے کہ بات اس کے لئے کہی گئی ہے۔

محفل یا تنہائی میں جن خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے اس نے اللہ کی توفیق سے سب پہلے ان خامیوں کو اپنے اندر تلاش کیا۔ اندر جھانک لینے کے بعد آدمی خاموش ہو جاتا ہے۔

وہ اپنی ہی غلطی۔ چھوٹی ہو یا بڑی، انہیں بتاتا ہے۔ جب تک غلطی کا اعتراف نہ کرلے، شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے ہمیشہ بات سنی ہے، وقت دیا اور راہ نمائی کی ہے۔

ایک مرتبہ صاحب علم سے کسی خواہش کا اظہار کیا، بات سنی، سر پر ہاتھ رکھا اور دعا دی۔

اگلے روز انہوں نے کسی سے فرمایا، اگر سارے کام ہماری مرضی سے ہونے لگیں تو دنیا کا نظام کیسے چلے گا۔۔؟ وہ بھی وہاں موجود تھا۔ سمجھ گیا کیا کہا جا رہا ہے۔

www.ksars.org

شیخ طریقت نے اسے سمجھایا ہے کہ ہر شے گزر جانے والی ہے۔۔۔خود کو اللہ کے سپرد کرو۔ یک در گیر و محکم بگیر۔ وہ اس پر عمل کرتا اور کچھ دنوں کے بعد کہیں نہ کہیں الجھ جاتا۔ جب ذہن واپس ان معاملات کی جانب جانے لگا جن سے دور رہنے کا کہا گیا تھا تو اس دوران مسلسل خواب میں دیکھا کہ وہ گاڑی غلط چلا رہا ہے، کہیں گاڑی راستہ میں رک گئی ہے اور بریک کام نہیں کر رہے، کہیں ریورس کا مسئلہ ہے اور کہیں گاڑی کا وہ حال ہوا کہ لکھتے ہوئے خوف آتا ہے۔

ان خوابوں کا ذکر صاحبِ علم سے نہیں کیا۔ سوچا کتنے شرم کی بات ہے کہ وہ ایک ہی بات دس مرتبہ سمجھائیں اور میں پھر وہی غلطی کروں۔

پاس بیٹھا ہوا تھا اور بات خوابوں پر ہو رہی تھی۔ وہ خاموش۔۔ سن رہا تھا لیکن شرمندگی کی وجہ سے اپنے خواب کا ذکر نہیں کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنستے ہوئے پوچھا،

''ہاں بھئی! تم نے کوئی خواب دیکھا۔۔؟''

اس نے سر جھکا لیا۔

مرشد۔۔۔ مرید کے لیے آئینہ ہے۔ ایسا آئینہ کہ سامنے جانا تو بعد کی بات۔۔ مرشد کو یاد کیا، آئینہ بنا اور اس نے اپنا عکس دیکھا۔ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔

سختی کر کے کسی کو نہیں بدلا جا سکتا، محبت کے سوا کوئی راستہ نہیں اور مرشد سر۔۔۔تا۔۔۔ پا محبت ہیں۔ انہوں نے سکھایا کہ جو خامیاں ہمیں دوسروں میں نظر آتی ہیں وہ ہمارے اندر ہیں۔ اپنا محاسبہ کیا جائے تو کوئی دوسرا بُرا نہیں لگے گا۔ اب جب اسے لگتا ہے کہ فلاں میں یہ برائی ہے، مرشد کی بات یاد آتی ہے۔ وہ اپنے اندر دیکھتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے۔ صرف خاموش نہیں ہوتا، تزکیہ کرتا ہے۔

ایک مرتبہ ذہن میں کوئی بات آئی جسے لکھنا مناسب نہیں تاہم بات کا تعلق خود نمائی سے تھا۔

تین چار دن تک شیخ نے کچھ نہیں کہا مگر چوتھے روز خدمت میں حاضر ہوا تو تھوڑی دیر بعد انہوں نے واقعہ سنایا۔۔ شہزادی زیب النسا کنیزوں اور خدّام سے ہمیشہ نرمی کا سلوک کرتی۔ وہ بہت خوبصورت تھی اور اسے خود کو آئینہ میں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس کا قیمتی آئینہ جو چین سے بھیجا گیا تھا، اسے بہت پسند تھا۔ ایک روز کنیز سے وہ آئینہ ٹوٹ گیا۔

شہزادی نے شیشہ ٹوٹنے کی آواز سنی تو پوچھا، کیا ہوا۔۔؟

کنیز ڈرتے ہوئے آئی اور عرض کیا، از قضا آئینہ چینی شکست (قضا سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا)

www.ksars.org

شہزادی نے ہنس کر جواب دیا، خوب شد اسبابِ خود بینی شکست (اچھا ہوا خود نمائی کا شیشہ ٹوٹ گیا)

واقعہ سنانے کے بعد مرشد نے کچھ نہیں کہا اور وہ محاسبہ میں گم ہو گیا۔ شکر ادا کیا کہ اللہ نے ہدایت کا راستہ کھلا رکھا ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ بروقت غلطی کا احساس ہونا بڑی نعمت ہے۔

اندر میں سے کوئی بولا، اتنی دیر سے تم ایک ہی بات لیے بیٹھے ہو کہ ذہن سن ہے اور یہ بھی کہتے ہو کہ تمہارے اختیار میں کچھ نہیں، زندگی خیال ہے۔ جب زندگی خیال ہے اور تمہارے اختیار میں کچھ نہیں تو کیا سن ہونے کی کیفیت خیال نہیں۔۔؟ خیال آئے بغیر ذہن سن ہو سکتا ہے۔۔؟ بار بار ذہن سن ہونے کا ذکر شکایت ہے، کسی چیز کے نہ ہونے کو دہرانا اللہ سے گلہ ہے اور یہ بہت بری بات۔ استغفار پڑھنا اور توکل کرنا چاہئے تاکہ ناشکری سے دوری ہو۔

مذکور خود منکی ابو ھم وچھئ

"رونے دھونے یا ناشکری سے مٹکے میں موجود پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔"

اس نے سوچا اللہ جس حال میں رکھے۔۔۔ راضی رہنا ہے۔ اور "جس" پر ایک مرتبہ ذہن رک گیا۔ خیال نے کہا، جس حال کا مطلب یہ ہے کہ ایک حال تمہاری مرضی کا اور ایک مرضی کا نہیں ہے، اب اس میں سے جس میں بھی اللہ رکھے۔۔۔ نیوٹرل سوچ نہیں ہے۔ یہ دنیا معنی و مفہوم کی ہے۔۔ معنی و مفہوم خیال میں ملاوٹ ہے۔ لاتناہیت سے نور کائنات میں پھیلتا ہے تو اس کی کوئی سمت نہیں ہوتی۔۔ ہر ذرّہ پر محیط ہوتا ہے۔ اسی طرح خیال نیوٹرل ہے لیکن سب سے پہلے اپنے بارے میں سوچنے سے لامحدود خیال محدود ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہ

جب کھینچ کے آہ سرد
کہتا ہے کوئی بندہ
جس حال میں بھی رکھے
صد شکر ہے اللہ کا
میں سوچنے لگتا ہوں
یہ شکر کیا اس نے
یا شکوہ کیا اس نے
رزاق دو عالم سے

طرز فکر میں خامی ہو تو لفظوں میں ناشکری، بے یقینی، شکوے شکایات ہوتے ہیں۔ مرشد کریم اکثر اس کے لفظ درست کرواتے ہیں تاکہ طرز فکر راست ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ کیا بول رہا ہے۔

www.ksars.org

مرشد کریم نے ایک مرتبہ ایک جملہ درست کرواتے ہوئے پوچھا، ''ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے میں کیا فرق ہے۔؟''
عرض کیا، ایک میں بات حتمی اور دوسرے میں امکان ہے۔
فرمایا۔۔''ایک میں شک اور دوسرے میں یقین ہے۔''

جب وہ کوئی بات لکھ لیتا ہے تو پھر مٹاتا نہیں ہے، جو لکھ لیا وہ لکھ لیا۔ ایسا کم ہوا ہے کہ لکھی ہوئی بات مٹائی ہو۔ مقصد ذہن خالی کرنا ہے۔ مٹا کر دوبارہ لکھنے سے ذہن الجھتا ہے اور سر بھاری ہو جاتا ہے۔ ذہن کو روانی میں لانے اور خیال کی رفتار سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے یہ اچھی مشق ہے کہ الجھو مت۔۔ گزر جاؤ۔
کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ بندہ اپنی خامیاں بھی لکھے۔ ایک بار مرشد کریم نے اسے کہا تھا کہ ڈائری میں اپنی خامیاں اور جن حالات سے گزرے ہو، لکھو۔ اس نے ان کی بات یاد رکھی ہے لیکن اس پر عمل نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایسا کرنے کے لیے ہمت چاہئے۔
خیال بولا، اگر مرشد کی بات پر عمل کرنے کے لیے بندہ فائدہ اور نقصان دیکھے تو یک جان کیسے ہو گا۔۔؟
اس نے کہا، لکھنا مشکل نہیں ہے اس لئے کہ ہر شخص کم و بیش ایک سے حالات سے گزرتا ہے لیکن سب خود کو چھپاتے ہیں اور اچھائیاں ظاہر کرتے ہیں۔ اس طرح سے دوسروں کے عیب نکالنے اور انہیں برا کہنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اپنی خامیوں کا ذکر اکثر کر دیتا ہوں اور حالات کی تفصیل میں صرف اس لئے نہیں جاتا کہ کمزور ہوں۔۔۔ جس سے گزر کر آیا ہوں، اگر واپس اس طرف گیا تو ایسا نہ ہو کہ نکلنا مشکل ہو جائے۔۔ جو گزر گیا اس کے بارے میں اب سوچتا بھی نہیں۔ بہر حال سالک کے لئے خود کو عیاں کرنا اچھا ہے کہ جب خود کو عیاں کر دیا۔۔ اچھائی اور برائی سے نکل گیا۔ اب یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ لوگ کیا کہیں گے۔۔ وہ صرف مرشد کو دیکھتا ہے۔
آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ نے کہا ہے،

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

www.ksars.org

خیال سے کہا، مرشد کی تعمیل ضروری ہے اور ایک دن وہ لکھے گا۔۔اتنا کہ جتنا بتانا ضروری ہے۔

محاسبہ کرنے سے ذہن ہلکا ہوتا ہے، خامیوں کی نشان دہی ہوتی ہے اور بندہ اپنے اندر تاریکیوں سے واقف ہوتا ہے۔ ضمیر متوجہ کرنا شروع کر دیتا ہے کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔

ضمیر کی انسپائریشن سائنس ہے۔ایسی سائنس جس میں تغیر نہیں ہے، جس کا نتیجہ نہیں بدلتا۔یہ ایسی سائنس ہے جس پر کائنات کا نظام قائم ہے۔ ضمیر کو سننے اور عمل کرنے سے ذہن کی فریکوئنسی، کائناتی فریکوئنسی سے مل جاتی ہے اس لئے کہ پوری کائنات میں ایک ضمیر کام کر رہا ہے۔

ذہن میں اسپارک ہونا، چیزوں کا کھلنا، تصویریں بننا، یہ بتانا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں، کوئی چیز کیسے بنتی ہے اور کس میں کتنی مقداریں کام کر رہی ہیں۔۔ ضمیر کی راہ نمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ علم صرف خالق کا ہے جو ضمیر کے ذریعے مخلوقات میں منتقل ہوتا ہے۔

رات اور دن پر تفکر جاری ہے۔ تفکر سے وہ واقف ہوا کہ فہم اس وقت ملتا ہے جب اللہ ذہن کھولتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ شعر و سخن آمد ہے۔شاعری میں الفاظ کے الہام کو آمد کہتے ہیں۔آمد کو صرف شعر و سخن سے منسوب کرنا عجیب ہے۔ شعر و سخن اور نظم و نثر کیا۔۔ہر تخلیقی کام آمد ہے اور ہر کام تخلیق ہے۔

خیال نے کہا، راہ نمائی کا نظام خواب میں بھی ہے۔ہر خواب بیداری کی زندگی کا عکس ہے کہ آدمی جو کچھ بیداری میں کرتا ہے، وہی خواب میں دیکھتا ہے۔ہر روز نیند کی دنیا سے پیغام ملتا ہے کہ بیدار ہو کر کن باتوں سے احتیاط کرنی ہے اور کس طرف جانا ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ سویا اور مرا برابر ہیں۔سب کا تجربہ ہے کہ سونے والا مر نہیں جاتا، اس میں موجود وجود دوسرے عالم میں منتقل ہوتا ہے۔اسی طرح مرنے والے کا جسم اس دنیا میں رہتا ہے اور اندر ''موجود'' دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے۔موت کہیں نہیں ہے، ہر طرف زندگی ہے۔کائنات اللہ کی صفات پر قائم ہے اور اللہ کی صفات کو دوام ہے۔

www.ksars.org

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

تخم گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانہ میں جو مستور ہے
خود نمائی ، خود فزائی کے لئے مجبور ہے
سردیِ مرقد سے بھی افسردہ ہوسکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند
موت ، تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردہ میں بیداری کا اک نام ہے

www.ksars.org

اللہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جب تک طرزِ عمل اللہ کی سنت کے مطابق نہیں ہوتا، روحانیت نہیں آتی۔۔اس کے بعد قوانین روشن ہوتے ہیں۔ کوئی کتنی کتابیں پڑھ لے، تھوڑا بہت لکھنا بولنا سیکھ لے لیکن اسرارِ الٰہی اس وقت کھلتے ہیں جب ذہن۔۔ذہن سے ملتا ہے۔

علم سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خود کو اس ہستی کے تابع کر دیا جائے جس کے پاس علم ہے۔تابع ہونا۔۔اپنی نفی اور ہستی کا اثبات ہے۔اس کے بعد نفی کی ضرورت رہتی ہے نہ اثبات کی۔ نفی مشکل مرحلہ ہے۔ مشکل حل کرنے سے آسان ہوتی ہے۔مرشد کریم فرماتے ہیں کہ ''کام تو مشکل ہی کرنا چاہئے اور سب سے پہلے مشکل کام کرنا چاہیئے۔''

بیش تر ایسا ہوتا ہے کہ بہت مرتبہ سنی ہوئی بات، کسی گیت یا کلام کا مفہوم اچانک واضح ہوتا ہے اور آدمی سوچ میں گم ہو جاتا ہے کہ اتنی مرتبہ سننے کے باوجود سمجھا نہیں کہ کیا سن رہا ہے، کیا پڑھ رہا ہے۔خیال آیا، یہی تو ''صم ''بکم '''' ہے۔

اس نے ہمیشہ اس لفظ کو ان لوگوں سے منسوب کیا جو دوسروں کا مال غصب کرتے ہیں، حق دار کا حق ادا نہیں کرتے، خیال میں، گفتار میں، کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرتے ہیں۔ذہنی اور زبانی۔۔۔غیبت میں مصروف رہتے ہیں، حسد اور قیاس آرائی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، دوسروں کے لئے گڑھے کھودتے ہیں غرض ہر منفی عمل جس سے مخلوق کو نقصان ہو یقیناً ''صم ''بکم '''' ہے لیکن کبھی غور نہیں کیا کہ اپنا طرزِ عمل کیا ہے۔اس کا ذہن بھی تو بند، کان سن اور آنکھیں اندھی ہیں۔فریب کو منظر سمجھنا، حقائق پڑھ کر مفہوم واضح نہ ہونا یہاں تک کہ بات سن کر بھی ذہن نہ کھلنا، حواس کا مقید ہونا ہے۔

جب بات کھلتی ہے تو ایک طرف توفیق پر اللہ کا شکر اور دوسری طرف دل متوجہ کرتا ہے کہ پہلے کیوں سمجھ نہیں آیا اس وقت ذہنی کیفیت کیا تھی؟ ذہن بند اور فہم و فراست کا نہ ہونا اور ہونا کیا ہے؟استاد طریقت کا ممنون ہے کہ انہوں نے ترجمہ کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کی ترغیب دی۔ عربی الفاظ کے معنی لغت میں ڈھونڈنا اور آیات پر غور کرنا سکھایا۔بتایا کہ جس شے پر غور کرنا ہے، اسے پورے قرآن میں تلاش کرو، اس کے بعد غور کروگے تو اللہ کی رحمت سے صحیح مفہوم کھلے گا۔

جب سے حکم پر عمل کیا ہے، خواب اور بیداری میں اشارے ملتے ہیں۔ ضمیر کی آواز اتنی واضح طور پر سنتا ہے کہ اپنی نفی اور اندر میں وجود باقاعدہ محسوس ہوتا ہے۔

www.ksars.org

قرآن کریم اللہ کی آواز ہے۔اللہ کا کلام سمجھنے سے پہلے وہ اللہ سے مدد مانگتا ہے، اپنی ناتوانی کا اظہار اور درخواست کرتا ہے کہ اس کا دل کھول دیں کہ وہ ''کتاب المبین'' کے باطن سے واقف ہو۔ درود شریف پڑھتا ہے۔ حضور اکرمؐ رحمتہ للعالمین ہیں، آپؐ کے ذریعے عالمین میں وسائل تقسیم ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں آپؐ کو ''سراجاً منیراً'' کہا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبیؐ! ہم نے تمہیں بھیجا ہے بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر۔ اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر۔'' (الاحزاب: ۴۵۔۴۶)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاکؐ نے فرمایا:

''اے جابر! سب سے اول اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔''

سیدنا حضور پاکؐ چراغ ہیں اور چراغ میں نور بھی۔ خیال آیا کہ منیراً اور نور ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ راہ نمائی ہوئی کہ منیراً کے بنیادی حروف ن ور۔۔ نور ہیں اور اس کے ساتھ ہی ''اللہ نور السمٰوٰت والارض'' کی آیت ذہن میں آئی۔

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے، نور پر نور۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہ نمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے۔ اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' (النور: ۳۵)

لاشعور نے کہا، اللہ نور السمٰوٰت والارض۔۔ سراجاً منیراً کی تشریح ہے۔ آسمان و زمین، ان میں مخلوقات کی بناوٹ اور وسائل نور کے ذریعہ تقسیم ہوتے ہیں اور نور کا Source تجلی ہے۔

اس آیت میں کائنات کی ساخت (Structure) بیان ہوئی ہے۔ پڑھ کر ہر بار نئی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن نگاہ ٹھہرتی نہیں کہ ذہن مفہوم کا احاطہ کر لے۔ ذہن اور خیال کی رفتار میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے وہ خیالات کو ترتیب نہیں دے پاتا۔ اس آیت میں بہت حقائق ہیں جن کا سمجھنا باقی ہے۔ جیسے کہ مشکوٰۃ (طاق) کیا ہے، مصباح (چراغ) کس کو کہتے ہیں، زجاجہ (شیشہ) کیا ہے، کوکب (چمکتا ہوا تارا) سے کیا مراد ہے، زیتون کی خاص بات کیا ہے اور مشرق و مغرب یہاں

www.ksars.org

کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یُضی کسے کہتے ہیں، نور اعلیٰ نور کا مطلب کیا ہے اور کائنات کے اسٹرکچر میں طاق، مصباح، زجاجہ اور کوکب کو اللہ تعالیٰ کس کی مثال کے طور پر بیان فرما رہے ہیں۔۔۔؟

منتظر تھا کہ آیت میں مخفی نکات سمجھنے کے لئے اشارہ ملے۔ اللہ کی مہربانی سے ذہن روشن ہوا اور یاد آیا کہ دو سال پہلے مرشد کریم نے اس آیت کے الفاظ انڈر لائن کروائے اور فرمایا کہ سمجھنے کے لئے الفاظ کو نمبر وار ترتیب میں لکھو۔ شیخ بتاتے گئے، شاگرد لکھتا گیا۔

۱۔ اللہ

۲۔ نور

۳۔ آسمان

۴۔ زمین

۵۔ مثال یہ ہے کہ طاق

۶۔ طاق میں چراغ

۷۔ چراغ قندیل میں

۸۔ قندیل ایسی جیسے چمکتا ہوا ستارہ

۹۔ زیتون کا تیل (زیتون کے تیل میں دھواں نہیں ہوتا)

۱۰۔ سمت مشرق نہ مغرب

۱۱۔ روشن ایسا جیسے بھڑکتی آگ

۱۲۔ تہ در تہ نور

۱۳۔ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے

۱۴۔ اور اللہ مثالیں دے کر فارمولے بیان کرتا ہے

۱۵۔ اور اصل حقیقت کیا ہے۔۔۔ یہ اللہ جانتا ہے

www.ksars.org

رحمٰن ورحیم ہستی سے مدد مانگ کر غور کرنا شروع کیا، الفاظ کے معانی لغت میں تلاش کیے اور اس دوران جو خیالات آئے، لکھ لیے۔

☆مشکوۃ کے بنیادی حروف ش ک و ہے۔ شکوۃ۔۔مشک یا چمڑے کا تھیلا جو پانی یا دودھ رکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔المشکوٰۃ کے معنی ہیں دیوار میں ایسا خلا جو آرپار نہ ہو۔ایک معنی طاق یا چراغ دان بھی ہیں۔

☆مصباح کا مادہ ص ب ح ہے۔لغت کے مطابق اس کے معنی رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔

☆زجاجہ کا مادہ ز ج ج ہے۔الزجاج کانچ اور شیشہ سے بنی ہوئی چیزوں کو کہتے ہیں۔زجاجہ واحد ہے اور معنی شیشہ کی چمنی، فانوس یا قندیل ہے۔

☆زیتون کے تیل میں دھواں نہیں ہوتا۔دھوئیں سے مراد ثقل ہے۔ ثقل محدودیت ہے اور حدود کے تعین سے سمتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

☆یکادزیتھا یضی۔۔لغت کے مطابق ضوء(چمک) کا لفظ نور سے زیادہ شدت اور قوت رکھتا ہے۔ضوء کسی کی ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نور اس روشنی کو جو دوسرے سے اکتساب کی گئی ہو۔اس کے معنی روشن کرنا اور روشن ہونا کے بھی ہیں۔

نمبر وار ترتیب کے مطابق آیت کو سمجھنا شروع کیا۔

رب العالمین اللہ کائنات کا خالق ہے۔حضرت محمدؐ۔۔۔نور اور رحمتہ للعالمین ہیں۔وسائل آپؐ کے وسیلہ سے درجہ بہ درجہ سماوات وارض اور ان میں موجود مخلوقات میں تقسیم ہوتے ہیں۔درجہ بہ درجہ تقسیم سے ٹائم اور اسپیس ظاہر ہوتی ہے۔ہر درجہ مکان اور اس میں حرکت کی رفتار زمان ہے جب کہ جس ٹائم اور اسپیس میں کائنات ظاہر ہوئی وہ زمان حقیقی ہے۔

آسمان اور زمین میں مخلوقات رہتی ہیں۔جو ہمارے لئے آسمان ہے وہ اس میں رہنے والی مخلوق کے لئے زمین ہے۔اسی طرح ہر آسمان زمین اور زمین آسمان ہے۔نیچے سے دیکھیں تو آسمان اور اوپر دیکھیں تو زمین۔

دیکھنا۔۔حواس ہے۔۔حواس کا ایک نام زمین اور دوسرا نام آسمان ہے۔یہ دونوں ایک ہیں۔چوں کہ ان کے درمیان پردہ ہے اس لئے الگ محسوس ہوتے ہیں۔

www.ksars.org

اللہ تعالیٰ نے آیت میں کائنات کی ساخت کو مثال سے سمجھایا ہے یعنی مشکوٰۃ (طاق) کائنات ہے۔ مشکوٰۃ خول ہے ایسا خلا جس میں روشنی داخل ہوتی ہے تو آر پار نہیں ہوتی، آئینہ کی مانند عکس بنتا ہے۔ جس طرح شکوٰۃ میں پانی ڈالا جاتا ہے، کائنات کا خلا بھی پانی ہے اور خود پانی بھی خلا ہے اس لئے کہ ہر شے میں داخل ہو جاتا ہے یا شے پانی میں جذب ہو جاتی ہے۔

کائنات ایسا طاق ہے جس میں ہر طرف پانی ہے اور پانی کا درجۂ حرارت مختلف ہے۔

درجہ ''مکان'' اور حرارت ''زمان'' ہے۔ حرارت توانائی ہے۔ ہر شے میں حرارت ہے اور حرارت کا درجہ مختلف ہے۔ درجۂ حرارت کا مطلب توانائی کی مقداریں ہیں۔ چوں کہ کائنات میں ہر شے مقداروں سے مرکب ہے اس لئے پانی بھی مقدار ہے۔ کہیں برف بن جاتا ہے، کہیں بھاپ اور کہیں مائع ہے، سرد و گرم ہوا اور ہوا میں نمی بھی پانی ہے۔ عالمین کا کوئی ذرّہ پانی سے خالی نہیں۔ جسے ہم خشکی کہتے ہیں وہ بھی پانی ہے لیکن خشکی میں پانی کا درجۂ حرارت مختلف ہے۔ مقداروں میں ردوبدل سے حالت تبدیل ہوتی ہے۔ پانی کیا ہے۔۔۔؟ صفات پر غور کیا تو تالاب کی تہ سے متعدد لہریں اٹھیں۔ اس نے نکات نوٹ کر لئے تا کہ بعد میں تفصیلاً لکھ سکے۔

چراغ فانوس میں اور فانوس طاق میں ہے۔ چراغ جب منور ہوتا ہے تو اس کی روشنی فانوس پر پڑتی ہے اور فانوس کا شیشہ چمکتے تارہ کی مانند ہو جاتا ہے۔ طاق کائنات اور چراغ کائنات میں روشنی ہے۔ نظریہ آتا ہے کہ شیشہ روشن ہے لیکن شیشہ کی روشنی چراغ کی وجہ سے ہے۔ شیشہ اسکرین ہے۔ چراغ میں جلنے والا تیل ایسے برکت والے درخت سے ہے کہ تیل جلنے سے دھواں نہیں نکلتا۔ دھواں نہ ہونے سے سمتیں ظاہر نہیں ہوتیں یعنی پوری کائنات نور ہے۔

ابدالِ حق قلندر باباؒ نے اسے ''عارض'' فرمایا ہے۔ سائنس فوٹان کہتی ہے لیکن فوٹان سے عارض کی وضاحت نہیں ہوتی۔ مرشد کریم نے سمجھایا تھا کہ عارض بیک وقت ساری کائنات کا چکر لگالیتا ہے۔۔۔ زمین کا نہیں۔۔۔ کائنات کا۔۔۔ زمین کا کردار سب دخان ہے۔ آسمان اور زمین پہلے یک جا تھے۔ دخان داخل ہوا تو الگ ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

> ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دخان تھا۔ اس نے
> دخان سے کہا، داخل ہو جا زمین میں خوشی سے یا زبردستی۔ اس نے کہا،
> میں داخل ہوا فرماں بردار ہو کر۔'' (حٰم السجدہ: ۱۱)

اس نے یہ سمجھا کہ دخان سے انفرادیت ظاہر ہوتی ہے اور انفرادیت میں محدودیت ہے۔ جیسے باہم ملے ہوئے آسمان اور زمین کا الگ الگ ہونا۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ کسی شے میں سے ثقل ختم کر دیا جائے تو وہ تحلیل ہو جاتی ہے۔

www.ksars.org

مشرق کی طرف نہ مغرب کی طرف۔۔۔مرشد کریم نے فرمایا کہ ''مشرق اور مغرب کا مطلب لندن کراچی نہیں ہے۔۔ مقداریں ہیں۔'' لغت میں مغرب غروب ہونے اور مشرق سورج طلوع ہونے کی جگہ کو کہا گیا ہے۔اس نے یہ سمجھا کہ جب غروب ہونے کی مقداریں غالب ہوتی ہیں تو شے غروب ہو جاتی ہے، یہی کام طلوع کی مقداروں کا ہے۔سوچنا یہ ہے کہ جسے ہم طلوع ہونا کہتے ہیں وہ کہیں پر غروب ہے اور یہاں غروب ہونا کہیں پر طلوع ہے۔ پھر طلوع اور غروب کیا ہے۔۔؟

زمان و مکان مقداریں ہیں اور آیت کے حصہ میں سمتوں یعنی مقداروں کی نفی ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں ، لا الٰہ الا اللہ

روشن ایسا جیسے بھڑکتی آگ۔۔اس نے یہ سمجھا کہ یہاں جوش، ابال، بلبلے، نت نئے مظاہرات کا ذکر ہے اور ہر مظاہرہ منفرد ہے۔۔۔کل یوم ھو م فی شان۔

تہہ در تہہ روشنی۔۔۔یہاں پر روشنی کے خواص، اقسام اور فارمولے بیان کئے گئے ہیں۔

ذہن میں کئی سوالات تھے۔ مرشد کریم کے پاس جانے سے پہلے جو لکھا تھا ایک بار اسے پڑھا۔ اپنا لکھا ہوا پڑھتے ہوئے ہمیشہ محسوس ہوتا ہے کہ کسی اور کا لکھا ہوا پڑھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ کریم مرشد سے عرض کیا۔۔ حضور! آیت سمجھنے کی کوشش کی ہے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ جو سمجھا وہ سرسری ہے براہ کرم راہ نمائی کیجیئے۔

احساس برتری۔۔۔احساس کم تری

www.ksars.org

''زندگی میں ایک دوست ضرور ایسا ہونا چاہئے جس سے آپ ہر بات کہہ سکیں ورنہ اندر ہی گھلتا ہے۔ بتا دینے سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔۔ دوست ایسا ہو جو غیر جانب دار ہو۔''

مرشد کریم نے جن دنوں یہ بات فرمائی، وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کا شکار تھا۔ ذہن اس قدر الجھ گیا تھا کہ صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تھا، بہت سی باتیں اس نے قیاس کر لی تھیں۔۔ قیاس گہرا ہونے سے، حقیقت محسوس ہوتا ہے جب کہ اس میں الوژن زیادہ ہوتا ہے۔

ذہن میں آنے والی اکثر باتیں ایسی ہوتیں جنہیں شیخ کو بتانے کا خیال آتا تو وہ سوچتا کہ کیسے بتائے گا۔ وہ کیا کہیں گے کہ میں ایسا سوچتا ہوں۔ یہ سوچ کر خاموش ہو جاتا اور استغفار کا ورد شروع کر دیتا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں لیں اور ذہن میں وسوسے نہ آئیں۔

صاحبِ یقین نے ذہن پڑھا اور فرمایا،

''جس خیال کی کنہ معلوم نہ ہو اس پر کبھی یقین نہ کرنا!''

اس نے سوچا، مرشد سے بڑھ کر دوست کون ہو سکتا ہے۔۔ مرشد۔۔۔ امین ہے۔

عرض کیا، کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر احساسِ کم تری ہے۔

سر اثبات میں ہلایا اور فرمایا ''جی ہاں، ایسا ہے! یہ صرف آپ کا نہیں۔۔ پوری قوم کا مسئلہ ہے۔ پھر پوچھا کہ احساسِ کم تری کیوں ہے؟ یہ بتاؤ کس بات کی کمی ہے، اللہ نے اچھا بنایا ہے، ذہن اچھا ہے، سب کچھ اللہ نے دیا ہے، اچھے ماں باپ اور بہن بھائی ہیں، گھر اچھا ہے، ضرورت کی ہر چیز میسر ہے اور۔۔ آپ کے اندر صرف احساسِ کم تری نہیں، احساسِ برتری بھی ہے۔''

وہ ہنس پڑا۔ یہ اس کے لئے انکشاف تھا۔ عرض کیا، واقعی؟ وہ کیسے۔۔۔؟

فرمایا، ''جی ہاں احساسِ برتری اور برتری کا احساس۔۔ احساس کم تری سے زیادہ ہے۔''

اسے سمجھ نہیں آیا کہ یہ ہو کیا گیا۔ چہرہ دیکھنے والا تھا۔

حضور! کرم نوازی ہے کہ آپ نے خامی کی نشان دہی فرمائی، یقیناً ایسا ہی ہے لیکن میں نے کبھی غور نہیں کیا۔

''اب غور کرنا، سمجھ میں آئے گا کہ میں نے کیا کہا ہے۔ ہر شے دو رخوں پہ تخلیق ہوئی ہے۔ جہاں احساسِ کم تری ہے۔ برتری کا احساس ضرور ہو گا اور برتری کا دوسرا رخ کم تری ہے۔''

www.ksars.org

دماغ میں واقعات کی فلم چلنا شروع ہوگئی اور سمجھ میں آیا کہ کم تری کا احساس اس لئے پیدا ہوا کہ وہ برتری چاہتا ہے۔ حالات وواقعات کیا تھے اور کیا ہیں، اگرچہ ان میں سیکھنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن لکھنا مناسب نہیں اس لئے کہ تجربات ومشاہدات نے سکھایا ہے کہ جو بات لکھ دی جائے، چاہے ذاتی ڈائری میں ہی کیوں نہ ہو، زندگی میں یا اس دنیا سے گزر جانے کے بعد۔۔سامنے ضرور آتی ہے جس سے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔دوسروں کی دل آزاری کرنے سے ہماری دل آزاری کا سبب کہیں نہ کہیں پیدا ہو جاتا ہے۔

خیال بولا، کیا صرف اس لئے کسی کی دل آزاری نہیں کی جائے کہ ردِ عمل ہوگا؟ یہ غیر جانب دار سوچ نہیں، خود غرضی ہے کہ دوسروں کے ساتھ اس لئے بھلا کریں کہ ہمارے ساتھ اچھا ہو۔۔؟اللہ کو ملاوٹ پسند نہیں!

خیال نے تصحیح کی اور اس نے آواز پر لبیک کہا۔خیال بولا، کسی کی دل آزاری اس لیے نہیں کرنی چاہئے کیوں کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔دل میں آیت روشن ہوئی،

”ایک میٹھا بول اور غلطی معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔
اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔“ (البقرۃ:۲۶۳)

ڈائری میں روز کی یادداشت لکھنے کا مقصد ان باتوں کو یاد رکھنا ہے جن کو سیکھ کر اس نے اپنا رویہ تبدیل کیا اور وہ آگے بڑھا۔ورنہ تلخ یادیں لکھنا تکلیف دہ ہے، خیال بھی آجائے تو ذہن مرشد کی طرف کرلیتا ہے۔ایک روز مرشد کریم نے اسے کوئی بات سمجھاتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اور وہ مسکرا دیا۔بعد میں باتیں ڈائری میں اتار رہا تھا تو سوچا کہ نہیں معلوم شاعر پر کیا گزر رہی ہوگی جو یہ آمد ہوئی۔

سینہ خوں سے بھرا ہوا میرا
اف یہ بدمست مے کدہ میرا
نارسائی پہ ناز ہے جس کو
ہائے وہ شوق نارسا میرا
عشق کو منہ دکھاؤں گا کیوں کر

www.ksars.org

ہجر میں رنگ اڑ گیا میرا
دل غم دیدہ پر خدا کی مار
سینہ آہوں سے چھل گیا میرا
یاد کے تند و تیز جھونکے سے
آج ہر داغ جل اٹھا میرا
یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

بات احساسِ کم تری سے شروع ہوئی تھی۔ کریم مرشد نے مسئلہ کی کنہ بتائی تو وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ شیخ کی نظریں اس پر تھیں اور وہ محاسبہ میں گم تھا۔

خیال نے کہا، ہر شخص دوسرے شخص کو دباتا ہے تاکہ اپنے اندر برتری کے احساس کو تسکین ملے۔ برتری جتنی زیادہ ہوتی ہے، احساسِ کم تری اسی مناسبت سے بڑھ جاتا ہے۔ بد قسمتی سے وہ بھی ان لوگوں میں تھا لیکن خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ نے سر۔۔تا۔۔پا محبت سے لبریز دوست کی صحبت عطا کی جو شفقت کے ساتھ خامیوں کا احساس دلاتے ہیں۔

وہ جتنا شیخ طریقت کے تصور میں رہتا ہے، اس کو اپنا آپ کثیف محسوس ہوتا ہے۔ ہاتھ دھو لے، غسل کر لے اس کے باوجود یہ احساس غالب رہتا ہے کہ من کا پاپی، تن کا پاک۔۔ پاک نہیں ہوتا۔

ایسی ہی ایک کیفیت میں ایک روز خدمت میں حاضر تھا، پیاس لگی، انہوں نے قریب رکھا پانی کا گلاس بڑھایا، پانی پی کر وہ اٹھنے لگا اور اجازت مانگی کہ گلاس دھو کر آجاؤں۔ یہ سننا تھا کہ مرشد کریم نے پیار سے ڈانٹا۔۔ ”کیا تم کوئی چھوت ہو؟ یہ باتیں تو وہاں ہوتی ہیں جہاں اونچی نیچی ذاتوں کی بنیاد پر معاشرہ تقسیم ہوتا ہے۔ ایسا کوئی دوست تو نہیں تھا تمہارا۔۔؟“

خاموشی سے واپس بیٹھ گیا۔

خیر! تہیہ کیا کہ خامی پر قابو پانا ہے۔

عرض کیا کہ میں اپنی اصلاح کروں گا۔

www.ksars.org

شیخ طریقت نے فرمایا، '' یاد ہے میں نے کہا تھا کہ کسی کی بات کا برا نہیں منانا۔ کوئی کچھ بھی کہے ردِ عمل ظاہر مت کرنا۔۔؟''

جی آپ نے فرمایا تھا، یاد آ گیا۔

''پھر۔۔۔؟''

شرمندگی ہوئی کہ مرشد کی بات یاد نہیں رہی۔

فرمایا، ''کوئی اچھا کہے یا برا، متاثر نہیں ہونا۔۔احساسِ کمتری اور برتری، دونوں رخوں سے نکل آؤ گے۔''

—— ❖ ——

اس نے خود سے پوچھا، مجھے کوئی بات بری کیوں لگتی ہے۔۔۔؟

اندر سے آواز آئی، اس لئے کہ تم خود کو اچھا سمجھتے ہو۔ جب خود کو ہر عیب سے پاک اچھا سمجھنے کی سوچ تبدیل ہو گی، زندگی میں توازن قائم ہو جائے گا۔

ضمیر نے احساس دلایا کہ خامیوں کا اعتراف کرنے کی توفیق بھی اللہ دیتا ہے۔

سوچ بدلنے سے عمل خود بخود بدلتا ہے۔ بظاہر یہ عام لیکن بباطن گہری بات ہے۔ قانون ہے کہ بات اس وقت سمجھ آتی ہے جب ذہن، ذہن سے ملتا ہے۔ بیوی اور شوہر کا ذہن نہ ملے وہ ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ سکتے، اختلافات پیدا ہوتے ہیں، گھر کا ماحول خراب ہو جاتا ہے۔ دو مختلف شوق رکھنے والے دوست ایک ساتھ اس لئے ہیں کہ کہیں نہ کہیں ان کا ذہن ملتا ہے۔ اس طرح مرشد اور مرید یک جان دو قالب اس وقت ہوتے ہیں جب ذہن۔۔ ذہن سے ملتا ہے۔ یعنی ہر حال میں مرشد کا حکم عزیز ہو اور تعمیلِ حکم زندگی بن جائے۔ استاد طریقت فرماتے ہیں،

"مرشد کی جان سے جان ملتی ہے تو مرید کی جان بنتی ہے۔''

—— ❖ ——

محبت کے بغیر زندگی بے معنی اور لاکشش ہے۔ ہر شخص کسی سے محبت کرتا ہے اسی لئے اس کا دنیا میں دل لگتا ہے۔ جس کو پیسوں سے محبت ہے اسے کاروبار میں نقصان ہو جائے، صدمہ برداشت نہیں ہوتا۔ اسی طرح اولاد کا غم ماں باپ کو توڑ دیتا ہے۔ کسی کو محبت ہو جائے اور وہ نہ ملے یا دھوکا ہو تو دل دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔ یہ سب عام مثالیں ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی سے محبت ہے جس کی وجہ سے دل لگا رہتا ہے۔ ایک وجہ ختم ہو جائے تو دوسری شے وجہ بن جاتی ہے۔

www.ksars.org

دنیا میں رہنے کی خواہش اسے بھی نہیں۔ دل بے زار ہے، سمجھ نہیں آتا کہ ایک جیسی زندگی کوئی ہر روز کیسے گزارے۔
ایک روز کاغذ پر لکھ کر مرشد کریم کے سامنے کاغذ رکھا۔ ''میں مزید جینا نہیں چاہتا لیکن اللہ کو دیکھے بغیر مرنا بھی نہیں چاہتا۔ جب یہاں نہیں دیکھا تو وہاں کیسے دیکھوں گا۔''
فرمایا، ''کثرت سے یاحی یاقیوم کا ورد کیا کرو اور رات کو سونے سے پہلے نہا کر صاف لباس پہن کر درود شریف پڑھو۔ لوگ سارا دن پریشان رہتے ہیں، ادھر اُدھر کی باتوں کو سوچنے کے بجائے یاحی یاقیوم کا ورد کیا جائے تو سفر آسان ہو جاتا ہے۔''
ایک روز ایک صاحب ملنے آئے، عمر پینتالیس سے اوپر تھی۔ یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ باتوں باتوں میں انہوں نے مرشد کریم سے عرض کیا کہ میں ہارٹ پیشنٹ ہوں، حال ہی میں بائی پاس ہوا ہے، میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ زندگی دے۔
فرمایا، ''اتنا جی کر کیا کرنا ہے۔۔؟''
وہ بھی وہاں موجود تھا، مسکراہٹ نہ روک سکا۔
ان صاحب نے عرض کیا کہ میرے چھوٹے بچے ہیں۔
فرمایا، ''جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو بتایئے نو مہینے تک اور اس کے بعد بچہ کی پرورش کون کرتا ہے؟ کون اسے کھلاتا پلاتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے؟''
وہ صاحب بولے، اللہ کرتا ہے۔
بعد کی باتیں لفظ بہ لفظ یاد نہیں لیکن یہ بات سمجھائی گئی کہ کفیل اللہ ہے۔ بچوں کی پرورش اور تربیت ماں باپ کی ذمہ داری ہے لیکن مقصد حیات اللہ سے واقف ہونا ہے۔
البتہ آخری جملہ یاد ہے۔ مرشد کریم نے فرمایا، ''آدمی اس لئے مرنا چاہتا ہے کہ وہ دنیا سے بے زار ہے، اس لئے نہیں مرنا چاہتا کہ اسے اللہ کو دیکھنا ہے۔''
اور وہ خبردار ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ کیا کہا گیا ہے۔

لاشعور جو کہتا ہے، شعور لکھ لیتا ہے۔ بات سے بات نکلتی ہے اور بات بن جاتی ہے۔ دنیا کے ہر کام کی طرح لکھنا بھی آمد ہے۔ لاشعوری تحریک پر عمل کیا جائے تو لاشعور کی رفتار سے مطابقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست مشق ہے جس پر عمل کر کے ایک روز احساس ہوتا ہے کہ یہ مشق نہیں۔۔ طرز حیات ہے۔

www.ksars.org

جب سے مرشد کریم نے فرمایا ہے کہ کسی کی بات سے متاثر نہیں ہونا، چاہے تعریف ہی کیوں نہ ہو اس نے خود پر کام کرنا شروع کیا ہے۔ توجہ حکم سے ہٹتی ہے تو غلطی ہو جاتی ہے مگر کوئی ہے جو فوراً احساس دلاتا ہے کہ غلط کیا ہے۔

چند روز پہلے کسی پر سخت غصہ آیا۔ اتنا سخت کہ محسوس ہوا دماغ کے خلیے (Cells) متاثر ہوئے ہیں۔ ٹھیک ٹھاک قسم کا ایس ایم ایس لکھا۔ آواز صبر کی تلقین کر رہی تھی۔ غصہ اس قدر غالب تھا کہ اس نے آواز کو نظر انداز کرنا چاہا مگر کسی نے روک دیا۔

خود سے پوچھا کہ کیا میرا رویہ مناسب ہے۔۔؟

کیا مجھے یہ پیغام بھیجنا چاہئے۔۔؟

مجھے اس پر غصہ کیوں آ رہا ہے۔۔۔؟

آواز آئی، اس لئے کہ تم اسے کم زور سمجھتے ہو۔

جواب نے اسے پریشان کر دیا۔

رات میں اس شخص سے متعلق مزید کوئی بات سامنے آئی اور وہ چڑ گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ خود غرضی غالب آ گئی ہے۔

اس کیفیت سے نکلنے میں ایک گھنٹہ لگا۔

آئینہ کے سامنے جا کھڑا ہوا کہ جب ہر شے کی کوئی نہ کوئی شکل ہے، غصہ کی شکل کیسی ہوتی ہے؟

دیکھا۔۔ وہ بھیانک لگ رہا تھا۔

اگلے روز مرشد کریم سے واقعہ بیان کیا اور بتایا کہ مجھے غصہ اس لئے آیا کہ میں نے اسے خود سے کم زور سمجھا۔

یہ سننا تھا کہ شیخ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، ''یہ بڑی اچھی بات ہے، اصلاح ہو گئی آپ کی۔ آپ نے اپنی خامی کا اعتراف کیا اور پشیمان ہوئے۔ آپ کو غصہ اُس پر نہیں، اپنے آپ پر آیا کہ ایسا کیوں کیا۔''

اس نے بتایا کہ رات کو پھر یہی کیفیت تھی لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ یہ میری کم زوری ہے۔

''جب سمجھ میں آ گیا تو کیوں نہیں رکے؟''

عرض کیا، فوری طور پر اس کیفیت سے نہیں نکل سکا۔ آئینہ میں خود کو دیکھا تو چہرہ بھیانک تھا۔

www.ksars.org

فرمایا، ''میں خوش ہوں کہ آپ کو غلطی کا احساس ہوا اور آپ نے سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے مقداروں پر تخلیق کی ہے۔ جب اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو مقداروں میں توازن نہیں رہتا اور دل کش چہرہ۔۔۔بے کشش ہو جاتا ہے۔ خوب صورتی کا تعلق مقداروں کی ترتیب سے ہے۔ اللہ نے جن باتوں سے منع فرمایا ہے ان کو کرنے سے مقداریں متاثر ہوتی ہیں اور حکم پر عمل کیا جائے تو مقداریں اعتدال میں آتی ہیں اور بندہ خوب صورت لگتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ غصہ پر قابو پا لیتے ہیں اللہ ایسے محسن بندوں سے محبت کرتا ہے۔ کیا مطلب ہوا اس کا۔۔؟ اور جو لوگ غصہ کرتے ہیں ان کی حیثیت کیا ہوئی۔۔؟ وہ خود کو اللہ کی محبت سے دور کر لیتے ہیں۔''

خیال نے احساس دلایا کہ غصہ احساسِ برتری کی علامت ہے۔ اس واقعہ نے اسے اس کی طرز فکر سے متعارف کرایا۔ محض غلطی کا اعتراف کرنا اصلاح نہیں ہے، غلطی کا احساس ہو کر اسے نہ دہرانا اصلاح ہے۔

مرشد نے فرمایا، ''کبھی غصہ مت کرنا۔ جب ابلیس راندۂ درگاہ ہوا تو اس نے اللہ سے کہا، میں زمین میں ان کے لئے دل فریبیاں پیدا کر کے ان سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے ان میں سے خالص کر لیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک جو میرے نیک بندے ہیں وہ تیری باتوں میں نہیں آئیں گے۔ تیرا بس صرف ان بہکے ہوئے لوگوں پر چلے گا جو تیری پیروی کرتے ہیں۔''

www.ksars.org

پہاڑ اڑ رہے ہیں

زمین کے وقت کے مطابق وہ چھ گھنٹے خواب میں گزارتا ہے۔ یہاں کے چھ گھنٹے نہیں معلوم نیند کی دنیا کے کتنے ہزار سال ہیں۔ زیادہ تر وہ حصہ یاد رہتا ہے جس کا تعلق دن کے معاملات سے ہے اور اکثر وہ بھی یاد نہیں رہتا۔ خواب میں بیداری سے متعلق معاملات کی نشان دہی ہونا۔ آگے بڑھنا نہیں ہے۔ خواب کا تعلق روشنی کے زون سے ہے پھر وہ روشنی کے زون میں بیداری سے متعلق معاملات کیوں دیکھتا ہے اور وجود روشنی کے بجائے مادی شکل وصورت میں نظر آنے میں کیا راز ہے۔۔؟ بیداری میں ہم دن کی دنیا اور رات میں خواب کی دنیا کا حصہ بن جاتے ہیں۔ رات میں دن کی دنیا اور دن میں رات کی دنیا غائب ہو جاتی ہے۔

تفکر کے دوران سوال در سوال سے ذہن پر دباؤ بڑھتا ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ دل مطمئن، اندر سکوت ہوتا ہے۔ قادر و قدیر ہستی اور اس کے حکم سے مناظر قدرت معاونت کرتے ہیں اور ہر شے خود اپنا تعارف کراتی ہے۔

سکوت ایسا راستہ ہے جو پابند شعور سے آزاد شعور کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ بندہ شعور اور لاشعور میں الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ لاشعور اصل دنیا ہے جب کہ شعور عارضی اور فکشن ہے۔ زندگی کی Base Line ظاہر اور غیب ہے۔ ظاہر شعور اور غیب میں لاشعوری دنیا متحرک ہے۔ شعور ایسی منزل ہے جو تغیر کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس مثال سے بات واضح ہوتی ہے کہ پہلے بچہ کی تخلیق، بچہ کسی بھی نوع کا ہو، لاشعور میں موجود ہے۔ لاشعور مقداروں کا ذخیرہ ہے۔ اس ذخیرہ میں مقداریں زمان و مکان سے آزاد ہیں جب کہ یہی مقداریں شعور میں وجود ہیں۔

ذہن یکسو اور دل پُر سکون ہونے سے منظر روشن ہوا۔ ہر چیز رنگین تھی۔ رنگوں میں رنگ اس طرح مل گئے کہ کہیں یہ رنگ آبشار بن رہے تھے اور کہیں پہاڑ۔ جو رنگ پہاڑ پر تھے وہی اس پر سے بہتے آبشار میں دیکھے۔ رنگ پانی کی شکل میں تھے یا پانی رنگوں کی صورت میں تھا۔ اس نے پہاڑ کو بھی پانی دیکھا اور آبشار کو بھی۔ دونوں کی بنیاد لہریں تھیں، لہروں کی شکل وصورت (مقداروں) میں تھوڑی تبدیلی سے پانی سے پہاڑ اور پہاڑ میں سے پانی نکل رہا تھا۔ دوسری مرتبہ پھر پہاڑ پر روشنی دیکھی جس کی لطافت اندر میں اتر گئی۔

www.ksars.org

شہنشاہ ہفت اقلیم ناناتاج الدینؒ فرماتے ہیں:

''انسان کچھ نہ جاننے کے باوجود یقین رکھتا ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔

دن طلوع ہوتا ہے، دن کا طلوع ہونا کیا شے ہے، ہمیں نہیں معلوم۔ طلوع ہونے کا مطلب کیا ہے ہم نہیں جانتے۔ دن رات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں اتنی بات کہہ دی جاتی ہے کہ یہ دن ہے، اس کے بعد رات آتی ہے۔ نوع انسانی کا یہی تجربہ ہے۔ کیا سنجیدہ طبیعت انسان اس جواب پر مطمئن ہو جائے گا؟''

ذہن میں بہت سی باتیں ہوتی ہیں، لکھنے بیٹھو تو ذہن خالی ہوتا ہے۔ مرشد کریم واقف حال ہیں، ایک روز فرمایا،

''آپ کے ذہن میں باتیں بہت آتی ہیں لیکن آپ لکھتے نہیں ہیں اس لئے بھول کے خانہ میں چلی جاتی ہیں۔'' اس دن کے بعد سے جو بات جس وقت وارد ہوتی ہے، نوٹ کر لیتا ہے۔

سوچ رہا تھا کہ کس طرح سمجھ میں آئے کہ طلوع کیا ہے۔ کہاں سے شروع کروں؟

خیال بولا، صفات پر غور کرو۔۔ صفات میں ذات کو تلاش کرو۔۔ صفات پر غور کرنے سے ذات کا سراغ ملتا ہے۔ سوچو کہ جب کوئی شے طلوع ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے۔۔؟

ذہن میں گلاب کی کلی کی تصویر آئی۔ مسندِ گل پر گل کھلا۔۔ مخملی پتیاں ظاہر ہوئیں اور پھول جوبن پر آیا۔ کلی کا کھلنا۔ طلوع ہونا ہے۔ طلوع ہونے سے خدوخال ظاہر ہوتے ہیں۔

خیال نے پوچھا، خدوخال کیا ہیں؟

اس نے کہا، شے کا زمانی اور مکانی فاصلوں میں ظاہر ہونا خدوخال ہے۔

خیال بولا، پھول کلی میں تھا تو کیا اس وقت ٹائم اسپیس نہیں تھے؟

اس نے کہا، ٹائم اسپیس اس وقت بھی تھے جب پھول کلی میں بند تھا۔ پتیوں میں قربت کے باوجود فاصلہ تھا لیکن پھول اور کلی کے ٹائم اسپیس میں فرق ہے۔

کیا ایک شے کے مختلف ٹائم اور اسپیس ہو سکتے ہیں؟

سوال گہرا تھا اور وہ خاموش ہو گیا۔

لاشعور نے راہ نمائی کی، ذہن میں تصویریں بنیں، تصویروں کو دیکھا اور کہا، بیج میں پورا پودا یا درخت موجود ہے اور یہ اس کا حقیقی ٹائم اسپیس ہے۔ لیکن آنکھ بیج میں درخت اور درخت میں بیج نہیں دیکھتی۔ آنکھ ٹکڑوں میں دیکھتی ہے اور سمجھتی ہے

www.ksars.org

کہ بیج کی اسپیس بڑھ رہی ہے یعنی بیج کھل رہا ہے اور پودا، درخت بن رہا ہے اس لئے ٹائم اسپیس میں فرق محسوس ہوتا ہے لیکن فرق نہیں ہے۔ درحقیقت درخت مکمل مظاہرہ کے ساتھ بیج میں ہے۔

کلی اور پھول کھلنے کے ٹائم اسپیس میں نظر آنے والا فرق یہ ہے کہ کلی کھلنے سے پتیوں کے درمیان فاصلہ بڑھنے سے ٹائم بڑھ جاتا ہے۔ پھول بند ہوتا ہے تو پتیوں کا فاصلہ کم ہو جاتا ہے۔ کلی کی شکل میں، پھول کھلنے کا ٹائم اسپیس مغلوب ہوا۔ پھول کھلنے سے کلی کا ٹائم اسپیس مغلوب ہو گیا لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پھول مکمل حالت میں کلی میں موجود ہے۔

کلی ڈنٹھل سے نکلتی ہے۔ بالفاظ دیگر کلی ڈنٹھل میں موجود ہے۔ اس وقت نظر آتی ہے جب طلوع ہوتی ہے۔ ڈنٹھل کی بنیاد شاخ ہے۔ ڈنٹھل شاخ کے اندر مغلوب ہے۔ شاخ تنے میں سے ظاہر ہوتی ہے، تنے میں شاخیں چھپی ہوئی ہیں۔ تنا بیج میں سے نکلتا ہے۔ بیج پودا، پھول یا درخت تفصیلات کے ساتھ موجود ہے۔ نظر اس وقت آتا ہے جب بیج کی اسپیس بڑھتی ہے۔ اسے لگا وہ خیال کو نہیں، اپنے آپ کو سمجھا رہا ہے۔ بھلا خیال کو سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو خیال ہے جو کھل رہا ہے اور ایک کے بعد ایک سوال کر کے اپنے اندر تصویر سے متعارف کرا رہا ہے۔ اسے محض طلوع کا خیال آیا تھا، معلوم نہیں تھا کہ خیال کھلے گا تو اس میں کائنات نظر آئے گی۔

خود سے باتیں کرتا دیکھ کر خیال نے پوچھا، تم نے کیا سمجھا کہ کلی کیا ہے؟

وہ بولا، پتیوں کا غیب میں جانا کلی اور نگاہوں سے اوجھل ہو جانا غیب ہے۔ نقش و نگار طلوع ہونے سے مسندِ گل پر گل کھلتا ہے۔ کلی غیب میں چلی جاتی ہے اور گلاب کا پھول تفصیلات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ کیا ہوا؟

وہ بولا، شے ایک ہے۔۔ ان میں مقداروں کے ردّوبدل یا فاصلہ کم زیادہ نظر آنے سے کلی اور پھول کا فرق نظر آتا ہے۔ دن رات کی بھی یہی مثال ہے۔ اللہ دن میں رات اور رات میں دن کو داخل کرتا ہے، دن میں سے رات کو نکالتا ہے اور رات میں سے دن کو نکالتا ہے۔ دن اور رات ایک ہیں۔ فاصلے کم سے کم ہونے سے نیند کے حواس بیدار ہوتے ہیں اور فاصلے بڑھنے سے دن کا ظہور ہوتا ہے۔

شیخ کے قدموں میں بیٹھ کر وہ زندگی کے بڑے اور چھوٹے۔۔۔ جو چھوٹے نہیں بہت بڑے ہوتے ہیں، سبق سیکھتا ہے۔ خامیوں کی نشان دہی ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت اور مرشد کی شفقت سے سوچ کا زاویہ بدلتا ہے۔

www.ksars.org

اندر میں آواز کہتی ہے کہ سب سے پہلے خود سے انصاف کرو۔ جو خود سے انصاف کرتا ہے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، اسے احساس ہو جاتا ہے کہ کسی پر غصہ کرنے، غلط سمجھنے، غلطی کا احساس ہونے پر معافی نہ مانگنے سے سب سے زیادہ نقصان اپنا ہے۔ وہ شخص ہمارے غصہ یا سوچ سے بعد میں متاثر ہوگا اور ہوگا بھی یا نہیں یہ اس کی طرزِ فکر پر منحصر ہے لیکن ردِ عمل سے پہلے ہم خود عمل سے گزرتے ہیں۔ انتقام اندر سے باہر ظاہر ہوتا ہے۔

آواز میں دانائی ہے۔ آواز کہتی ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچانے سے دل آئینہ کی طرح پاک ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا نقصان پہنچا دے تو معاف کر دیا جائے یہ سوچ کر کہ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میں کیا کرتا۔۔؟ جواب آتا ہے۔۔۔ تم بھی یہی کرتے!

بات یہ ہے کہ اس خاص وقت میں کون، کس جگہ پر ہے، کن حالات و واقعات سے گزر رہا ہے۔ جو جس جگہ پر ہے، وہ اس کا امتحان ہے۔ کیا ہی خوب ہو کہ در گزر سے کام لیا جائے تا کہ امتحان میں دونوں کام یاب ہوں۔ سلسلہ عظیمیہ کے قواعد و ضوابط میں شامل ہے کہ،

☆ تم اگر کسی کی دل آزاری کا سبب بن جاؤ تو اس سے معافی مانگ لو قطع نظر اس کے کہ وہ تم سے چھوٹا ہے یا بڑا۔ اس لئے کہ جھکنا عظمت ہے۔

☆ تمہیں کسی کی ذات سے تکلیف پہنچ جائے تو اسے بلا توقف معاف کر دو۔ اس لئے کہ انتقام بجائے خود صعوبت ہے۔ انتقام کا جذبہ اعصاب کو مضمحل کر دیتا ہے۔

مرشد کریم اسّی (80) سے زائد کتابوں اور کتابچوں کے مصنف ہیں، ہزاروں آڈیو ویڈیو خطابات اس کے علاوہ ہیں جن کا ہر لفظ اپنی جگہ کتاب ہے۔ لاکھوں خطوط کے جوابات دیئے، فلاحی کاموں کی فہرست طویل ہے اور یہ تمام سلسلے جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت میں برکت عطا فرمائے، آمین۔ علمی مصروفیات، مسائل کے جوابات، ملاقاتیں، فلاحی کاموں کی نگرانی اور ان میں وسعت کے لئے کوشاں، لوگوں کی مدد، لنگر کا انتظام، دیگر علاقوں اور ممالک میں سلسلہ کے معاملات کی نگرانی۔۔۔ انہوں نے خود کو اللہ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ گھر ہے، بچے ہیں لیکن مصروفیات کے باوجود سب کو وقت دیتے ہیں۔

لاشعور نے کہا، جب بندہ خود کو اللہ کے لئے وقف کر دیتا ہے تو وقت میں برکت ہو جاتی ہے۔

ایک روز عرض کیا، آپ کے لئے لکھنا چاہتا ہوں۔ دل محبت کا سمندر ہے اس کے باوجود الفاظ نہیں ملتے کہ کن لفظوں میں جذبات کا اظہار کروں۔ کیسے کہوں اور کیا بتاؤں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ الفاظ کی کمی کی وجہ جذبات میں کمی ہے؟

www.ksars.org

فرمایا، ''جذبات میں زیادتی ہے اس لئے احاطہ نہیں ہوتا۔''

خود سے پوچھا، محبت کیا ہے۔۔؟

اندر میں سے آئی۔۔ محبت، الحی القیوم ہے۔۔۔ زندہ اور قائم رکھتی ہے۔ ارشاد باری ہے،

''اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔'' (الاعراف: ۵۴)

اس نے یہ سمجھا کہ خلق۔۔۔ معین مقداریں ہیں اور اللہ مقداروں کا خالق ہے۔ امر وہ حکم ہے جس کے تحت مقداریں قائم ہیں۔ امر کی مقدار بھی معین ہے یعنی کائنات ایک معین وقت کے لئے قائم ہے اور یہ اللہ کی مخلوق سے محبت ہے جس نے مخلوق کو زندہ رکھا ہے۔

خسرو! دریا پریم کا الٹی واکی دھار
جو اترا سو ڈوب گیا جو ڈوبا سو پار

ڈوبنا غروب اور پار، طلوع ہونا ہے۔ جو یہاں ڈوبتا ہے وہ نئی دنیا سے روشناس ہوتا ہے۔ طلوع کا مطلب یہ ہے کہ شے کہیں موجود ہے۔ وہاں سے غروب ہو کر یہاں ظاہر ہو رہی ہے، یہاں سے غروب ہو کر وہاں ظاہر ہوتی ہے۔ غروب اور طلوع سے ٹائم اور اسپیس بدلتے ہیں۔ طلوع سے فاصلہ بڑھتا ہے، رفتار کم ہو جاتی ہے اور غروب ہونے سے رفتار بڑھتی ہے، فاصلہ کم ہو جاتا ہے۔ جس طرح طلوع خدوخال کا ظاہر ہونا ہے، غروب خدوخال کا اوجھل ہونا ہے۔ خدوخال کا غیب میں جانا شے کا ختم ہونا نہیں ہے، ایک مقام سے دوسرے مقام پر ظاہر ہونا ہے۔ آفس آنے سے بندہ گھر سے غائب اور آفس میں ظاہر ہوتا ہے، گھر واپس جا کر آفس میں غائب ہو جاتا ہے۔ گھر میں گھر اور آفس میں آفس کے قوانین (ٹائم اسپیس) ہیں۔ آفس میں گھر کا اور گھر میں آفس کا لباس نہیں پہنتے۔ اسی طرح مادی دنیا میں لباس مٹی کا ہے، یہاں سے جانے کے بعد اور یہاں پر آنے سے پہلے روشنی لباس ہے۔

www.ksars.org

دیکھتے ہیں مگر دیکھنا کیا ہے۔۔؟

آدمی خیال میں خیال بے خیال ہوتا ہے تو باہر کی دنیا غائب اور اندر میں نقش و نگار واضح ہوتے ہیں۔ نقش و نگار گہرے ہو کر مظہر بن جاتے ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ آدمی باہر دیکھ رہا ہے جب کہ قانون ہے کہ ہر شخص اندر دیکھتا ہے۔

آہٹ محسوس ہوئی اور وہ چونک گیا۔ اس لئے نہیں چونکا کہ کون آیا ہے کہ اس لئے کہ بظاہر آہٹ باہر سے آئی لیکن اس نے اندر میں محسوس کی جیسے کسی نے باہر نہیں، اندر Knock کیا ہو۔ آواز کہاں سے آئی۔۔ اور باہر دیکھنا کیا ہے، اس ہر غور و فکر جاری ہے۔

آہٹ سے ذہن متوجہ ہوا اور بہت ساری چیزیں ایک ساتھ نگاہ بنیں لیکن نگاہ میں گہرائی اس وقت پیدا ہوئی جب ذہن نے ساری چیزوں کو ایک ساتھ دیکھنے کے بجائے ایک چیز میں بہت ساری چیزوں کو دیکھا۔ بعض اوقات اسے ایک چیز میں بہت ساری چیزیں نظر آتی ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت ساری چیزوں کے باوجود کچھ نظر نہیں آتا۔ محسوس کیا کہ بہت ساری چیزوں کو ایک ایک کر کے دیکھنے کے بجائے ایک چیز میں ہر چیز کو دیکھنا آسان ہے۔

مضمون نگار مضمون لکھتا ہے۔ مضمون لکھتے وقت ذہن میں خیالات کی رو بہتی ہے جس کا تعلق کائنات میں قریب اور دور سے ہوتا ہے۔ مضمون نگار بات زمین سے شروع کر کے کہکشانی نظام پر ختم کرتا ہے کیوں کہ وہ لاشعوری طور پر جانتا ہے کہ زمین محض یہ زمین نہیں ہے جس پر ہم چل پھر رہے ہیں، کہکشانی نظام کی بنیاد بھی زمین ہے۔

علمائے باطن زمین کو بساط فرماتے ہیں، ایسی بساط جس پر روشنیاں پھیل کر قسم قسم کے نقش و نگار بناتی ہیں اور ہر نقش دوسرے نقش سے منفرد ہے۔ زمین کا مطلب بنیاد ہے جس پر کوئی شے قائم ہو۔

اس تعریف کی روشنی میں کائنات میں بشمول انسان ہر مخلوق ایک رخ میں زمین اور دوسرے رخ میں کوئی نہ کوئی مخلوق ہے۔

بات ہو رہی تھی ایک چیز میں بہت ساری چیزوں کو دیکھنا۔۔ یعنی ذرّہ میں متحرک کائنات پر غور کرنا۔ کائنات میں بے شمار ذرّات ہیں اور ہر ذرّہ میں کائنات ہے۔ کثرت میں وحدت کو تلاش کرنے سے ہر شے میں وحدت نظر آتی ہے۔

www.ksars.org

مرشد کریم نے غور و فکر کا حکم دے کر فہم کی جس دنیا سے روشناس کرایا ہے وہ بحر بے کنار ہے۔ ہر لفظ ایک کتاب ہے اور کتاب میں ہزاروں لاکھوں الفاظ ہیں۔ ایک شے پر غور کرنے سے اتنی ساری باتیں سامنے آتی ہین کہ جب وہ لکھنے بیٹھتا ہے تو بات مشکل ہو جاتی ہے مگر یہ بات ضرور ہے کہ غور و فکر ایسا سمندر ہے کہ ایک بار غوطہ لگانے والا کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ باہر آئے۔

بات گہری ہے اور آہستہ آہستہ کھل رہی ہے اس طرح کہ ہر بار نئی محسوس ہوتی ہے۔ درمیانی وقفہ ہر زاویہ کو نیا دکھاتا ہے ورنہ یہاں کچھ بھی نیا نہیں، ایک ہی بات کی تکرار ہے۔ جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، آدمی ہر بات کو نئی بات۔۔ ہر دن کو نیا دن سمجھتا ہے۔

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم رات کو دن میں داخل کرتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں۔ رات اور دن مسلسل ایک دوسرے میں داخل ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے میں سے باہر آ رہے ہیں۔ چوں کہ درمیان میں دن آجاتا ہے اس لئے ہر رات نئی محسوس ہوتی ہے اور دن کے بعد رات آجاتی ہے تو آنے والا دن نیا محسوس ہوتا ہے۔ نیا دن اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ بیچ میں وقفہ ''رات'' ہے۔ رات اس لئے نئی محسوس ہوتی ہے کہ بیچ میں وقفہ ''دن'' ہے۔

ہر شے دوسری شے سے اس لئے الگ محسوس ہوتی ہے کہ درمیان میں خلا یا اسپیس ہے۔ آپ کے ہاتھ میں پنسل ہے۔ پنسل کا ہاتھ میں نظر آنا بتاتا ہے کہ ہاتھ اور پنسل میں اسپیس (خلا) ہے۔ اسپیس نہیں ہوگی تو ہاتھ پنسل میں اور پنسل ہاتھ میں داخل ہو جائے گی۔

خلا اور قربت کو سمندر کی مثال سے سمجھنا آسان ہے۔

سمندر میں بظاہر خالی جگہ نظر نہیں آتی۔ پانی میں ہاتھ ڈالیے، ہاتھ پانی میں موجود اسپیس میں چلا جاتا ہے، پانی میں داخل نہیں ہوتا۔ داخل ہونے کا مطلب ہے کہ پانی اور ہاتھ ایک ہو گئے۔

ہاتھ کا سمندر کے پانی میں جانا بتاتا ہے کہ پانی میں جگہ ہے۔ جس پانی کو ہم بغیر اسپیس کے سمجھ رہے تھے وہ اسپیس ہے۔ اسپیس خالی جگہ نہیں بلکہ ایسا وجود ہے جس میں جذب کرنے اور جذب ہونے کی صلاحیت ہے۔

ایک طرف پانی میں قربت اور دوسری طرف دوری ہے۔ جب ہاتھ پانی میں جاتا ہے تو پانی راستہ بناتا ہے۔ یعنی سمندر خلا کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور کائنات میں خلا نہیں ہے۔ اللہ کا نور کائنات پر محیط ہے۔ ذرّہ میں نور ہے اور ذرّہ کی بنیاد بھی نور ہے۔

www.ksars.org

سمندر میں بظاہر پانی ایک دوسرے میں پیوست ہے لیکن ہم سمندر کے جس حصہ میں داخل ہوں، راستہ بن جاتا ہے۔ پھر پانی کہاں ہے۔۔؟

قسم قسم کی مخلوقات کا سمندر میں موجود ہونا بتاتا ہے کہ پانی اسپیس ہے۔ سمندر کی تہوں میں بلند و بالا پہاڑ اور پہاڑوں میں بڑے بڑے غار ہیں، باغات ہیں، معدنیات کا ذخیرہ ہے، آتش فشاں ہیں۔ جیسی دنیا خشکی پر نظر آتی ہے سمندر میں بھی ویسی ہی دنیا ہے۔

پہاڑوں میں پانی کے چشمے ہیں۔ پانی بہہ کر دریا میں داخل ہوتا ہے اور دریا کو سمندر قبول کرلیتا ہے۔ چشمہ کا پانی پہاڑ میں نکلتا ہے۔ پہاڑ کی بنیاد میں پانی، زمین کے اندر سے ہوتا ہوا سمندر کے پانی سے ملتا ہے۔ چشمہ کی بنیاد سمندر اور سمندر کی بنیاد پانی کا چشمہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں پانی دائرہ میں بہہ رہا ہے۔ نہیں معلوم کہ شروع کہاں سے ہوتا ہے اور ختم ہو بھی رہا ہے یا نہیں۔

پانی بخارات کی شکل میں صعود کرتا ہے، بادل بنتے ہیں اور بخارات پانی بن کر واپس زمین پر برستے ہیں۔ پانی میں کہیں بھی دوری نہیں ہے۔ پانی کے سانچے تبدیل ہو رہے ہیں۔ ہم سانچوں کی تبدیلی کو دیکھتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھ رہے کہ پانی ایک ہے۔

چشمے، نہریں، دریا سمندر اور بادل وغیرہ سب سانچے ہیں۔ قانون یہ بنا کہ دریا اور سمندر دوری ہے۔ ان میں پانی قربت ہے۔ اس نے سوچا چشمہ، دریا اور سمندر پر الگ الگ غور کرنے کے بجائے اس شے پر غور کیا جائے جو سب میں مشترک ہے، دریا سمندر خود بخود زیر بحث آجائیں گے اور پانی سے واقف ہونے والا پانی کے ہر مقام کا تعارف حاصل کرلے گا۔

وہ طلوع و غروب پر غور کر رہا تھا۔ ہر شے کے گھٹنے بڑھنے میں طلوع و غروب کا قانون نظر آیا۔

خلا (اسپیس) اور قربت بھی طلوع و غروب ہے۔ طلوع اور غروب میں ٹائم اور اسپیس زیر بحث آتے ہیں۔ ہر شے میں زمان و مکان کارفرما ہے۔

خلا۔۔۔ طلوع ہونا اور قربت۔۔۔ غروب ہے۔ غروب کا مطلب زوال نہیں ہے جو ہم سمجھتے ہیں۔ غروب بقا ہے۔ یعنی فاصلوں کا کم ہونا قربت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

www.ksars.org

''بے شک رات کو اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے، بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔''(المزمل:٦)

یہاں زمان و مکان کی نفی اور رفتار کا قانون بیان ہوا ہے۔ رات کے اس خاص وقت سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خود کو اس ہستی کے سپرد کیا جائے جو زمان و مکان کے قانون سے واقف ہے اور جس کے لئے کائنات مسخر ہو گئی ہے۔ ارشاد باری ہے،

''اے ایمان والو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔''
(المائدۃ:٣٥)

وسیلہ مرشد ہے۔۔مرشد استاد ہے۔ علم کے لئے استاد شاگرد کے رشتہ میں استاد کا علم وسیلہ بنتا ہے۔ اس بات پر غور کیجئے، انشاءاللہ فہم کے پٹ کھلیں گے۔

عجیب بات ہے جب کہ عجیب نہیں ہے کہ ذہن میں قوانین سے واقفیت کا خیال آنے پر دل بے چین ہو جاتا ہے۔ دل کہتا ہے کہ علم کی خواہش نہیں ہے، وہ صرف فرماں بردار بننا چاہتا ہے، اس نے بیعت (شاگردی) کی ہے۔۔ بیعت وفا ہو جائے۔

اندر کی آواز سننے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ خود کو آواز کے تابع کر دیا ہے، پہلے اپنی مرضی کرتا تھا اس لئے ذہن منتشر تھا۔ آواز پر عمل کرنے سے سارے کام ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات بغاوت ابھرتی ہے، غصہ آتا ہے لیکن ایک روز مرشد نے فرمایا، ''غلطی فوراً تسلیم کیا کرو۔''

لہذا خود سے کہنا شروع کیا ہے کہ یہ نہیں سوچنا کہ کوئی بات کیوں کہی جارہی ہے اور وہ حکم کی تعمیل کیسے کرے گا۔ بس کام کرنا ہے۔ کیسے ہو گا، یہ سوچنا اس کا کام نہیں ہے۔

ذہن آواز کی طرف متوجہ نہ ہونے سے شیطانیت غالب آجاتی ہے۔

خیال نے کہا، تم شیطان کو برا بھلا کہتے ہو لیکن شیطان کون ہے، اس پر غور نہیں کرتے۔ شیطان کسی کے سر پر بندوق نہیں رکھتا۔ جھوٹ بولنے والا جھوٹا، چغل خوری کرنے والا چغل خور اور حسد کرنے والا حاسد ہے اسی طرح شیطانی کام کرنے والا شیطان ہے۔ یہ سن کر اس نے سوچا کہ خیال کی ایک بات بہت اچھی ہے کہ خیال صرف وہی شخص سنتا ہے جس کو خیال آتا ہے۔

www.ksars.org

خیال بے رنگ ہوتا ہے۔ بندہ بے رنگ خیال میں رنگ بھرتا ہے۔ ایک رنگ اللہ کا ہے اور دوسرا رنگ اللہ سے بغاوت کا ہے۔

''ہم نے رنگ لیا اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔''(البقرۃ:۱۳۸)

وہ طلوع و غروب پر غور کر رہا تھا تو لاشعور نے راہ نمائی کی کہ طلوع اور اطلاع کے الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ اطلاع طلوع۔۔
طلوع ہونا اطلاع ہے۔ اطلاع کا تعلق لاشعور سے ہے یعنی لاشعور اپنے حال کی شعور کو خبر دیتا ہے۔
اطلاع ملنا، راز کا کھلنا ہے۔ معنی پہنانے سے اطلاع رد ہو جاتی ہے۔ راز اس وقت کھلتا ہے جب بندہ معنی کے بجائے من و عن اطلاع قبول کرے۔ تقویٰ اس کا قانون ہے۔

''اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم پر غیب منکشف کر دے۔ وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اگر ایمان اور تقویٰ کی روش پر چلو تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔'' (ال عمران:۱۷۹)

لکھتے وقت ذہن پر دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ ایسے میں وضاحت کے لئے الفاظ نہیں ملتے اور لکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر بات لکھ نہیں سکتا اور جو کہنا چاہتا ہے وہ لکھنا نہیں آتا۔ اس کیفیت نے اسے باور کرایا کہ وہ بے اختیار (Dependent) ہے۔
آنکھیں بند کیں اور اندر جھانکا۔ سوچا دیکھتا ہوں، نظر کیا آتا ہے۔ گھپ اندھیرا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اندھیرے میں لکیریں نظر آنے لگیں اور خدوخال بنے۔ کچھ دیر یہ منظر رہا۔ سونے کی تیاری کی اور لائٹ بند کر کے لیٹ گیا۔ ہر شے اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اندھیرے سے مانوس ہوا اور اندھیرے کی تاریکی چھٹنے لگی۔۔ کمرے میں اشیا نظر آئیں یہاں تک کہ منظر واضح ہو گیا۔
اس نے یہ سب غور سے دیکھا۔ اندر میں اسپارک ہوا۔

www.ksars.org

خود سے پوچھا، آنکھیں بند کرنے اور لائٹ بند کرنے میں کیا فرق ہے؟

خیال نے کہا، کوئی فرق نہیں۔ آنکھیں بند کریں تو اندھیرا اندھیرا نظر آتا ہے لیکن ہم مانوس ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ اندھیرے میں موجود روشنی تلاش نہیں کرتے اس لئے اندر اندھیرا رہتا ہے۔ مراقبہ کا ثمر یہ ہے کہ نظر مرکوز ہو جائے تو اندھیرا روشنی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ بات مرشد کریم سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا، ''شب و روز، ماہ و سال سب یقین کے اوپر قائم ہیں۔ شعور کے دن رات روشنی اور ندھیرا ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اندھیرا بھی روشنی ہے بظاہر شعور کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ہم اندھیرے میں بھی دیکھتے ہیں۔''

www.ksars.org

خویش را کم تر زہر ناداں شمر

ایک بار ''شرح لوح و قلم'' پڑھتے وقت ذہن میں فلم ریلیز ہوئی۔ نوٹ کر لیتا تو علم کا ذخیرہ ہو جاتا لیکن محض نشان لگانے پر اکتفا کیا کہ بعد میں ان سطروں پر غور کرے گا۔ تھوڑے دنوں بعد کتاب اٹھائی، الفاظ پڑھے لیکن وہ باتیں یاد نہ ائیں جو پہلی مرتبہ پڑھتے وقت ذہن پر وارد ہوئیں۔

آج پھر لکھتے وقت ذہن خالی ہو گیا۔ نہیں معلوم اس کو ذہن خالی ہونا کہتے ہیں یا سن ہو جانا۔ بہر حال بہت سوچا کہ جو لکھنا چاہتا ہوں وہ یاد آ جائے لیکن خیال بے خیالی کے پردہ میں چھپ چکا تھا۔ قرآن کریم میں تفکر کیا، نکات نوٹ کئے لیکن معنی و مفہوم بھول گیا۔ معلوم نہیں یہ باتیں کیوں لکھیں اور جب لکھیں اس وقت کیفیت کیا تھی۔

شیخ سے عرض کیا، سر! ''شرح لوح و قلم'' پڑھتے وقت صفحات پر نشانات لگائے مگر جو لکھنا چاہتا تھا وہ اب ذہن میں نہیں۔ قرآن کریم میں تفکر کیا لیکن لکھنے بیٹھا تو ذہن خالی تھا۔

فرمایا، ''جس وقت خیال آئے، جو کچھ اس خیال میں ہے، مفہوم کے ساتھ نوٹ کر لیا کرو تا کہ بعد میں پڑھتے وقت یاد آ جائے کہ کیوں لکھا تھا۔ خیال لوح محفوظ سے آتا ہے، نہیں معلوم واپس کب آئے۔ یہ آمد ہوتی ہے۔ جس کی کیفیت میں وہ خیالات آئے تھے، ذہن کو اس کیفیت میں دوبارہ جانے میں وقت لگتا ہے۔''

اندر میں سے کسی نے پوچھا، کبھی غور کیا ہے کہ ذہن کا سن ہونا کیا ہے؟ بالخصوص ایسے وقت میں جب آدمی پریشان بھی نہ ہو لیکن ذہن سن محسوس ہو۔

اس نے کہا، اطلاع کے بہاؤ میں رکاوٹ؟

آواز نے کہا، اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے۔

سوچا کہ پھر کیا وجہ ہے۔

اندر میں جھماکا ہوا اور مرشد کریم کی بات یاد آئی۔ فرماتے ہیں کہ جو شے نظر نہ ائے ہم اسے خلا کہہ دیتے ہیں جب کہ خلا بھی وجود ہے۔

www.ksars.org

اس نے کہا، ہم جسے خلا کہتے ہیں وہ ہماری فہم کی حد سے باہر ہے۔ نظر دھندلا جانے سے خلا نظر آتا ہے۔ خلااور ذہن کا سن ہونا ایک ہے۔ ذہن اس لئے سن ہوا کہ اس وقت خیال میں جو کچھ ہے وہ فہم کی حد سے باہر ہے۔ سوال یہ ہے کہ خیال کا مطلب ہے کہ وہ کسی نہ کسی حد تک فہم کی range میں ہو۔ پھر ایک شے خیال میں آکر رینج سے باہر کیسے ہوئی۔۔۔؟

خیال بولا، اس وقت شعور کسی ایسی شے میں الجھا ہوا ہوتا ہے جس سے فہم کی سطح معمول سے کم ہو جاتی ہے۔

خیر ! بات یہ سمجھ میں آئی کہ لکھنا نہیں آئے تو پریشان نہیں ہونا، لکھتے رہنا ہے۔

بظاہر اس تحریر میں ربط نہیں ہے لیکن تحریر بے ربط بھی نہیں ہے اس لئے کہ جس کیفیت میں لکھی گئی ہے اس کیفیت میں ربط ہے۔

ایک روز مرضی کے خلاف کام ہونے پر ذہن بھاری ہو گیا۔ توجہ ہٹانے کی کوشش کے باوجود ذہن یک سو نہ ہو سکا اور دیگر کام متاثر ہو گئے۔ دن میں سوچوں کا عکس ذہن پر نقش ہوا اور خواب میں انتشار نظر آیا۔

سرور کونین۔۔۔ رحمتہ للعالمینؐ فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یعنی مقداریں معین ہیں۔ آدمی سے گلاب اور گلاب سے شاہین پیدا نہیں ہوتا، آدمی سے آدمی، گلاب سے گلاب اور شاہین سے شاہین کی نسل بڑھتی ہے۔ نیک عمل کی جزا نیکی ہے اور نیکی۔۔ قربت ہے۔ عملِ بد کا نتیجہ بے سکونی اور بے سکونی۔۔ اللہ سے دوری ہے۔

مرشد کریم سے بار بار سنا کہ کائنات میں ربط ہے۔ محاسبہ کیا تو لاشعور نے راہ نمائی کی اور ربط کا ایک مطلب یہ سمجھ میں آیا کہ ہر عالم دوسرے عالم کی تصویر کشی ہے۔ ایک عالم کا عکس دوسرے عالم میں مظہر ہے۔ واقعات میں تسلسل نہ ہو تو ربط کیسے قائم ہو گا۔۔؟ سوال یہ ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد وہی ملے گا جو یہاں کیا لیکن سوال یہ بھی ہے کہ جو یہاں کیا وہ کہاں سے آیا، یہاں پر آنے سے پہلے کیا ہے۔۔؟

روزانہ محاسبہ کرنے پر احساس ہوا کہ ج مرضی کے خلاف کام ہوتا ہے تو ذہن بھاری ہو جاتا ہے۔ ایسا ایک نہیں، اتنی مرتبہ ہوا کہ یہ عمل عادت بن گیا۔ جو بات عادت بن جائے وہ غلط محسوس نہیں ہوتی۔ وہ عادت اس لئے بنی کہ اسے صحیح سمجھا گیا۔

www.ksars.org

خیال بولا کہ تمہارے اندر قبولیت نہیں ہے۔ قبولیت کا تعلق ظرف سے ہے۔ سمندر کو دیکھو کتنا وسیع ہے۔ ہر شے کو جگہ دیتا ہے لیکن جو شے تعفن پھیلاتی ہے اسے باہر پھینک دیتا ہے۔ کسی کو جگہ دینے سے سمندر کی وسعت کم نہیں ہوتی۔۔۔ بڑھ جاتی ہے۔ زمین اور فضا کی بھی یہی صورت ہے۔ کائنات کی فطرت میں قبولیت ہے۔ قبول کرنا۔ آگے بڑھنا ہے۔۔۔ بات یہ ہے کہ مرضی کے خلاف کسی عمل کو قبول کرنا اس طرح کہ وہ نظر انداز ہو جائے۔۔ راستہ بنانا ہے۔

نظر انداز کرنے اور رد کر دینے میں فرق ہے۔ نظر انداز۔۔۔ دیکھ کر بھی نہیں دیکھنے کو کہتے ہیں کہ ہماری نظروں میں اس شے کی اہمیت نہ ہو۔ دوسری طرف رد کرنے سے رد عمل ہوتا ہے۔

خیال بولا، راستہ دینے والا اس جگہ یا شے کو امانت سمجھتا ہے۔ خیانت نہ ہو تو مزید امانتیں سپرد کی جاتی ہیں ورنہ چور کو خزانہ کی چابی کون دے گا۔۔؟

تین سال پہلے خواب میں سورہ بقرۃ کی آخری آیت کثرت سے پڑھنے کی تاکید کی گئی۔

''اے رب ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں، ان پر گرفت نہ کر۔
مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔
پروردگار جس بار کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رکھ۔
ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے در گزر فرما، ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولیٰ ہے،
کفار کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔'' (البقرۃ:۲۸۶)

عربی اور ترجمہ دونوں یاد کیا تا کہ عربی پڑھتے وقت معلوم ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ فانصرنا علی القوم الکافرین کا مطلب کیا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ تو کسی کافر سے حالت جنگ میں نہیں ہے پھر اس آیت میں کیا حکمت ہے۔۔؟

آواز آئی، کفر کا مطلب رد کر دینا یا انکار کرنا ہے۔ اللہ کی رضا میں راضی نہ ہونا۔ انکار ہے۔ انکار بغاوت اور بغاوت کفر ہے۔ خوف و غم اور مایوسی و ناشکری علامات ہیں۔

اس نے سمجھا کہ فانصرنا علی القوم الکافرین، نفس پر فتح پانے کی دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

www.ksars.org

''پھر کیاتم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا۔اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیااور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگادی وراس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔اب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے۔کیا تم لوگ سبق نہیں لیتے۔''(الجاثیہ:۲۳)

سورہ بقرۃ کی مذکورہ ایت میں حملنا اور حملتہ کا بھی ذکر ہے۔اس کا مطلب اس وقت سمجھ میں آیا جب مرشد کریم سے پوچھا،بعض رویے ایسے ہوتے ہیں جن سے معاملات متاثر ہو جاتے ہیں،میں چڑ جاتا ہوں اور اس بندہ سے کوفت ہوتی ہے۔

فرمایا،''جس پر آپ کو غصہ آیا،اس نے جو کیا یا کہا،وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔اسے اب یاد بھی نہیں اور آپ کڑھتے رہے۔آپ کسی کو نہیں بدل سکتے۔صرف اپنے آپ پر کام کرنا ہے۔کوئی کچھ بھی کرے،متاثر نہیں ہونا۔اچھا یہ بتایئے کہ آپ کہیں جارہے ہیں،راستہ میں جانور مرا ہواہے اور وہاں تعفن ہے تو کیا کریں گے۔؟''

عرض کیا،آگے بڑھ جائیں گے۔

''اور اگر رک گئے۔۔۔؟''

بدبو آتی رہے گی۔

فرمایا،''تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد بدبو نہیں آئے گی یعنی آپ ماحول کا حصہ بن گئے اس لئے گزر جاؤ۔''

صاحبِ طریقت کی بات سے ذہن میں کئی در روشن ہوئے۔

آدمی کسی کا ذکر کرتا ہے،اس ذکر میں محبت ہو یا نفرت۔دونوں صورتوں میں کیفیات غالب ہو جاتی ہیں۔ہماری اور اس شخص کی سوچ کی مقداریں کسی حد تک ایک ہونے سے نفرت یا محبت محسوس ہوتی ہے یعنی ہم اس کے عمل میں شریک ہو گئے۔شراکت کے بغیر جذبات کا تاثر قائم نہیں ہوتا۔کسی کی تکلیف کا ادراک اس وقت ہوتا ہے جب آدمی خود اس کیفیت سے گزرتا ہے۔

www.ksars.org

تجربہ ہے کہ مادی چیزیں، شکوے شکایات اور لوگوں کے رویوں کی تکرار سے بے چینی اور خوف و غم کی کیفیات ہوتی ہیں۔ ہوتا کچھ بھی نہیں ہے لیکن ایک کے بعد ایک بات رائی کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ آدمی سکون سے دور اور چہرہ بے رونق ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف اللہ کا ذکر ہو، رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اولیائے کرام کی قربت ہو۔ قربت مقصد بن جائے تو سکون کی طرزیں غالب ہو جاتی ہیں۔ اب ذہن کی فریکوئنسی اس فریکوئنسی کے قریب ہو رہی ہے جس میں غم میں خوف و غم نہیں ہے۔

بات یہ سمجھ میں آئی کہ جب ہم کسی کا ذکر کرتے ہیں تو ہماری اور اس کی مقدار متوازن ہو جاتی ہے۔

عرض کیا، میں اس خامی پر قابو کیوں نہیں پالیتا؟

فرمایا، ''آپ اپنی اہمیت چاہتے ہیں۔ اگر آدمی اپنی پیدائش پر غور کرے تو اسے غصہ نہیں آئے گا۔ بتایئے آپ کی ابتدا کس سے ہوئی؟''

عرض کیا، اسپرم سے۔

''اسپرم کیا ہے؟''

غلاظت ہے۔

''رحم میں نشوونما کیسے ہوئی؟''

ایسی خوراک سے جس کے اخراج سے نماز معاف ہو جاتی ہے۔

''جب دنیا میں ائے تو غذا کیا بنی؟''

عرض کیا کہ خون اور گوبر کے درمیان میں سے دودھ غذا بنتا ہے۔

''بتایئے ہماری خوراک میں کون سی ایسی چیز ہے جس میں بدبو نہ ہو۔۔؟ ہر فصل میں کھاد استعمال ہوتی ہے۔ کھاد کیا ہے۔۔۔؟''

عرض کیا، فضلہ۔

''جب تک کھاد نہ ڈالیں، فصل آتی ہے؟''

جی نہیں۔

''مرنے کے بعد اگر بروقت تدفین نہ ہو تو کیا ہوتا ہے۔ لوگ ناک پر رومال نہیں رکھ لیتے؟''

جی، رکھ لیتے ہیں۔

www.ksars.org

''ہم کیا کھا رہے ہیں؟''

وہ خاموش رہا۔

''اب یہ بتایئے بیٹا کہ آدمی کی حیثیت کیا ہوئی؟''

فرمایا، ''یہ یاد رکھیں کہ انسان الگ اور آدمی الگ ہے۔۔انسان احسن تقویم ہے۔''

حضور! میں کوشش کروں گا کہ خامی دور ہو۔

فرمایا، ''یہ آپ نے پہلے بھی کہا تھا۔''

سخت شرمندہ ہوا۔

عرض کیا، مجھے علم ہے کہ غصہ نہیں کرنا لیکن جب عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو یاد نہیں رہتا اور غلطی کے فوراً بعد یاد آ جاتا ہے۔

مرشد کریم نے فرمایا، ''جب کہ راہ نمائی غلطی سے پہلے کی جاتی ہے مگر غصہ کے ابال کی وجہ سے آدمی سنتا نہیں۔ جب کہ غصہ پر قابو پانا ارادہ میں شامل نہیں ہوگا، غصہ آئے گا۔ یہ ایک وقت میں نہیں ہو جاتا، اس میں وقت لگتا ہے یہ بتایئے آپ نے میٹرک کیا ہے، کتنا وقت لگا۔۔؟''

عرض کیا، دس سال۔۔وہ مسکرائے اور شعر پڑھا،

گر چہ دانا باشی و اہلِ ہنر
خویش را کم تر زہر ناداں شمر

فرمایا، ''اگر تم دانا اور ہنر مند بننا چاہتے ہو تو خود کو دنیا کے بے وقوف آدمی سے کم تر اور برے آدمی سے بدتر شمار کرو۔''

گھر جاتے ہوئے اس نے سوچا، کوئی بھی کام کیا جائے، بات بالآخر رویوں پر آ جاتی ہے۔ زندگی رویوں سے بنتی ہے۔ ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں لیکن منزل تک پہنچنے میں طرزِ عمل رکاوٹ ہے۔ رویہ صراطِ مستقیم کے مطابق نہ ہو تو زندگی خوف و غم، ناکامیوں اور مایوسی کی تصویر ہے۔

حمل بوجھ کو کہتے ہیں اور بوجھ میں ثقل ہے۔ ثقل سے آدمی اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ سورہ بقرۃ کی آیت میں دو مرتبہ بوجھ (حمل) کا ذکر ہے کہ یا اللہ ہمیں اس ثقل سے محفوظ رکھ جو خواہشات کو مقصد زندگی بنانے اور دنیا کے رنگ میں رنگ جانے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور آدمی عرفان الٰہی سے دور ہو جاتا ہے۔

www.ksars.org

بُو۔۔خوش بُو

جب کبھی وہ واقف اسرار کن فیکون، نظام تکوین میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز ابدالِ حق حضور قلندر باباؒ اولیاءؒ کی شخصیت اور ان کی تعلیمات پر تفکر کرتا ہے کہ ابدالِ حق کی ہستی کن اعلیٰ اوصاف کی حامل ہے اور انہوں نے نوعِ جن وانس کو جن کی تعلیمات سے روشناس کرایا ہے، وہ کیا ہیں۔۔۔؟ لاشعور راہ نمائی کرتا ہے، اطلاع آتی ہے، دماغ کی اسکرین پر بکھر جاتی ہے، لہروں میں باوقار ہستی کا عکس بنتا ہے اور غیب کی آواز بولتی ہے کہ ابدالِ حق کی تعلیمات سے واقف ہونا ہے تو اپنے مرشد کریم سے دوستی کرو کیوں کہ ابدالِ حق کی تعلیمات تمہارے مرشد ہیں۔

اندر میں آواز کہتی ہے کہ استاد جسے اپنا ذہن عطا کر دے، وہ شاگرد ہے اور شاگرد استاد کا عکس ہے۔

ذہن منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبول کرنے والے نے نفی کر کے خود کو مرشد کے حوالہ کر دیا۔ خیال کہتا ہے کہ مرید خول اور خول میں جان مرشد ہے۔ ذہن ایک اور قالب دو ہوں تو اسے دو نہیں کہتے۔۔۔ وہ ایک ہیں۔ ایک ہونے کے باوجود دو اس لئے نظر آتے ہیں کہ اگر ایک نظر آئیں تو شعور سوال بن جائے گا۔

ایک روز دل کے مکین سے پوچھا، یہاں سے جاتا ہوں، تشنگی رہ جاتی ہے۔ اپنا آپ خالی محسوس ہوتا ہے۔ لگتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔ ایسا کیوں ہے۔۔۔؟

فرمایا، ''وجود تکمیل چاہتا ہے۔''

حضور! تکمیل کیسے ہو۔۔۔؟

''چینی اور پانی سے شربت بنتا ہے۔ شربت بنانے کے لئے کیا کرتے ہیں؟''

چینی اور پانی ملاتے ہیں۔

''چینی پانی میں کب ملتی ہے۔۔؟''

چینی پانی میں گھل جاتی ہے۔

''چینی پانی میں کب گھلتی ہے۔۔؟''

جب دونوں کی مقداریں ایک ہو جائیں۔

www.ksars.org

فرمایا، ''یہی آپ کی بات کا جواب ہے!''

پانی کی اسپیس بڑی اور چینی کی چھوٹی ہے۔ چینی پانی میں حل ہونے کے لئے اپنی نفی کرتی ہے اور فنا ہو کر اسے بقا ملتی ہے۔ ایک بار قلندر باباؒ کے بارے میں کچھ پوچھا تو فرمایا،

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

وضاحت فرمائی، ''میں تو ہو جاؤں تو میں ہو جا، میں بدن ہو جاؤں تو جان ہو جا۔ تخلیق کے دو رخ اس طرح ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں کہ دیکھنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ایک تصویر الگ ہے اور ایک تصویر الگ!''

مرشد کریم نے جب اپنے عظیم مرشد کا ذکر کیا تو چہرہ پر محبت کی مٹھاس گہری ہو گئی اور آنکھوں میں سلیٹی رنگ کے گرد نیلگوں کناروں میں خمار چھا گیا۔ مسکراہٹ اتنی خوب صورت کہ۔۔۔؟

استاد کا احترام کیا ہوتا ہے، یہ مرشد سے سیکھا ہے۔

ایک مرتبہ کسی تحریر میں ابدالِ حق کا ایک قول شامل کیا جو عام فہم سے بالا تھا۔

شیخ نے فرمایا، ''اسے مت لکھو، سمجھ میں نہیں آئے گا۔''

اس نے ان سطروں پر لکیر پھیر دی، واضح کرنے کے لئے کہ مضمون میں شامل نہیں کرنا ہے۔

شیخ نے تحریر سے الفاظ کو کاٹتے دیکھا تو یہ بات ناپسند ہوئی اور فرمایا،

''قلندر بابا اولیاؒ کی تحریر پر کبھی لکیر مت پھیرنا۔۔۔ یہ گستاخی ہے۔ دائرہ بنا دیا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ جو انہوں نے فرمایا وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔''

www.ksars.org

اس روز زندگی کا بہت بڑا سبق سیکھا کہ یہ اور اس کے علاوہ کتنی باتیں ایسی ہیں کہ بے ادبی ہو جاتی ہے لیکن احساس نہیں ہوتا۔ تحریر لکھنے والے کا ذہن، ان کے الفاظ ہیں۔ ہر عمل طرز فکر کی نشان دہی ہے۔ بہر حال عام لفظ ہو یا خاص ۔۔ وہ سب پر دائرہ بنا دیتا ہے۔

دائرہ بنانے سے زندگی دائرہ میں آتی ہے۔ دائرہ محدود لیکن اپنی طرزوں میں لا محدود ہے۔ یہ اللہ کی صفت محیط، صفت قدیر و قادر، حاضر و ناظر، اول و آخر اور ظاہر و باطن کی صفات کی علامت ہے۔ دائرہ پر اللہ محیط ہے۔ سمجھ میں یہ آتا ہے صفات، ذات سے الگ نہیں لیکن ذات اور ہے اور صفات اور۔ ذات پر محیط ہے۔

ذہن کا منتقل ہونا دوئی ختم ہونا ہے۔ ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ ۔۔ نظامِ تکوین میں صدر الصدور ہیں۔ رحمتہ للعالمین حضرت محمدؐ کے حکم سے "لوح و قلم" تحریر فرمائی۔

شیخ فرماتے ہیں کہ "میر اسارا علم 'لوح و قلم' ہے۔ قلندر باباؒ نے 'لوح و قلم' لکھوانے کے لئے صبح چار بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ فرماتے تھے، میں الفاظ سنتا اور لکھتا جاتا تھا۔ آواز کے ساتھ ان کے ماتھے پر اسکرین چلتی تھی ، میں آواز کے ساتھ الفاظ کا مشاہدہ بھی کرتا تھا۔ ایک طرف ان کی آواز اور پھر قلم چلتے دیکھنا، ذہن پر بہت دباؤ پڑتا تھا جس سے میں سو جاتا تھا۔۔۔ وضو کے مرشد کریم "لوح و قلم" کے امین۔ "لوح و قلم" قرآن کریم کی تفسیر ۔۔ تخلیقی فارمولوں کی دستاویز ہے۔ تخلیقی فارمولے، علم الاسماہیں جو کن فیکون یا کائنات کی تخلیق کا علم ہے۔

سائنس جن رازوں کو تلاش کر رہی ہے وہ سب قرآن کریم میں ہیں۔ جیسے کہ ،

☆ ٹائم اور اسپیس کی پہنائیاں کیا ہیں۔

☆ شے (ہر نوع) کیا ہے اور کن مقداروں کا مرکب ہے۔

☆ لہریں کس طرح تخلیق ہوتی ہیں اور لہروں کے دوش پر وجود ایک مقام سے دوسرے مقام پر کیسے منتقل ہوتا ہے۔

☆ چاند، سورج، کہکشانی نظام، اجرامِ فلکی، زمین اور زمین کے اندر موجود دنیا کا نظروں کے سامنے آنا کیا ہے۔

☆ مادی سائنس کا انحصار مادی آلات پر ہے جس کے نتائج قیاس پر مبنی اور محدود ہیں جب کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

www.ksars.org

"اے جن وانس، تم زمین اور آسمان کے کناروں سے نہیں نکل سکتے، مگر سلطان سے۔"
(الرحمٰن:۳۳)

اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ مرشد بادشاہ ہیں اور بادشاہ کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے۔☆امر کیا ہے اور امر کا قانون کیسے کام کرتا ہے۔اللہ احسن الخالقین ہے یعنی تخلیق کرنے والوں میں بہترین خالق۔یہ اشارہ ہے کہ اللہ نے تخلیق کا علم اپنے خاص بندوں کو عطا کیا ہے جو اللہ کے حکم سے کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔اسرار و رموز بہت ہیں اور صفحات کم!

شیخ طریقت کو قریب سے دیکھنے کا جتنا موقع اللہ نے عطا کیا، یہ جانا کہ شیخ کا ذہن اپنے مرشد سے نہیں ہٹتا۔ہر بات میں ابدالِ حق حضور قلندر باباؒ اولیاؒ کا نام آجاتا ہے کہ،

انہوں نے یہ فرمایا۔۔۔۔

انہوں نے یہ فرمایا۔۔۔۔

انہوں نے یہ فرمایا۔۔۔۔

ایک مرتبہ تحریر لکھواتے ہوئے شیخ رک گئے اور فرمایا، "نہیں! یہ نہیں لکھنا، منع کردیا ہے!"

وہ چونک گیا اور یہ سیکھا کہ ٹائم اور اسپیس روحانی ہستی کے تابع ہیں۔

خوش نصیبی سے اللہ کا دوست۔۔دوست بن جائے تو ہر لمحہ قرب ہے۔مرشد کریم دن رات علم کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں تاکہ نوعِ آدم اور نوعِ جنات اللہ کا عرفان حاصل کر کے سکون سے آشنا ہوں۔جو باغ ابدالِ حق نے لگایا ہے، شاگرد رشید نے اس کی خوشبو دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور بڑی حد تک اللہ نے کامیابی عطا فرمائی ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ "مرشد مکمل ایثار ہوتا ہے۔ابدالِ حق نے سولہ سال شب و روز میرے گھر قیام کیا۔مجھ سے غلطی ہوتی تو ان کا رویہ مشفق باپ اور استاد کا تھا۔ہمیشہ درگزر فرمایا اور محبت سے خامیوں کی اصلاح کی کہ پھر جس بات سے انہوں نے منع فرمایا الحمد اللہ میں نے کبھی نہیں کیا۔ان کا معمول تھا کہ ہفتہ کے روز گھر جاتے اور پیر کی شام آفس کے بعد واپس آجاتے۔صلبی و روحانی، دونوں اولادوں کی ذمہ داری بحسن و خوبی ادا کی۔"

www.ksars.org

اس نے شیخ سے عرض کیا کہ شاگرد مرشد کے قرب کے لئے تڑپتا ہے۔ آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ خود مرشد کریم نے آپ کے گھر قیام فرمایا۔ اب جب میں آپ کا قرب چاہتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ سولہ سال معمولی عرصہ نہیں ہے۔ تربیت کا ایک دور مکمل ہوا اور سولہ سال کی رفاقت کے بعد وہ گھر واپس گئے۔ آپ نے کیسے برداشت کیا؟

فرمایا، ''میں برداشت نہیں کر سکا۔ بہت برا حال تھا۔ کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ گھر کی زیارت سے سکون ملتا تھا۔''

وہ سوچتا ہے کہ ابدالِ حق کیسے ہیں۔۔۔؟

دل کہتا ہے کہ تمہارے مرشد کے جیسے ہیں۔

بہت مرتبہ خیال آیا کہ ابدالِ حق کا شکر ادا کرنا چاہئے لیکن مرشد کریم سے کیسے کہتا۔ شکریہ تو اس وقت ادا ہوتا ہے کہ جب نعمت کی قدر کی ہو۔ کوتاہیوں اور خامیوں کا احساس اس قدر بڑھ جاتا کہ زبان ساتھ نہ دیتی اور شکریہ ادا نہ کرنے پر اندر میں کوئی ملامت کرتا۔

ایک روز یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ جیسا بھی ہوں، شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

حضور! کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ بہت مرتبہ دل میں خیال آیا لیکن ہمت نہیں ہوئی۔

''کہو، کیا کہنا ہے۔۔۔؟''

میری طرف سے قلندر باباؒ اولیاءؒ کا شکریہ ادا کر دیں کہ ہمیں آپ مل گئے۔

چہرہ پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔

فرمایا، ''آپ خود شکریہ ادا کر دیں۔''

سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ وہ تو اپنے مرشد کے سامنے اتنی مشکل سے یہ بات زبان پر لایا لہذا اس بات پر خاموش رہا۔

فرمایا، ''میں بھی کہہ دوں گا، آپ بھی شکریہ ادا کریں۔''

وہ خیال میں بے خیال ہو جاتا ہے۔ اب جو کام کرتا ہے اس طرح کہ مرشد دیکھ رہے ہیں۔ ان سے باتیں کرتا ہے، سوال پوچھتا ہے، جواب ملتے ہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ جب تصور احساس میں تبدیل ہوا تو عود کی خوش بو پھیل گئی۔ بس مظہر بننے کا مرحلہ باقی ہے۔ قرب کی تڑپ بڑھنے سے گداز آنکھوں سے بہنے لگتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیا کروں کہ احساس مظہر بن جائے۔

www.ksars.org

خدمت میں حاضر تھا۔ عرض کیا، حضور! ملاقات میں تعطل آجائے تو۔۔۔

مسکرائے اور فرمایا، ''برداشت نہیں ہوتا۔''

عرض کیا، جی ذہن منتشر اور میں بے حال ہو جاتا ہوں۔

فرمایا، ''اپنے دل میں دیکھو۔۔۔ دنیا مسافر خانہ ہے۔۔۔ جو آتا ہے وہ چلا جاتا ہے اور جہاں چلا جاتا ہے وہاں سے نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ دل میں دیکھو، دل کا دیکھا جھوٹ نہیں ہوتا۔ میرا یہ عالم تھا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھ کر اپنے پیر دباتا تھا کہ میں قلندر باباؒ کے پیر دبا رہا ہوں۔ میں خود سے الگ سمجھتا ہی نہیں تھا۔''

اس نے سوچا کہ مرشد کی باتیں قصے کہانیاں نہیں ہیں، ان میں سبق ہے۔

احساس اس وقت مظہر بنتا ہے جب ذہن یک سو ہوتا ہے۔ یک سوئی کا مطلب یہ ہے کہ خیالات کے ہجوم میں کسی ایک خیال میں آدمی بے خیال ہو جائے۔

www.ksars.org

مرشد مرید کو یاد کرتا ہے

چاہنے والے لاکھوں میں ہوں تو ظاہری قربت کے لمحات بہت کم میسر آتے ہیں۔ایک وقت تھا جب وہ قربت سے ناواقف تھا۔ملاقات نصیب ہوتی۔۔ تھوڑی دیر کے لئے اور اس ملاقات میں وہ کسی مسئلہ سے متعلق دریافت کرتا تھا۔احساس ہوا کہ مرشد اور مرید کا رشتہ یہ نہیں ہے کہ بندہ ملاقات میں کوئی مسئلہ یا اپنی غرض بتائے۔دنیا کے مسائل کبھی ختم نہیں ہوتے۔مسائل کا تعلق طرز عمل اور طرز عمل کا انحصار تربیت پر ہے۔تربیت میں نقص ہے اور طرز عمل درست نہیں اس لئے ایک مسئلہ حل ہونے کے بعد دوسرا معاملہ۔۔۔مسئلہ بن جاتا ہے۔۔۔زندگی محض خسارہ ہے۔

ایک روز ان کے پاس بیٹھے لوگوں کو دیکھا تو اپنی کم مائیگی کا احساس ہوا۔دل میں ارمان پیدا ہوا کہ کیا مجھے بھی کبھی قربت ملے گی۔۔۔؟

خیال نے کہا، بھائی بات سنو! تم جس کام کے لئے جاتے ہو، وہ ہو جاتا ہے پھر کیسا ارمان۔۔۔؟

خیال آئینہ ہے۔۔۔آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر دہل گیا۔آئینہ نے دنیادار اور ایک خود غرض شخص سے متعارف کرایا جس کا رنگ زرد، چہرہ پر دنیاوی حسرتوں کی چھاپ اور آنکھیں چمک سے عاری تھیں۔یہ الفاظ کہ ”تم جس کام سے جاتے ہو، وہ ہو جاتا ہے“ نے محاسبہ پر مجبور کر دیا۔

بیعت کا مطلب خود سپردگی ہے۔کردار تعمیل حکم سے عاری ہو تو یہ بیعت کی خلاف ورزی ہے۔

خیال نے کہا کہ اسباق تم نہیں پڑھتے، قواعد و ضوابط اور اغراض و مقاصد تمہیں یاد نہیں۔قاعدہ اور ضابطہ میں نہ رہنے والا کیا شاگرد ہو سکتا ہے۔۔؟فوج میں نظم و ضبط کی خلاف ورزی ہو تو کورٹ مارشل ہوتا ہے۔شہد کی مکھی لاشعوری تحریکات پر عمل کرتی ہے اور صحیح پھولوں کا رس لے کر آتی ہے۔

پہرے دار غلط رس لانے والی شہد کی مکھی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔رس غلط کیوں آیا۔۔۔؟اس لئے کہ ذہن لاشعور سے ہٹ گیا اور خیال کی صحیح تعمیل نہیں ہوئی۔خیال غیبی آواز ہے۔آواز زندگی کی بنیاد ہے۔ایک غلط پورے چھتے کو متاثر کرتا ہے۔جب کہ تم نے کبھی سوچا نہیں کہ خیال کیا ہے اور زندگی بامقصد کیوں نہیں ہے۔۔۔؟ شاگرد اسباق پر عمل نہ کرے

www.ksars.org

تو اس کا مطلب وہ کسی اور سبق پر عمل کر رہا ہے۔ کسی نہ کسی دستور پر تو زندگی گزرتی ہے۔ خیال نے آئینہ دکھایا کہ عمل ہے نہیں لیکن قربت چاہئے۔۔۔ کس لئے۔۔۔؟ تاکہ دنیاوی مسائل ہو سکیں!

غیب کی تعمیل کر کے طرز عمل تبدیل کیا۔ اب جب ملاقات کے لئے گیا تو ان کے لئے گیا تاکہ مرشد مرید اور مرید مرشد سے واقف ہو۔ محبت کی کونپل کھلی۔۔ بیج کا ذکر اس لئے نہیں کر رہا کہ بیج بیعت کے ساتھ ہی بو دیا جاتا ہے۔ مرید کا اخلاص بیج کے لئے پانی ہے۔

ڈائری میں ان دنوں کی یاد لکھتے ہوئے خیال نے ملامت کی کہ یہ بتانا چاہ رہے ہو کہ تمہارے دل میں اخلاص ہے، اس لئے قربت ملی۔۔۔؟

اس نے کہا، نہیں! میں نادان اور کثافتوں میں لتھڑا ہوا ہوں۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں جیسا بھی ہوں، اب صرف محبت کے لئے جاتا ہوں۔ مرشد کے پاس مرشد کے لئے جانا اخلاص ہے۔

ایک مرتبہ ملاقات میں بہت تاخیر ہوئی۔ شام کا وقت تھا، وہ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح شفقت سے ملے اور فرمایا، ''کیا مصروفیت بہت زیادہ تھی۔۔۔؟''

نادم ہوا اور عرض کیا، حضور ایسی بات نہیں۔

فرمایا، ''جب مرید نہیں آتا تو مرشد یاد کرتا ہے، وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔''

شیخ کے الفاظ زندگی بن گئے۔

اللہ رحیم و کریم ہے۔ ایک وقت آیا کہ دعا قبول ہوئی اور رحمٰن و رحیم ہستی نے قربت سے نوازا۔

ایک روز پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عرض کیا، ایک وقت تھا کہ جب لوگوں کو آپ کے قریب دیکھتا تو سوچتا تھا کہ کتنے خوش نصیب ہیں دل میں ارمان ہوتا کہ کیا مجھے بھی قربت ملے گی۔۔۔؟

تبسم فرمایا اور کہا، ''اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ زندگی پر غور کرو اور دیکھو کہ اللہ نے سب کچھ دیا ہے۔ شکر ادا کیا کرو، آپ کی زندگی میں شکر بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی آل سے فرمایا کہ شکر ادا کرو، شکر ادا کرنے والے بندے قلیل ہیں۔''

صاحبِ دل سے عرض کیا، شکر کیسے ادا کرتے ہیں، کون سی دعا پڑھوں کہ بآسانی ورد کر سکوں؟

www.ksars.org

فرمایا،''یااللہ! تیرا شکر ہے۔''

مرشد اور مرید کا رشتہ۔۔۔مرید کی زندگی ہے۔ مرشد حقیقی محبت سے متعارف کراتا ہے۔ دنیا کی محبت چاہے وہ مال وزر کی ہو یا مرد وزن کی۔۔فکشن ہے۔

دنیا کی محبت اسے بھی ہوئی لیکن حالات وواقعات اس طرح پیش آئے کہ بہت کچھ تبدیل ہو گیا اور پتہ نہیں چلا۔ کئی خواب آئے اور نشان دہی ہوئی کہ راستہ کا انتخاب درست نہیں لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ خواب میں نے کیوں دیکھا۔ سوچا کہ مرشد کریم کو بتادیتا ہوں، وہ مدد کریں گے۔

عرض کیا، حضور! کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن مرید کی حیثیت سے نہیں، بیٹے کی حیثیت سے۔ مرید کا امتحان ہوتا ہے، بیٹے کا امتحان نہیں ہوتا۔

مسکرائے اور فرمایا،''کہنا کیا چاہتے ہو۔۔۔؟''

عرض پیش کی اور خواب سنایا۔ خواب کچھ یوں تھا کہ اسے ٹاسک دیا گیا جس میں شطرنج کی طرح ایک بساط پر ایک رنگ کی روشنیوں کو ملانا تھا۔ ایک جیسے رنگوں کو ملاتے ملاتے جب وہ آخری مرحلہ میں داخل ہوا تو اچانک کوئی بندہ آیا اور غلط چال چل کر ساری ترتیب خراب کر دی۔ ترتیب ٹھیک کرنے کے لئے وہ جو چال چلتا، مزید بگڑ جاتی۔ اچانک غیب سے ہاتھ آیا اور ساری روشنیاں غائب ہو گئیں، ان کی جگہ نئی روشنیاں آ گئیں۔ ہاتھ رحمت ہی رحمت تھا۔ اس کے بعد روشنیوں کو ملایا تو ہر چال صحیح ہوتی گئی۔ محسوس ہوا کہ اب گڑ بڑ اس لئے نہیں ہو رہی ہے کہ مہربان ہستی۔۔۔ نگران ہے!

خواب سن کر مرشد کریم نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ حفاظت کرنا چاہتے ہیں لہذا ذہن کو اللہ کے تابع کر دو۔ جو ذہن خود کو اللہ کے تابع کر دیتا ہے، اللہ کا چاہنا، اس کا چاہنا بن جاتا ہے۔''

''جو لوگ علم میں راسخ ہو جاتے ہیں ان کا یقین ہوتا ہے کہ ہر شے ہمارے رب کی طرف سے ہے۔'' (آل عمران:۷)

فرمایا،''آپ جو چاہتے ہیں اس میں نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمادی ہے۔''

www.ksars.org

مرشد کریم فرماتے ہیں کہ لوگ سوانح عمری لکھتے ہیں جس کی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ انصاف نہیں کیوں کہ دنیا کے سامنے ایسی تصویر پیش کی گئی ہے جس میں حقیقت نہیں۔ انصاف یہ ہے کہ خامیاں بھی بیان کی جائیں تاکہ لوگ سیکھیں اور محتاط رہیں۔

بات سوال کرنے والے نے بھی پوری نہیں کی۔ اگرچہ لکھ دی ہے لیکن پردہ میں رکھی ہے اس طرح کہ کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے اور کہتے کہتے رہ بھی گئے۔ شاعر نے لکھا ہے،

باتیں جو زبان تک آ نہ سکیں
آنکھوں نے کہیں آنکھوں نے سنیں
کچھ ہونٹوں پہ کچھ آنکھوں میں
ان کہے فسانے رہ بھی گئے
کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے
کچھ کہتے کہتے رہ بھی گئے

الفاظ جن روشنیوں سے بنے ہیں، وہ روشنی مظہر بنتی ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو غور و فکر کرتا ہے میں اس کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔ سمجھ میں یہ آیا کہ کتاب پڑھنے سے معلومات بڑھتی ہیں۔۔۔ بندہ سیکھتا اس وقت ہے جب معانی پر غور کرتا ہے اور الفاظ میں مخفی حکمت تلاش کرتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ غور کرو، سوچو، سمجھو، سنو، مشاہدہ کرو، ذکر کرو۔ کتاب پڑھنے سے ذہن کھلتا ہے، اور علم۔۔ عمل سے آتا ہے۔ عمل سے زندگی کی قدریں ''ہموار'' ہوتی ہیں۔ کسی روشنی کے قوانین بتادیئے جائیں، کیا وہ روشنیوں پر تصرف کر سکتا ہے جب کہ اس نے روشنی دیکھی نہیں؟

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

لفظ ''ہموار'' پر ذہن میں اسپارک ہوا۔ ہموار کا مطلب سطح کا برابر برابر ہونا ہے۔ برابر کے معنی مشترک کے ہیں۔ جب تک سطح مشترک نہیں ہوگی۔۔۔ زمین ہموار نہیں ہوتی۔ اللہ کا ارشاد ہے،

''جس نے تخلیق کیا پھر برابر کیا۔'' (الاعلیٰ: ۲)

www.ksars.org

''سویٰ'' کے معنی برابر کے ہیں۔اللہ نے تخلیق کیااور مخلوق میں اشتراک رکھا۔اشتراک کا مفہوم اگلی آیت سے مزید واضح ہوتا ہے کہ اللہ نے قدریں معین کیں پھران مقداروں کی ہدایت بخشی۔

جن مقداروں پر تخلیق ہوئی وہ سب میں مشترک ہیں اور مقداروں کا علم روحانیت ہے۔

سوچا کہ جب مقداریں مشترک ہیں تو پھر شکلیں ایک جیسی کیوں نہیں،الگ کیوں ہیں۔۔؟

کیا ایک دوسرے سے مختلف ہونا نظر کا دھوکا ہے۔۔؟

تفکر گہرا ہوا تو خواب میں راہ نمائی ہوئی کہ کائنات معین مقداروں سے بنی ہے اور معین مقداروں کا مطلب یہ ہے کہ مقدار الگ الگ نہیں،ایک ہے۔سب ایک مقدار پر قائم ہیں،مقداروں کا ایک ہونا اشتراک ہے۔

مرشد کریم نے سمجھایا کہ ''خواب میں کن، کی مقداروں کی جانب اشارہ ہے۔کائنات میں ہر شے 'کن' کا مظاہرہ ہے۔'ک' اور 'ن' کی مقداریں ہر مخلوق میں مشترک ہے۔''

سمجھ میں آیا کہ ''ہموار'' کا مطلب معین مقدار ہے۔جس مخلوق پر غور کریں گے ''کن'' کا قانون ملے گا۔

کائنات لفظ ''کن'' کی تشریح ہے۔الفاظ بھی تخلیق ہیں اور ان میں کائناتی قوانین مخفی ہیں۔شے میں تفکر کے ساتھ غور کیا جائے تو بندہ ''کن'' تک پہنچ جاتا ہے۔

ذہن اس بات پر رک گیا کہ علم کا تعلق عمل سے ہونے میں کیا حکمت ہے۔۔؟

خیالات کی فلم چلی اور اس نے اطلاعات کاغذ پر منتقل کیں۔لاشعور نے کہا،زندگی امر ہے۔ذہن، جس ذہن سے ملتا ہے، اس کے مطابق کام کرتا ہے۔یعنی اب وہ ذہن کام کر رہا ہے جس سے ذہن مل گیا ہے۔ذہن کی فریکوئنسی دنیا سے ملتی ہے تو دنیا کشش ثقل میں بند ہے۔ایسے افراد کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت محدود ہو جاتی ہے یہاں تک کہ نظر کے سامنے باریک بال پردہ بن جائے تو پردہ کے اس پار نظر نہیں آتا۔

ہر شے میں ذہن ہے۔۔ذہن کے دو رخ ہیں۔ہم خدوخال (لکیروں) کو دیکھتے ہیں،اس لئے خدوخال غالب آجاتے ہیں۔ خدوخال لکیریں ہیں،لکیریں ملانے سے ناک بنتی ہے اور یہی لکیریں سمتوں کی تبدیلی سے آنکھ بن جاتی ہیں۔بندہ لکیروں سے باہر یا لکیروں کے اندر نہیں دیکھتا،صرف لکیروں کو دیکھتا ہے۔دوسرا رخ روشنی ہے جس پر لکیریں قائم ہیں۔روشنی لکیروں کے باہر ہے،دو لکیروں کے درمیان بھی اور لکیریں خود روشنی ہیں۔

www.ksars.org

اس طرح پھول میں بھی ذہن ہے، درخت میں بھی ذہن ہے، مال وزر میں بھی ذہن ہے۔ نظر آنے والی اور نظر نہ آنے والی ہر شے ذہن اور خواص رکھتی ہے۔

جنت کی زندگی میں سبق یہ ہے کہ ہم جس شے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ غالب ہو جاتی ہے اور ذہن مغلوب ہو کر اسے دیکھتا ہے۔ ابا آدمؑ کو علم الاسما عطا کیا گیا۔ جب تک نظر لامحدودیت میں رہی، جنت کا ٹائم اور اسپیس غالب تھی۔ توجہ شجرِ ممنوعہ کی طرف ہوئی تو ذہن وسیع و عریض جنت سے ہٹ کر ایک درخت پر مرکوز ہو گیا۔ لامحدودیت کو نظر انداز کر کے محدودیت میں یک سوئی سے ذہن محدود ہو جاتا ہے۔ خیال نے کہا کہ علم اللہ کا وصف ہے اس لئے اللہ علیم ہے۔ جو لوگ راسخ فی العلم ہو جاتے ہیں ان کا کہنا، اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ علم میں راسخ ہونا۔۔۔ فنا فی اللہ ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

جنت میں فرماں برداری سے لامحدود ذہن غالب اور حکم عدولی سے مغلوب ہو گیا۔ عمل سے آتا ہے اس لئے کہ علم کی تفسیر عمل ہے۔

راہ نمائی ہوئی کہ دنیا میں درخت والا قانون غالب ہے یہی وجہ کہ ہم پوری کائنات کو چھوڑ کر ایک شے کو دیکھتے ہیں لیکن اس شے میں کائنات کو نہیں دیکھتے۔ ہر شے کو دوسری شے سے الگ سمجھتے ہیں مگر دونوں اشیا میں جو "حس" مشترک ہے، اس پر غور نہیں کرتے۔ توجہ کا خدوخال پر مرکوز ہونا محدودیت ہے۔ بالفاظ دیگر شے کو دیکھنا محدودیت، اور شے کے اندر کائنات کو دیکھنا، لامحدودیت ہے۔ شے کی بُنیاد کُن ہے۔ کُن سے زمان و مکان کو ثبات ہے اور کُن زمان و مکان کی نفی بھی ہے۔

علم حضوری کے امین سے عرض کیا، قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ بیان ہوا ہے۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ اس سفر میں سوال مت کرنا، بعد میں حکمت سے آگاہ کر دوں گا۔ حضرت خضرؑ تکوین کے بندہ ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ طریقت میں سوال نہیں ہوتے۔۔۔؟

فرمایا۔۔۔ یس مین (Yes Man)! ازل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، 'الست بربکم'، سعید روحوں نے کہا، 'قالوا بلیٰ'۔

www.ksars.org

جو روحیں خاموش رہیں وہ گم راہ ہو گئیں۔اللہ تعالیٰ کو 'یس مین' پسند ہے۔ناں کہ حوالہ سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں سننا چاہتے۔ شریعت میں بھی یہی ہے۔پانچ وقت نماز فرض ہے۔اس میں چون وچرا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ صرف Yes سننا چاہتے ہیں۔ شیطان نے ناں کی تو کیا ہوا۔۔۔؟فرشتوں کا استاد تھا۔۔۔معلم سے شیطان بن گیا!''

www.ksars.org

اندر میں کون۔۔؟

کمرے میں سسکیاں تھیں جو رونے کی آواز میں بدل گئیں۔ کوئی دبی آواز میں گفتگو کر رہا تھا تو کسی کی زبان پر قرآنی آیات کا ورد تھا۔۔ روح۔۔ روحانی دنیا میں لوٹ چکی تھی اور مٹی کے پتلے کو خاک کے سپرد کرنے کے انتظامات جاری تھے۔ دماغ سُن تھا۔ آوازوں کے باوجود اندر باہر، باہر اندر سناٹا تھا۔ ارد گرد سے بے نیاز نظریں ڈیڈ باڈی پر جمائے وہ مرنے والے کو نہیں۔۔۔ خود کو ڈھونڈ رہا تھا۔ جو ادراک پہلے کبھی نہیں ہوا۔۔ آج ہوا تھا۔۔ ایسا لگا کہ اس کے سامنے ماسک رکھا ہے۔
کتنی مرتبہ مرشد کریم نے سمجھایا تھا کہ جسم لباس ہے روح اصل ہے۔۔۔ روح اصل ہے جسم لباس ہے، لیکن عقدہ نہیں کھلا۔ خود سے پوچھا جو بات جس وقت بتائی جاتی ہے اس وقت سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔۔۔؟
وہ خاموش اور دل گرفتہ تھا۔ مرشد کریم جب روح اور جسم پر بات کرتے اور کئی بار تفصیل اور مختلف زاویوں سے سمجھانے کے بعد بھی بات سمجھ میں نہیں آتی تو فرماتے کہ تم ٹھوٹ ہو ٹھوٹ۔ آج سمجھ آیا ٹھوٹ ہونا کسے کہتے ہیں۔ خاموش دیکھ کر اندر میں کسی نے کہا، اللہ کا وعدہ ہے کہ جو مجھ میں جدوجہد کرتا ہے میں اس کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔

اس نے دیکھا کہ زندہ اور مرنے والے کے جسم میں کوئی فرق نہیں۔ روح نکل جانے کے بعد ہم جسم کو ڈیڈ باڈی کہتے ہیں۔ جسم مرنے کے بعد ڈیڈ باڈی نہیں ہوتا بلکہ روح کی موجودگی میں بھی ڈیڈ باڈی ہے۔ موت یہی سکھاتی ہے کہ جسے تم نے حرکت میں سمجھا، وہ حرکت کے تابع تھا۔
ذہن بھاری ہو گیا تھا کہ اب تک جو دیکھا کیا دیکھا، جو دیکھ رہا ہے وہ کیا ہے۔ ڈیڈ باڈی دیکھ کر احساس ہوا کہ جسے جانا وہ تھا نہیں۔۔ جو تھا اسے جانا نہیں۔ لیکن مرنے والے کے ساتھ وہ تو نہیں مر گیا۔ اپنے اندر کیوں نہیں دیکھتا۔
نظر وجود پر پڑی۔ دیکھا کہ وہ خود بھی سر سے پیر تک ماسک ہے۔ ہاتھ اٹھایا کہ دیکھے حرکت کہاں ہے۔ پہلی بار اندر میں متوجہ ہوا اور وزن محسوس کیا۔ دوسرا ہاتھ اٹھا اور ادراک ہوا کہ ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اندر میں موجود کسی شے نے ہاتھ کو اٹھایا ہے۔ وہ خود مٹی کا پتلا اور روبوٹ ہے۔ ذہن آنکھ کی طرف گیا۔ وہ نہیں۔۔ آنکھ کے پردوں کے پیچھے کوئی اور دیکھ رہا تھا۔ نہ صرف دیکھ رہا تھا بلکہ اپنی موجودگی کا احساس بھی دلا رہا تھا۔

www.ksars.org

خود آگہی ایسی کیفیت ہے کہ ظاہر غائب اور غائب ظاہر ہو جاتا ہے۔ تجربہ سے دل ہر شے سے اچاٹ ہو گیا۔ ارد گرد موجود ہر شے اور خود اپنا آپ دھوکا محسوس ہوا۔ بس خاموش رہ کر غور کر رہا تھا کہ وہ کون ہے، کیا ہے، کہاں سے آیا ہے اور جسم کو چھوڑ کر کہاں چلا جاتا ہے؟

اندر میں دیکھنا شروع کیا تو احساس ہوا کہ اگر آنکھ کے دیکھنے کو ہی دیکھنا کہتے ہیں تو تصور میں کون دیکھتا ہے اور سونے کے بعد آدمی کیا اور کہاں دیکھتا ہے۔۔۔؟ تصور میں آدمی اندر دیکھتا ہے اور اندر کے میکانزم سے ناواقف ہے۔

تجربہ یہ ہے کہ انگلش میں کوئی واٹر کہتا ہے تو اندر کا آدمی نہ صرف لفظ پانی سنتا ہے بلکہ پانی کی نمی بھی محسوس کرتا ہے۔ اگر کان سنتے ہیں تو گہری نیند میں آواز سنائی کیوں نہیں دیتی جب کہ کان موجود ہیں؟ سوتا ہوا آدمی جب نیند کی دنیا میں سنتا ہے تو اس کے علاوہ کوئی دوسرا کیوں نہیں سنتا۔۔۔؟

سننا کیا ہے۔۔۔؟

کوئی فرد ایسا نہیں جسے کبھی محبت نہ ہوئی ہو۔ محبوب سامنے ہو تو لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں خاموشی بات کرتی ہے۔ جب وہ مرشد کو یاد کرتا ہے، اندر باہر۔۔۔ باہر اندر گداز ہوتا ہے۔ آنکھیں شبنم بن جاتی ہیں۔ لگتا ہے آسمان رو رہا ہے یا آسمان پر بادل اظہار تمنا کر رہے ہیں کہ مخلوق کے لئے سیرابی ہو۔ تصور میں اس حد تک کھو جاتا ہے کہ بے اختیار اپنے ہاتھ چوم لیتا ہے۔ محبوب سامنے ہونے کے باوجود زبان نہیں بولتی لیکن سمجھنے والا سمجھ لیتا ہے۔ نہ صرف سمجھ لیتا ہے بلکہ حال سے بے حال اور بے حال سے حال میں ملبوس ہو جاتا ہے۔

دل کہتا ہے محبت کا اظہار الفاظ سے نہیں، تعمیل حکم سے ہے۔ تعمیل کے لئے ضروری ہے کہ نفی ہو جائے۔۔۔ صرف عمل باقی رہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایسا کہنا بہت آسان ہے لیکن جب انا پر ضرب پڑتی ہے تو پھر تکلیف ہوتی ہے اور راستہ نظر نہیں آتا۔ راستہ اس لئے نظر نہیں آتا کہ آدمی انا میں گم ہوتا ہے۔ صحیح اور غلط معلوم ہونے کے باوجود حقیقت کو قبول نہیں کرتا۔ بہر حال! جذبات بیان سے باہر ہوں تو مرشد قریب کرتے ہیں۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ انہوں نے چھاتی سے لگایا۔ وہ ایک لمحہ تھا جس پر لمحات در لمحات قربان!

مرشد کیا ہیں۔۔۔؟ سوال یہ ہے کہ مرشد کیا نہیں ہیں۔۔۔؟ سب کچھ مرشد ہیں تو میں کیا ہوں۔۔۔؟

www.ksars.org

بات کو اس وقت محسوس کیا جاتا ہے جب اس میں وزن ہو۔ وزن نہ ہو تو بات حواس کی حد میں نہیں آتی۔ وزن دراصل شکل و صورت ہے۔ جتنا وہ اندر میں غور کر رہا تھا۔۔ ظاہر وجود غیر محسوس ہو رہا تھا۔ لکھنے بیٹھا تو لکھتا چلا گیا، لفظ در لفظ مالا بن رہی تھی۔ ہاتھوں کو میکانکی انداز میں حرکت کرتے دیکھا۔ ابھی بات ذہن میں آئی نہیں کہ کی بورڈ پر انگلیوں کی حرکت شروع ہو گئی۔

بات ختم نہیں ہوئی۔ جب وہ بات کرتا ہے تو الفاظ کی ترتیب ذہن میں نہیں ہوتی۔ بولنا شروع کرتا ہے اور لفظ خود بخود دماغ کی اسکرین پر پرنٹ ہونے لگتے ہیں جیسے اندر کا ٹیپ ریکارڈر آن ہو گیا ہو۔ لگتا ہے ہم بات نہیں کرتے، ریکارڈ پڑھتے ہیں۔

جب ہم ریکارڈ پڑھتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ پڑھتا کون ہے۔۔ کیا ہم پڑھتے ہیں۔۔۔؟

اگر ہم پڑھتے ہیں تو حیات جب رشتہ توڑ لیتی ہے تو پڑھ کیوں نہیں سکتے۔۔۔؟

غور کیجیئے سب کے ساتھ یہ ہوتا ہے۔

جس شے کو دیکھو، ہر شے ماسک نظر آتی ہے۔ ظاہر اگر ماسک ہے تو اصل کیا ہے۔۔۔؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ پھل، پھول، پودے، جانور، جمادات، آدمی، آبی مخلوق اور رنگ برنگ کائنات سب ماسک ہیں جو شعور دیکھتا ہے۔۔۔؟

کائنات کی تصویر بنتے ہی اندر میں اسپارک ہوا احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی صفت ''المصور'' کا مشاہدہ ہوا۔ ''المصور'' کا مطلب تصویر کشی کرنے والا ہے۔

مصور کے بنیادی حروف ''ص ور۔۔۔ صور'' ہیں۔

قاموس القرآن میں ''صور'' کے معنی شکل و صورت ہیں۔

قرآن کریم میں لفظ ''صور'' کی مدد سے آیات تلاش کیں۔ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

''وہ اللہ ہے جو تخلیق کرنے والا، نافذ کرنے والا، اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے۔ اس کے لئے بہترین نام ہیں۔'' (الحشر:۲۴)

خیال نے المصور سے پہلے ''الخالق'' کی طرف متوجہ کیا۔ آیت میں ترتیب بتاتی ہے کہ پہلے تخلیق کیا پھر صورت بنائی۔ تخلیق سے مراد یہاں باطن ہے۔ پہلے باطن بنایا پھر باطن کو تصویر میں ظاہر کیا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم کو تخلیق کیا

www.ksars.org

پھر صورت دی اور فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو، سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا۔ تفکر طلب یہ ہے کہ صورت دینے کے بعد سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پہلے نہیں۔

قرآن کریم میں ''يوم ينفخ في الصور'' کے الفاظ ہیں۔ فی کے معنی ''میں'' ہے۔ اب تک وہ یہی ترجمہ پڑھتا آیا تھا کہ جب صور پھونکا جائے گا جیسے صور کوئی آواز ہے۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ صور نہیں۔ صور میں پھونکا جائے گا۔

پھر قیامت اور اس کے بعد کا ذکر کرتے ہوئے احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور اس روز صور میں پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔ صور میں پھر پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔''

(الزمر:۶۸)

''سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے'' کے الفاظ معرفت سے متعلق ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ اللہ تصویر کشی کرتا ہے ماں کے رحم میں جس طرح چاہے۔ یعنی کوئی شے پہلے سے موجود ہے جس کی تصویر کشی کی جارہی ہے۔ ایک کے بعد ایک پیرہن بن رہا ہے۔

یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ معین مقداروں کے ساتھ تخلیق کرتا ہے اور جس صورت میں چاہتا ہے جوڑ دیتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں پیدائش کا بیان ہے وہاں تخلیق کا ذکر پہلے ہے اور صورت کا بعد میں۔ تخلیق سے باطن اور ''صور'' سے ظاہر مراد ہے۔ ظاہر جس کی حیثیت ڈیڈ باڈی ہے اور ڈیڈ باڈی ماسک ہے۔

رب العالمین اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

''پھر جس وقت پھونک مارے صور میں، تو نہ ذاتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ آپس میں پوچھنا۔''

(المؤمنون:۱۰۱)

پھونک آواز کے قانون کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پھونک ہے کیا۔۔۔؟

خیال نے کہا، جب ہم پھونک مارتے ہیں تو ''ھُو'' کی آواز آتی ہے۔

خود سے سوال کیا کہ ھُو کیا ہے۔۔؟ اور کیا روح کی کوئی شکل و صورت بھی ہے۔۔؟

www.ksars.org

مرشد کریم سے پوچھا، اندر میں غور کرتا ہوں محسوس ہوتا ہے کوئی ہے۔ وجود شدت سے موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ باطن غالب اور ظاہر غائب نظر آتا ہے۔ اندر میں محسوس ہونا کیا ہے۔۔ اندر میں کون ہے۔۔۔؟

فرمایا، "آدمی کی اصل تجلّی، نور اور روشنی ہے اور اس کے بعد matter ہے۔ جسم کی حیثیت روبوٹ کی ہے۔ روبوٹ میں اظہار کا ذریعہ چابی ہے۔ دراصل چابی بھی فکشن ہے۔ اب جو چیز فکشن سے دیکھیں گے، فکشن نظر آئے گی۔ اصل کیا ہے۔۔۔؟ اصل فکشن نہیں ہے۔ چابی سے تشبیہ اس لیے دی جاتی ہے کہ ہمارے پاس الفاظ نہیں۔۔ اب میں کہوں نورِ مطلق۔۔ کیا سمجھ میں آئے گا؟ نہیں اس لیے کہ نہیں معلوم نورِ مطلق کیا ہے۔"

چہرہ پر پریشانی دیکھ کر انہوں نے ہاتھ پکڑا اور بتایا، "یہ جو آپ کا ہاتھ ہے، تین پرتوں کا مجموعہ ہے۔ ابھی نور کی بات نہیں ہو رہی۔ نور ان پرتوں کو فیڈ کرتا ہے۔ دل میں جو نقطہ ہے اس سے واقف ہوں گے تو نور سے واقف ہو جائیں گے۔ نور سے واقف ہوں گے۔ ہر شے روشن ہو جائے گی۔ دل نے جو دیکھا، جھوٹ نہیں دیکھا۔ روح کا دیکھنا، دل کا دیکھنا ہے۔ روحانیت کا مقصد اللہ سے قربت ہے۔ قربت کے لیے ضابطہ حیات قرآن کریم ہے۔۔

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔"

خیال میں بے خیال ہونا

www.ksars.org

خیالات ریلیز ہوتے ہیں تو ہاتھ ماہر کاتب کا قلم بن جاتا ہے۔ کاغذ پر مختلف لکیریں بنتی ہیں۔ الفاظ کو لکیروں کے علاوہ کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایسے میں خیال ہاتھوں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ہاتھ حرکت کرتے ہیں اور وہ ہاتھوں کو حرکت کرتا دیکھ کر خود سے پوچھتا ہے کہ خیال کا ''ادراک'' ابھی ہوا نہیں کہ ہاتھ واقف ہو گیا جب کہ ہاتھ کی حیثیت میڈیم کی ہے، پھر ہاتھ کو کیسے معلوم ہوا۔۔۔؟

مرشد کریم نے الست برکم کا قانون سمجھایا تو فرمایا کہ سماعت و بصارت کے بعد ادراک ہے۔ ادراک اس وقت ہوتا ہے جب آواز کے ساتھ مشاہدہ ہو جائے۔ مشاہدہ کے بغیر ادراک نہیں ہوتا۔ سماعت، بصارت اور ادراک در حقیقت تفہیم کے مدارج ہیں۔ اللہ کی سنت میں تبدیلی اور تعطل نہیں ہے، جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو'' اور وہ ہو جاتی ہے۔

اسے بات سمجھ میں نہیں آتی تو تفہیم کے لئے نکتہ تلاش کرتا ہے۔ احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ذہن میں کوئی لفظ یا جملہ وارد ہوتا ہے اور تفکر سے جس حد تک ہو، کشف ہو جاتا ہے۔ خود سے کہا،

''میں ہاتھ کو لکیریں بناتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔''

جملہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک میں ہوں۔۔ ایک ہاتھ ہے۔۔ ایک وہ ہے جو لکیریں بنا رہا ہے۔۔۔ اور ایک وہ ہے جو یہ سب ہوتے دیکھ رہا ہے۔

مرشد کریم کئی مرتبہ سمجھا چکے ہیں کہ جسم نہیں، روح اصل ہے۔ خود سے پوچھا، جب کوئی اور لکھ رہا ہے تو میں کون ہوں۔ میں لکھنے والے سے واقف کیوں نہیں۔۔۔؟ کیا ہاتھ کی طرح میں بھی میڈیم ہوں۔ اگر میں میڈیم نہیں ہوں تو ایک وجود میں دو کیسے ہو سکتے ہیں یا میں ہی ہوں جو لکھ رہا ہے لیکن اپنے آپ سے واقف نہیں۔۔۔؟ بات پھر وہی ہے کہ میں کون ہوں۔۔۔ ذہن یہاں رک جاتا ہے جب بندہ کہتا ہے کہ میرا جسم۔۔۔ میری روح۔۔ ''میرا'' کہنے والا کون ہے۔ اور کیا روح بھی میڈیم ہے۔۔۔؟

عرض کیا، سر! میں کون ہوں؟

فرمایا، ''آپ الوژن ہیں۔''

پھر حقیقت کیا ہے۔۔۔؟

فرمایا، ''حقیقت جاننے کے لئے مراقبہ کریں۔ کیا آپ مراقبہ کرتے ہیں۔۔۔؟''

www.ksars.org

وہ خاموش ہو گیا۔اس نے جب باقاعدگی سے مراقبہ شروع کیا،یک سوئی میں مشکل ہوئی لیکن مراقبہ جاری رکھا۔آٹھ سال پہلے ایک ملاقات میں صاحب حق الیقین نے فرمایا تھا،

''مراقبہ ذہن خالی ہونے کی مشق ہے۔خیالات آئیں گے، گزر جائیں گے خیالات کا آنا اور گزر جانا،ذہن کا خالی ہونا ہے۔خیالات کی رو میں بہنا نہیں ہے۔پابندی سے مراقبہ کیا جائے تو ایک وقت آئے گا کہ ذہن ہر خیال سے خالی ہو جائے گا اور صرف ایک خیال باقی رہے گا۔''

مراقبہ سے خیال میں بے خیال ہونے کی مشق ہوئی اور فہم کی رفتار بڑھ گئی۔

ایک روز کسی بات پر جذبات مشتعل ہو گئے۔خواہش کے برخلاف عمل ہوا،شعور کی مزاحمت بڑھی اور مراقبہ میں بے قاعدگی شروع ہو گئی۔

عرض کیا،مراقبہ کرتا ہوں لیکن پابندی نہیں ہے۔

پوچھا،''کھانے میں ناغہ ہوتا ہے۔۔۔؟''وہ خاموش رہا۔

''مراقبہ میں ناغہ کیوں ہوتا ہے۔۔۔؟''

عرض کیا کہ ذہن ڈسٹرب ہو تو تسلسل نہیں رہتا۔

فرمایا،''اہمیت کا احساس نہیں ہے۔کھانے کی اہمیت کا احساس ہے کہ کھانا ترک کرنے سے نقاہت ہو گی لیکن یہ خیال نہیں آتا کہ مراقبہ نہیں کریں گے تو روحانیت کیسے آئے گی ذہن کیسے کھلے گا۔''

عرض کیا،آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔

فرمایا،''جب آپ مراقبہ کریں گے اور 'اندر میں' کیا ہے،اس کا کھوج لگائیں گے تو خیال مشاہدہ بن جائے گا۔مرشد راہ نما ہے،راستہ کی نشان دہی کرتا ہے،راستہ بہرحال مرید کو طے کرنا ہے۔آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ باقاعدگی سے مراقبہ کریں۔مراقبہ سے لاشعوری اطلاع کو قبول کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔''

بہت سے مواقع پر مرشد کریم نے جب دیکھا کہ اس نے تفکر کیا ہے، کوشش کی ہے اور ذہن الجھ گیا ہے تو سوالوں کے جوابات دیئے اور خامی کی تصحیح کی۔ایسا بھی ہوا کہ سوال پوچھا اور انہوں نے کوئی نکتہ بتا کر مزید تفکر کا حکم دیا۔یہ بھی کہا کہ سب کچھ مرشد بتا دے تو مرید ذہن کا استعمال کیسے سیکھے گا اور۔۔۔آج سرزنش ہو گئی۔افسوس ہوا کہ وہ ناگواری کا سبب بن گیا۔اس دن کے بعد سے تصور شیخ کے مراقبہ میں پابندی ہے۔

www.ksars.org

ظاہر اور باطن پر تفکر جاری تھا۔ بیٹھے بیٹھے خیال اندر کی طرف متوجہ کر دیتا۔ وہ غور سے جسم کو حرکت کرتا دیکھتا۔ توجہ بڑھتی تو اندر میں وجود کا احساس بڑھ جاتا۔ مرشد کریم نے فرمایا تھا کہ مراقبہ کرنے سے جواب مل جائے گا۔

ایک روز مراقبہ کے دوران ذہن میں یہ بات آئی کہ تصور شیخ خیال میں بے خیال ہونا ہے۔ خیال۔۔ وجود اور بے خیال ہونا۔۔ عدم وجود ہے۔ عدم وجود کیا ہے۔۔۔؟ عدم وجود سے مراد جب وہ ناقابل تذکرہ تھا تو کہیں موجود تھا۔ اگر موجود تھا تو کیا موجودگی یہ تھی جس سے وہ واقف ہے۔۔۔؟

ذہن نے کروٹ بدلی، ہلکا سا ارتعاش محسوس کیا۔ دنیا میں آنے سے پہلے اگر وہ کہیں تھا تو کہاں تھا۔ اگر وجود کہیں تھا تو وجود کی شہادت کس طرح حاصل ہوئی؟ اور وجود کی تفصیلات جیسے دماغ، آنکھ، زبان، آدمی کی پوری مشینری اندر باہر نظام، حرکت۔۔۔ بے حرکت، وجود۔۔ عدم وجود یہ سب کہاں تھا۔۔؟

سوچتے سوچتے سوچ کی پوری زنجیر ٹوٹ کر بکھر گئی۔ زنجیر کا ٹوٹنا اور اس کی منتشر کڑیاں دیکھنا یہ سوال بن گیا کہ کڑیاں کیسے بنیں۔۔۔ اور کڑیوں کا اتصال کیسے ہوا۔۔۔؟ یہ بات اس لئے ذہن میں آئی کہ جب اس نے اپنے اندر باہر غور کیا تو اپنا پورا مجسمہ ایک زنجیر کی طرح نظر آیا۔ جسم کا ہر عضو اور جسم ٹکڑے ٹکڑے محسوس ہوا۔ اطلاع وارد ہوئی۔ اطلاع سے مراد باخبری ہے۔ باخبری جب مشاہدہ بنی تو مشین کے کل پرزوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑی ہوئی نظر آئیں۔ حرکت محسوس ہوئی لیکن جو مجسمہ بنا اس میں حرکت نہیں تھی۔ جیسے کوئی بڑی مشین اور اس میں سینکڑوں کل پرزے ہوں اور حرکت نہ ہو۔

خیالات میں گم حیرت کے دبیز سایوں میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ تیز جھماکا ہوا۔ اتنا روشن کہ پورے ماحول میں روشنی پھیل گئی۔ مصور کو دیکھا کہ بنی ہوئی مشین یا کھلونے میں چابی بھری ہے۔ لمحہ کے ہزارویں حصہ میں مشین میں اس طرح حرکت ہوئی کہ تمام کل پرزے متحرک ہو گئے۔

قربت میں خیالات کی اہمیت کا احساس ہوا۔ کائنات اور خود اپنے آپ سے واقف ہونے کے لیے بہت سارے خیالات کی ضرورت نہیں۔۔ ایک خیال کافی ہے۔ اس لئے کہ ہر خیال ایک ہی مقام سے آتا ہے اور وہیں لوٹ جاتا ہے۔ خیال پر غور کرنا شروع کیا جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ کڑی در کڑی کائنات کی ہر شے پر وہ محیط ہے۔ اندر میں سے آواز آئی:

"خیال کائنات ہے اور

کائنات خیال ہے۔"

www.ksars.org

صاحب علم و عرفان کے پاس بیٹھ کر جو خیال آتا ہے وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ عمل کرنے سے خیالات قبول کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ کچھ کہے بغیر سمجھ جاتا ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن ۔۔۔ بہر حال وہ علم و عرفان کا سمندر ہیں اور ان کے ہر خیال کو قبول کرنے کی استطاعت نہیں۔ صرف اس خیال کو قبول کر سکتا ہے جس میں اس کے لئے پیغام ہے۔

مرضی کے خلاف کوئی کام ہونے پر اگرچہ غصہ پہلے سے کم لیکن موجود ہے۔ ایسے میں ذہن تفکر سے ہٹ جاتا ہے اور مراقبہ میں بے قاعدگی ہوتی ہے جس پر سرزنش بھی ہوئی۔

اس نے پوچھا، سر! شک اور یقین زندگی کے دو رخ ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ نہ ہو تو چھوٹی سی بات بہت بڑی بن جاتی ہے، ذہن کسی طور قبول نہیں کرتا اور بغاوت ہوتی ہے جب کہ احساس موجود رہتا ہے کہ ہم غلط ہیں۔ جلد سے جلد اس کیفیت سے کیسے نکلا جا سکتا ہے یا پھر ایسا کیا ہو کہ ہم حقیقت کو قبول کرنا سیکھیں ۔۔۔؟

فرمایا، ''ہر آدمی کے اندر گائیڈ کرنے والی مشین کا نام ضمیر ہے۔ ضمیر ہر بندہ کا محاسب ہے اور یہ محاسب آپ کی ہر بات کا احتساب کرتا ہے۔ آپ کو بتائے گا کہ یہ صحیح ہے، یہ غلط ہے۔ یہ کرو یہ نہ کرو۔ وہ دو دفعہ یا تین دفعہ کہتا ہے اس کے بعد خاموش ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا کہ پہلے جو خیال آئے وہ صحیح ہوتا ہے۔ دوسری دفعہ خیال سوچ بچار کے حساب سے صحیح بھی ہو۔ وہ صحیح نہیں۔ تیسری دفعہ جو خیال آئے اسے چھوڑ دینا چاہئے، چاہے وہ نقصان کے اعتبار سے کتنا بڑا ہو۔ ضمیر اصل میں نور باطن ہے۔ نور باطن آدمی کو کسی برائی کی اجازت نہیں دیتا، تنبیہ کرتا ہے، روکتا ہے لیکن ۔۔۔ جب کوئی اچھی بات ہوتی ہے تو خیال کے ساتھ خوشی کی ایک لہر آدمی کے اندر ضرور دوڑتی ہے جس کو آدمی بار بار رد کر کے اس لہر سے رشتہ توڑ لیتا ہے اور اگر اس میں عدم تعمیل ہو ۔۔۔ مسلسل عدم تعمیل ہو تو پھر ضمیر خاموش ہو جاتا ہے یعنی نور باطن سے لاشعوری تعلق پردہ میں چلا جاتا ہے۔ جب کہ شعوری کیفیات میں بھی نور باطن یا ضمیر کی آواز یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت، اچھے کام کرنے کی ترغیب اور فواحشات اور برائی سے روکتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں اس وقت تک جاری رہتی ہیں جب آدمی ضمیر کی راہ نمائی کو قبول کرے۔ مسلسل نظر انداز کیا جائے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ دلوں میں مہر لگا دیتے ہیں، صحیح بات سننے کے لئے کان بند ہو جاتے ہیں یعنی اس طرف ذہن مائل نہیں ہوتا۔ آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں جب کہ بظاہر اندھی نہیں ہوتیں۔''

www.ksars.org

پوچھا، پہلے خیال کو صحیح طور کیسے قبول کیا جائے۔۔۔؟ دوسری بات یہ ہے کہ چور کو جب چوری کا خیال آتا ہے تو وہاں پہلے خیال کا قانون کیسے کام کرتا ہے۔۔۔؟

فرمایا، ''ضمیر نور باطن ہے۔ نور باطن انسان کی راہ نمائی کرتا ہے، اچھے برے کی تمیز کرنا سکھاتا ہے غور کرو! خیالات کے ہجوم میں آپ کو منفی خیال آیا۔ بادل نخواستہ آپ نے اسے رد کر دیا لیکن وہ رد نہیں ہوا اس لئے کہ ضمیر کی راہ نمائی نیوٹرل ذہن سے قبول نہیں کی۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا یا یوں کہنا چاہیئے کہ بار بار تجربہ کیا کہ دو کاموں میں کسی ایک کام کا خیال آتا ہے لیکن ساتھ ہی اندر راہ نمائی ہوتی ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ فوراً پھر خیال آتا ہے کہ یہ کام کرنا ہے اور اس طرح ضمیر کی راہ نمائی عدم قبول بن جاتی ہے۔ بالآخر ضمیر کی راہ نمائی کے خلاف آدمی وہ عمل کر لیتا ہے۔ عمل کے بعد ضمیر ملامت کرتا ہے۔ ملامت آدمی کے اندر احساس بن جاتی ہے اور یہ احساس عمل کرنے والے بندہ یا بندی کا محاسبہ کرتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں ہوا۔ آدمی اگر ضمیر کی آواز سن کر توبہ استغفار کر لیتا ہے تو ضمیر خاموش ہو جاتا ہے یا مطمئن ہو جاتا ہے لیکن پھر وسوسوں کے ہجوم میں گھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ

شیطان وسوسوں سے شر کی تلقین کرتا ہے، دلوں میں حقیقت مطلقہ کے خلاف بہت سارے شر اور فساد کو انسپائر کرتا ہے اور آدمی دو کشتیوں میں سوار ہو جاتا ہے۔ ایک کشتی کا مسافر طوفان میں گھر جاتا ہے اور دوسری کشتی حفاظت و امن کے ساتھ کنارے لگ جاتی ہے۔''

تعطل + تکرار = اسپیس

www.ksars.org

قرآن کریم پڑھتے ہوئے دعا کاذکر آتا ہے لاشعور کی ہدایت کے مطابق وہ دعاؤں کو ترجمہ کے ساتھ یاد کرلیتا ہے اور وقتاً فوقتاً دہراتا ہے۔اس جانب اس وقت متوجہ ہوا جب خواب میں سورہ بقرۃ کی آخری آیت کے کثرت سے ورد کی ہدایت ملی۔ صبح اٹھ کر سب سے پہلے ترجمہ کے ساتھ آیت یاد کی اور اٹھتے بیٹھتے لیٹتے ورد کیا۔ عمل کرنے سے حکمت واضح ہوئی۔

مرشد کریم فرماتے ہیں کہ ''اللہ سے معافی مانگتے اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔قرآن کریم میں جہاں عذاب کاذکر ہے،اس کے ساتھ اللہ کی رحمت کا بھی تذکرہ ہے۔غفور الرحیم ہستی کے حضور عجز اور بے مائیگی کے اعتراف سے محاسبہ کی مشق ہوتی ہے۔اندر کی آواز سننا،اندر میں فریکوئنسی سے ہم آہنگ ہونا ہے۔''

تفکر نے بند ذہن کھولا اور بتایا کہ اللہ کا بندہ بننا ہے تو وہ دعائیں مانگو جو قرآن میں ہیں نہ کہ وہ جو تم مانگتے ہو۔ کثیف آدمی کثافت اور لطیف۔۔لطافت مانگتا ہے۔

ایک روز مرشد کریم نے فرمایا،''دعا میں مادی وسائل مانگے جاتے ہیں لیکن روحانی وسائل کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ بنیادی ضروریات ہر فرد کی پوری ہوتی ہیں اور روحانی وسائل کو استعمال کرنے کے لئے جو ذہن چاہئے وہ بھی موجود ہے البتہ ۔۔۔مغلوب ہے۔ سرسری طور پر پڑھنے یا معنی و مفہوم کے بغیر یاد کرنے کے بجائے باریک بینی سے غور کرو تو الہامی کلمات میں روشنی دیکھ لوگے۔''

قرآن کریم میں یک سوئی سے فکر میں گہرائی پیدا ہوئی اور ادراک ہوا کہ ان دعاؤں میں طرزِ فکر کی درستی کی نشان دہی ہے تا کہ شیطان الرجیم سے متاثر ذہن مغلوب اور علم الاسما سے واقف ذہن غالب ہو جائے۔

اللہ کی صفات سے واقف ذہن جنت میں بغاوت کی وجہ سے مغلوب ہوا۔اس لئے جب بغاوت پیدا ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین کی مہربانی سے لاشعور قرآنی دعاؤں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔راست طرزِ فکر کے حصول اور گناہوں سے بخشش کی دعائیں یاد کیں۔آیات کا ورد کیا کہ نہیں معلوم ایسی غلطیاں کی ہوں گی جن کا احساس نہیں ہوا۔استغفار کی تسبیح سے ذہن اور الفاظ میں ہم آہنگی ہوئی تو ایک ایک لفظ پر جھماکا ہوا۔ محسوس کیا کہ لفظ وجود ہیں،وجود میں حیات ہے اور حیات عرفان کی دعوت دے رہی ہے۔

اس نے سوچا کہ تسبیح کیا ہے؟خیال نے کہا،درجنوں دانے لڑی میں پرونے سے تسبیح بن جاتی ہے۔ غور سے دیکھو! تسبیح میں دانہ ایک ہے اور۔۔۔ایک ہی دانہ کی تکرار ہے۔ شے کو مظاہرہ کے لئے درکار توانائی کسی کے ایک حکم سے پوری ہو جاتی ہے اور کسی کو سو یا سوا لاکھ بار دہرانا پڑتا ہے تا کہ تعطل کے باوجود۔۔۔تعطل نہ ہو۔

پوچھا،تعطل کے باوجود تعطل نہ ہونا۔۔؟

www.ksars.org

خیال نے کہا، تسبیح میں سودانے ہوتے ہیں۔ ننانوے دانے۔۔ایک دانہ کی ننانوے تصویریں ہیں۔ ہر دانہ کی شکل دوسرے دانہ جیسی ہے لیکن درمیان میں اسپیس ہے اس لئے ہم ایک دانہ کو سو مرتبہ دیکھتے ہیں تب جاکر سودانے کی تسبیح پوری ہوتی ہے۔

یعنی ایک تسبیح کی توانائی کو پورا کرنے کے لئے سو وقفوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ایک شے کے درمیان سو وقفے آجائیں تو رفتار کم ہو جائے گی۔ یہ باتیں نظر انداز کرنے کی نہیں ہیں مگر ہم غور نہیں کرتے۔۔۔جو ہستی ان قوانین سے واقف ہے اسے تلاش نہیں کرتے۔

اس بات کو سمجھانے کے لئے مرشد کریم نے ریل گاڑی اور تیز گام کی مثال دی اور فرمایا، ''ریل گاڑی ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے جب کہ تیز گام کم سے کم اسٹیشنوں پر رکتی ہے۔۔رفتار کا عالم دونوں پہ مضمر ہے۔''

تعطل۔۔۔فاصلہ ہے۔۔۔ تعطل کے باوجود تعطل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسپیس حذف ہو کر رفتار بڑھ جائے۔
تسبیح۔۔تکرار ہے۔۔تکرار کا ایک رخ شک اور دوسرا یقین ہے۔

سوچا کہ تکرار تو ارادہ کو مضبوط کرنے کے لئے کی جاتی ہے پھر اس کا ایک رخ شک کیسے ہو گیا۔صاحب حق الیقین سے پوچھا کہ تکرار کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟

فرمایا، ''تکرار کا مطلب ہے کہ ذہن پُریقین یا اس میں شک ہے۔اگر تکرار اللہ کے لئے ہو گی تو پھر قانون بدل جائے گا اس لئے کہ اللہ مقداروں سے ماوراء ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے، ذٰلک الکتاب۔۔۔یہ کتاب، لاریب فیہ۔۔اس میں شک نہیں۔

بات الہامی کلمات میں موجود توانائی کے مظاہرہ سے شروع ہوئی تھی کہ جب وہ استغفار کی آیتیں دہراتا، ہر لفظ پر ذہن میں جھماکا ہوتا۔سب حفظ دعائیں لکھی نہیں جاسکتیں لہذا تین آیات کے تراجم درجِ ذیل ہیں۔

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر۔ ہمیں ثابت قدم رکھ۔انکار کرنے والوں پر ہمیں فتح دے۔'' (البقرۃ:۲۵۰)

''اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے در گزر فرما، ہمارے اعمال میں اسراف سے بھی۔ ہمیں ثابت قدم رکھ اور انکار کرنے والوں پر فتح دے۔''
(آل عمران:۱۴۷)

---

www.ksars.org

”اے ہمارے رب ! ہمارے دلوں کو مت پھیر ہدایت دینے کے بعد اور ہمیں اپنی
رحمت کے خزانوں میں سے عطا کر۔ بلاشبہ آپ ہی عطا کرنے والے ہیں۔“
(آل عمران:۸)

تینوں دعاؤں کا مختصر مفہوم یہ ہے:

صبر سے حق الیقین عطا ہوتا ہے اور حق الیقین کا فیضان معرفت ہے۔ غلطی اور کوتاہی اس وقت ہوتی ہے جب نظر کے سامنے موجود شے نظر انداز ہو۔ محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ غیب ظاہر ہو جائے۔اعمال میں اسراف کا مفہوم یہ سمجھ آیا کہ جس کام کے لئے جو مقدار معین ہے، آدمی اس سے واقف ہو۔اطلاع کی مقداریں معین ہیں لیکن معنی پہنانے سے تغیر پیدا ہوتا ہے، یہ حد سے تجاوز یا بے اعتدالی ہے۔ مثلاً ایک آدمی نوکری پر جاتا ہے اور جو وقت وہاں دیتا ہے اس کے پیسے لیتا ہے۔ایمان داری کا تقاضا ہے کہ کام میں صرف کام پر دھیان ہو۔ ادھر اُدھر کی خیالات، کام میں تغیر ہیں اور تغیر اسراف ہے۔۔

اسی طرح جن وانس کو اللہ نے بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ کوئی بھی کام کرتے ہوئے ذہن اللہ سے ہٹ جائے تو یہ اپنے ساتھ زیادتی ہے اور زیادتی اسراف ہے۔ کام اللہ نے دیا، کام کے لئے توانائی اللہ نے دی، ذہن و دل اللہ کا عطا کردہ ہے۔ آدمی سارے کام کرتا ہے اور خالق و مالک کو بھول جاتا ہے تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد یا ساتھ محسوس کرنے سے ذہن کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ ہر شے کی مقدار ہے اور بندگی کی مقدار وصال ہے۔

***

9 مئی 2016ء کی بات ہے، مرشد کریم کے پاس بیٹھا تھا۔کام مکمل کر کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلی بات یہ فرمائی۔۔۔”دنیا ایسی چیز ہے کہ آدمی جب اس کے پیچھے جاتا ہے تو یہ اس سے بھاگتی ہے اور آدمی اس سے بھاگے تو یہ اس کے پیچھے آتی ہے۔“

انہوں نے اس کا موبائل فون اور پنسل کیس اٹھا کر اپنے سامنے مناسب فاصلہ سے رکھے اور فرمایا،

”یہ موبائل فون تم ہو اور پنسل کیس، دنیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ فاصلہ مقداریں ہیں جس نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ فاصلہ رہنا ضروری ہے۔ جب موبائل فون یعنی تم دنیا کی طرف جاؤ گے تو کیا ہوگا۔۔؟ دنیا تم سے دور ہو جائے گی اس لئے کہ فاصلہ برقرار رہنا ضروری ہے ورنہ دونوں ایک دوسرے میں جذب ہو جائیں گے۔ جتنا دنیا کی طرف جاؤ گے، دنیا تم سے دور ہوتی جائے گی لیکن ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم دنیا میں داخل ہو جاؤ

www.ksars.org

گے۔اس کو صم ''بکم'' کہتے ہیں۔اسی طرح جب تم دنیا سے دور جاؤ گے، اب دنیا تمہارے پیچھے آئے گی کیوں کہ فاصلہ برقرار رہنا ضروری ہے۔ ذہن میں دنیا کی اہمیت نہیں ہونی چاہیئے۔ چاہے پیسے جمع کرنے ہوں، روپیہ سونا چاندی ہو یا دوسرے معاملات۔۔۔کسی چیز کی اہمیت نہ ہو۔''

مرشد کریم نے فرمایا، ''جو میں نے سمجھایا ہے موبائل فون اور پنسل کیس کو سامنے رکھ کر اس پر غور کرو!''

راستہ دین کا ہو یا دنیا کا، تکمیل کا تعلق فرماں برداری سے ہے۔قرآن کریم کی دعاؤں میں ''فتح'' کے الفاظ ہیں اور فتح فرماں برداری سے نصیب ہوتی ہے۔ فتح کا مطلب ذہن کا کھلنا یا مشاہدہ ہونا ہے۔ فتح کی تعریف و تفصیل سورہ فاتحہ ہے۔ ہر اطلاع ہدایت ہے۔ دیکھنے کا زاویہ اللہ کے حکم کے خلاف ہو تو نگاہ فکشن دیکھتی ہے، صرف دل کا دیکھنا برحق ہے۔ اس لئے ہر لمحہ یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ ہمیں اپنی رحمت میں رکھ۔

ایک بات کو سمجھنے کے لئے خیال کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔لکھنے کو تو آدمی ہر خیال لکھ لے لیکن ہر خیال لکھا نہیں جا سکتا۔ شعور محدود ہے مگر اللہ مہربان ہے۔''مثالوں'' سے سمجھاتا ہے تاکہ غور و فکر کرنے والے کے لئے منزل آسان ہو جائے۔

لاشعور نے لفظ مثال کی طرف متوجہ کیا اور مثال سے سورہ نور کی آیت ذہن میں آئی۔ سورہ نور میں اللہ نے کائنات کی ساخت مثالوں سے سمجھائی ہے۔

کوئلے کی دلالی میں ہاتھ کالے

www.ksars.org

تعمیل حکم سے مرید کا ذہن۔۔۔ مرشد کے ذہن میں ڈھلتا ہے یہاں تک کہ بات مرشد کے ذہن میں آتی ہے اور مرید کے ذہن میں منتقل ہو جاتی ہے۔

ایک روز فرمایا کہ سامنے والی لائٹ کھول دو۔ کمرے میں موجود تمام بٹن اس نے چیک کئے لیکن لائٹ نہیں کھلی جب کہ لائٹ کا بٹن کمرے میں تھا۔ خیال آیا کہ بلب کا کنکشن واش روم کے دروازہ کے ساتھ لگے سوئچ بورڈ کے دو بٹن میں سے ایک ہوگا لیکن یہ سوچ کر خیال کو رد کر دیا کہ واش روم کے بٹن کے ساتھ کمرے کی لائٹ کے بٹن کا کیا کام۔۔۔؟

خیال رد کیا اور آگے بڑھا، مرشد کریم نے آواز دی اور واش روم کے بٹن کی طرف اشارہ کیا، ''وہ چیک کرو''

اس نے چیک کیا اور۔۔۔ لائٹ کھل گئی۔

فرمایا، ''اپنا دماغ بھی استعمال کر لینا چاہئے، کیا آپ کو خیال نہیں آیا تھا۔۔؟''

عرض کیا، جی! خیال آیا تھا۔

فرمایا، ''پھر۔۔۔؟''

عرض کیا، میں نے رد کر دیا۔

فرمایا، ''عمل کرنا چاہئے تھا۔''

غور کرنے سے ایک کے بعد ایک نکتہ اس رفتار سے ذہن میں آتا ہے کہ وہ احاطہ نہیں کر پاتا اور نہ اس مناسبت سے ذہن غور و فکر کو وقت دیتا ہے۔ خود سے کہا، دن چوبیس کے بجائے اڑتالیس گھنٹے کا ہونا چاہیئے۔ خیال بولا، چوبیس اگر اڑتالیس ہو جائے تو یہ وقت اور فاصلہ کا بڑھنا ہے، کم ہونا نہیں۔ ذہن کی رفتار کا تعلق آدمی کے تقسیم کئے گئے چوبیس اور اڑتالیس گھنٹوں سے نہیں بلکہ یکسو ہونے سے ہے۔ ذہن کی رفتار بڑھ جائے تو دو گھنٹے کا کام پانچ منٹ میں ہو جاتا ہے۔

تجربہ ہے کہ ادھر اُدھر کی باتیں سوچنے سے ذہن سست ہو جاتا ہے۔ یعنی فلاں نے ایسا کیوں کہا یا میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔۔ جو وقت وہ محبوب کے تصور میں گزار سکتا تھا وہ غیر ضروری باتوں میں ضائع کر دیا۔ ادھر اُدھر کے خیالات سے انتشار ہوتا ہے اور ذہن کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ مرشد کریم اختلافات سے گریز اور معاف کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔

ایک صاحب سے اختلافی موضوع پر بات ہوئی۔ دونوں کے پاس دلائل تھے اور دونوں خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں تھے۔ بحث طویل ہوئی تو اچانک اپنا آپ کثیف محسوس ہوا۔ اندر میں سے آواز آئی، ''کن چکروں میں پڑ گئے۔۔؟'' جیسے ہی خیال آیا، وہ رک گیا اور اس کے بعد ایک لفظ نہیں کہا۔ خاموش دیکھ کر مقابل کو بھی خاموش ہونا پڑا۔

www.ksars.org

اتنے میں مرشد کریم نے آواز دی، کمرے میں داخل ہوا۔ سلام کے بعد انہوں نے ایک دو باتیں کیں اور پھر فرمایا۔ ''کوئلے کی دلالی میں ملتا کچھ نہیں ہے لیکن ہاتھ ضرور کالے ہو جاتے ہیں۔'' اس وقت تو سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بات کیوں کہی گئی لیکن بعد میں غور کیا اور سیاق وسباق سے کام لیا تو سخت نادم ہوا۔

ادھر اُدھر کے خیالات کے بجائے جب باوقار ہستی کا خیال محیط ہوتا ہے تو ہاتھ ماہر کاتب کا قلم بن جاتا ہے۔ نکتہ در نکتہ کھلتا ہے اور خیال راسخ ہو جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ سے واقف ہونے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اللہ ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔ راستہ کھلنا، زمان ومکان سے واقف ہونا ہے جب کہ پہلے سے واقف زمان ومکان کی نفی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح غور وفکر سے خیال در خیال آگے بڑھنے کے لئے زینہ بن جاتا ہے۔

غور وفکر کے ضمن میں حقیقت راسخ ہوئی کہ کوئی بات سمجھ میں آجائے تو اس میں شاگرد کا کوئی کمال نہیں۔۔ جس کی تعمیل کرتے ہیں، اس کا ذہن کام کرتا ہے۔ شاگرد کا کام صرف ربط میں رہنا ہے۔ ربط استاد سے ہٹے گا تو یقیناً کسی اور جانب ہو گا اس لئے کہ ذہن کو ہر لمحہ مرکزیت چاہیئے۔

ذہن جس کو مرکز بنائے گا اس وقت وہی اس کا استاد ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ فرد نے مرکز کس کو بنایا ہے۔ جنت میں ذہن اللہ سے ہٹا تو نافرمانی ہو گئی۔ جب تک ذہن اللہ کی طرف ہوتا ہے، کام کیئر آف اللہ ہوتا ہے۔ کائنات انسپائریشن ہے۔ ہم ہر کام انسپائر ہو کر کرتے ہیں یعنی ہم میڈیم اور خیال کے تابع ہیں۔ اطلاع کہیں اور سے آتی ہے۔ مرزا اسداللہ خان غالبؔ فرماتے ہیں،

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

''قلم کے چلنے کی آواز میرے لئے غیب کی صدا ہے کہ خود بخود مضامین ذہن میں القا ہو رہے ہیں۔''

ایک وقت تھا کہ وہ دنیا سے بیزار تھا۔ ایک روز مرشد کریم سے عرض کیا، صبح اٹھتا ہوں تو سینہ کے درمیان شدید قسم کی گھبراہٹ ہوتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ یااللہ! پھر صبح ہو گئی۔

www.ksars.org

فرمایا، ''صبح آنکھ کھلتی ہے تو پہلا ہدف وہی بنتا ہے جس طرف آدمی کا دل ہوتا ہے۔ آدمی صبح اٹھتا ہے تو تجسس ہوتا ہے۔ جس کی طرف توجہ ہوتی ہے، جاگنے کے بعد پہلے اس کو دیکھتا ہے۔ جو اللہ کے طالب ہیں وہ جاگتے ہیں تو اللہ کو دیکھتے ہیں۔''

بات نے گہرا اثر کیا اور نگاہ کا زاویہ بدلنے سے دنیا بدل گئی۔ جس وقت آنکھ کھلتی ہے چاہے رات کے تین بجے ہوں، سب سے پہلے وہ مرشد کریم کو سلام کرتا ہے۔ ابتدا میں جاگنے کے بعد ارادی طور پر انہیں یاد کیا۔ مشق سے غیر ارادی طور پر الحمد اللہ پہلا خیال صاحبِ دل کا آتا ہے اور وہ سلام عرض کرتا ہے۔ یقین ہے کہ سلام پہنچتا ہے اور جواب بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی سماعتوں کو کھول دے تاکہ وہ جواب سن لے۔

ایک روز نیند کے اس پار مرشد کریم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا، ''جب تم یہاں آئے تو تمہارا ذہن تباہی کے دہانہ پر تھا، اب تصور شیخ میں گم ہے۔''

احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اے ایمان والو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ۔'' (المائدۃ: ۳۵)

کامل مرشد اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

زیادہ تر ایسی باتیں ذہن میں آتی ہیں جن کا مفہوم بہت گہرا ہوتا ہے۔ گہری باتیں عموماً کسی لفظ کی شکل میں ہوتی ہیں، توجہ نہ دی جائے تو غیر ارادی طور پر مختلف اوقات میں اس کی تکرار ہوتی ہے۔

تفکر سے گہری ہلکی۔۔۔ ہلکی گہری تصویر بنتی ہے لیکن مفہوم کا احاطہ نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت دو تین گھنٹوں سے لے کر دو تین ہفتوں تک برقرار رہتی ہے۔ ذہن میں خیالات کی فلم چلتی ہے مگر مناظر کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہوتے۔ ہر منظر وسیع و عریض اور گہرا ہے۔ وہ جس منظر یا نکتہ میں داخل ہوتا ہے۔ کھو جاتا ہے۔ بات کھلتی نہیں ہے صرف ذہن کی سطح پر آکر واپس گہرائی میں چلی جاتی ہے۔ اس دوران کیفیات اور تجربات بھی ملتے جلتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر شے خیال کو سمجھنے میں مدد کر رہی ہے۔

سبز شعاعوں کا پانی تیار کرنا تھا۔ اسٹیل کی پتیلی لی، پانی ڈالا اور آنچ دی۔ تھوڑی دیر بعد بلبلے (Bubbles) بننا شروع ہوئے۔ نظر سطح پر ابھرتے بلبلوں پر پڑی۔ وہ متوجہ ہوا کہ دیکھے پانی میں بلبلے کس مرحلہ پر بنتے ہیں۔ یک سو ہونے سے

www.ksars.org

پتیلی کی تہ میں کئی چھوٹے چھوٹے دائرے یا بلبلے نظر آئے جو حرارت ملنے پر اوپر اٹھے اور محوری و طولانی گردش میں سطح پر پہنچے۔

قابل غور بات یہ تھی کہ سطح پر نظر آنے والے بلبلوں کا تہ میں اپنے Source سے دائروں کی شکل میں ربط تھا جو ایک لمحہ کو بھی نہیں ٹوٹا۔ اس نے دیکھا کہ بلبلا دائروں میں اوپر کی جانب بڑھ رہا ہے۔ حیرت ہوئی کہ پانی الگ اور پانی میں موجود رہ کر بلبلا الگ ہے جب کہ دونوں پانی ہیں۔

سوچا کہ پانی جب پانی سے ملتا ہے تو ایک ہو جاتا ہے، ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ شکل تبدیل ہونے پر شے الگ نظر آتی ہے۔ پتیلی میں جب بلبلے بنے تو بلبلے پانی تھے۔ پھر الگ کیسے ہو گئے۔۔۔؟

ابلنے کے دوران پانی تین شکلوں میں ظاہر ہوا۔ ایک خود پانی، دوسرا بلبل اور تیسرا بھاپ۔۔ سمجھ میں یہ آیا کہ تبدیلی کی وجہ حرارت اور خلا ہے۔ حرارت سے خلا پیدا ہوا، شکل بدلی اور پانی۔۔۔ پانی سے الگ نظر آیا۔ حرارت کیسے بنتی ہے، کس طرح آگے بڑھتی ہے، خلا کیسے بنتا اور پُر ہوتا اور شکل کی تبدیلی کیا ہے۔۔۔ یہ سب اپنی جگہ سوالات ہیں۔

بہر حال، بات مفہوم میں گہرائی سے شروع ہوئی تھی۔ غور و فکر کرتے ہوئے اسی طرح اس کا ذہن آگے بڑھتا ہے، ہر شے اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور سب چیزوں کا تعلق اس ایک بات سے جڑ جاتا ہے جو وہ سمجھنا چاہتا ہے۔ تجربہ نے بتایا،

۱۔ جو شے سطح پر ظاہر ہوئی اس کا اپنے Source سے ربط تھا۔

۲۔ بلکہ اس نے دیکھا کہ سطح پر ہو بہو وہی شے ظاہر ہوئی جو Source میں موجود تھی یعنی ظاہر باطن کا عکس ہے۔

۳۔ یہ بات بھی سمجھ آئی کہ نظر باطن پر ہو تو ظاہر میں وہی نظر آتا ہے جو باطن میں موجود ہے۔

مشاہدہ سے سمجھا کہ مفہوم کا مکمل ادراک اس وقت ہوتا ہے جب توجہ ہر وقت Source کی طرف ہوتی ہے۔ ذہن میں ابھی اتنی وسعت نہیں ہے کہ خیال کو من و عن قبول کر لے، اس لئے ایک خیال کو سمجھانے کے لئے معاون خیالات آتے ہیں۔

مرشد کریم سے تجربہ بیان کیا اور پوچھا کہ پانی کو پانی میں دیکھنا کیا ہے؟ انہوں نے آیت پڑھی،

''اللہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے ثمرات پیدا کئے۔'' (ابراھیم: ۳۲)

فرمایا، ''آپ کا جواب اس آیت میں ہے۔ عربی اور اردو دونوں کو سامنے رکھ کر آیت پر غور کرو۔ رزق کو اگر وسائل سمجھ لیا جائے تو بات سمجھ آ جائے گی۔''

www.ksars.org

www.ksars.org

شام صبح اور صبح شام سے ملتی ہے

خشکی کی طرح سمندر میں بھی دنیائیں ہیں۔ نظر کی آخری حد پر سورج غروب ہو رہا تھا۔ عجیب بات ہے کہ اپنے گھر سے جو سورج غروب ہوتے وقت آسمان پر نظر آتا ہے وہ ساحل پر شام کے وقت زمین میں غروب ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ کیا سمندر زمین ہے۔۔۔؟

نہیں معلوم سورج کہاں غروب ہوتا ہے اور غروب ہونا کیا ہے۔۔۔؟

سمندر کیا ہے۔ سمندر زمین پر ہے تو زمین کیا ہے۔۔۔؟

زمین کی حد آسمان سے ملتی ہے تو پھر آسمان کیا ہے۔۔۔؟

ہر سوال میں ''کیا'' ہے، سوچتے سوچتے آدمی سوچ میں گم ہو جاتا ہے۔

چند روز سے شام کو چہل قدمی کے دوران سورج کو غروب ہوتا دیکھ کر یہ بات بار بار ذہن میں آئی کہ طلوع اور غروب کا منظر ایک ہے۔ آسمان کو دیکھ کر بتایا نہیں جا سکتا کہ زمین پر اس وقت سورج غروب ہو رہا ہے یا طلوع ہونے کا وقت ہے۔ لگتا ہے کہ شام، صبح سے یا صبح شام سے مل جاتی ہے۔

توجہ لہروں کے شور کی طرف مبذول ہوئی۔ آواز سنی تو ادراک ہوا کہ سمندر بھی باتیں کرتے ہیں۔ غور کرنے کے باوجود سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر کہتے کیا ہیں۔

خیال نے کہا، مہینوں سمندر سے دور رہ کر چند گھنٹے ساحل پر بیٹھ کر یہ توقع کرنا کہ سمندر کی باتیں سمجھ میں آجائیں، ممکن نہیں۔ سمندر سے واقف ہونے کے لئے سمندر کا حصہ یا سمندر بننا ہوگا۔

میں سمندر کیسے بن سکتا ہوں۔۔۔؟

خیال نے کہا، پانی بن کر کیوں کہ سمندر پانی ہے۔

میں بھی تو پانی ہوں، جو شے کھاتا ہوں سب میں پانی شامل ہے اور میری بنیاد بھی پانی ہے۔

خیال نے کہا، پانی تمہارے اندر مغلوب اور سمندر میں غالب ہے۔ تم پانی سے واقف نہیں۔ واقف ہونے کے لئے صفات اپناؤ تاکہ ذات سے واقف ہو جاؤ۔

www.ksars.org

نظر سمندر پر مرکوز کی تو اس مرتبہ سمندر کی بجائے، سمندر کی وسعت نظر آئی۔ جتنی دیر وہاں رہا، لہروں سے مانوس ہونے کی کوشش کی تاکہ آواز سمجھ میں آجائے۔

کھلی آنکھوں سے دیکھا تو سوال در سوال سے ذہن بوجھل ہو گیا۔ آنکھیں بند کیں۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ ''حس'' آواز کی طرف متوجہ ہوئی اور آواز سے موج در موج کی تصویریں بننا شروع ہو گئیں۔ دیکھا کہ لہریں، طول اور موج میں سفر کر رہی ہیں۔ طول۔۔ طوالت اور موج۔۔ دائرہ ہے۔ لہریں آگے بڑھتی ہیں اور دائرہ میں گھوم جاتی ہیں۔

ماحول سے بے نیاز سمندر کی لہروں میں گم تھا کہ ادراک ہوا، جس کو طول یا سیدھ میں آگے بڑھنا سمجھ رہا تھا وہ دراصل دیکھنے کا زاویہ (Angle Of Perception) ہے۔ جو شخص لہر کو اوپر، نیچے یا کسی ایک زاویہ سے دیکھے گا، وہ لہر کے گھومنے کو سیدھ میں آگے بڑھنا سمجھے گا۔ لیکن جس شخص کا ذہن سمتوں سے آزاد ہے وہ جان لے گا کہ جس کو لوگ طول، طوالت، لمبائی یا سیدھ میں آگے بڑھنا سمجھتے ہیں، وہ بھی دائرہ ہے۔ یہ سمجھنا کہ لہر پہلے آگے بڑھتی ہے پھر دائرہ میں گھومتی ہے، اس میں تعطل پیدا ہوتا ہے۔ یعنی آگے بڑھنے کے بعد وہ پوائنٹ جہاں سے لہر دائرہ کے لئے Turn ہوتی ہے وہاں شکل تبدیل ہو جائے گی۔

بیگ سے کاغذ پنسل نکالی اور دائرہ بنایا۔ تجربہ سے مشاہدہ ہوا کہ دائرہ بنانے کے لئے ضروری ہے کہ لکیر کا ہر رخ دائرہ ہو۔ لکیر سیدھ میں جائے گی تو دائرہ خراب ہو جائے گا یا ٹوٹ جائے گا۔ کائنات میں ہر شے اللہ کی طرف سے آتی ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جاتی ہے، یہ کائناتی دائرہ ہے۔ جس کائنات کا نظام دائرہ پر قائم ہے اس میں موجود شے طول میں کیسے ہو سکتی ہے۔۔؟ جس کو ہم سیدھ میں آگے بڑھنا یا طول کہتے ہیں وہ دراصل دائرہ ہی ہے۔ ہم چوں کہ ایک اینگل سے دیکھتے ہیں، اس لئے دائرہ کو طول (لمبائی) سمجھتے ہیں۔ کسی بھی شے کو آگے بڑھنے کے لئے دائرہ درکار ہے۔ سمجھ میں یہ آیا کہ طول مفروضہ اور دائرہ حقیقت ہے۔

ذہن تفکر کے پیٹرن پر قائم ہو جائے تو اندر میں توازن سے نظر میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ ہے کہ جب مرشد کریم کوئی بات لکھوانے یا تحریر کو آسان کرنے کے لئے تفکر کرتے ہیں تو آنکھ کی پتلی بے حرکت اور جسم ساکت ہو جاتا ہے۔ احساس ہوتا ہے کہ اس وقت وہ یہاں نہیں، دوسری دنیا میں ہیں۔ احساس ہوا کہ تفکر کے علاوہ بھی ان کی پلک کم جھپکتے دیکھی ہے۔ لگتا ہے جیسے ہر لمحہ تفکر ہے۔ ذہن میں آیت روشن ہوئی،

www.ksars.org

''زمین اور آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے
آنے میں اولی الالباب کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے ،بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمان کی
ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں کہ پرودگار یہ سب تو نے بے مقصد نہیں بنایا۔''

(آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱)

جب مرشد کریم کے بارے میں غور کرتا ہے تو دل کہتا ہے کہ جو تحمل ان کے اندر ہے، میرے اندر پیدا ہو جائے۔ آج نظر پر غور کیا تو احساس ہوا کہ ہمارے اندر تحمل اس لئے نہیں ہے کیوں کہ نظر میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ توجہ اپنے دیکھنے پر مرکوز کی کہ کیا نظر کہیں رکتی ہے، اگر رکتی ہے تو کتنی دیر کے لئے اور کن چیزوں پر رکتی ہے۔ مشاہدہ ہوا کہ نظر نہیں رکتی۔ جس کو دیکھ کر بات کرتے ہیں، اس وقت بھی ذہن میں بہت کچھ ہوتا ہے، ہم مقابل کو نہیں، اپنے ذہن کو دیکھتے ہیں۔ آنکھ کی پتلی نہ ٹھہرے تو ذہن پوری طرح یک سو نہیں ہوتا۔

تجربہ کیجیئے۔۔ خود کو دیکھئے اور بتایئے کہ کیا آپ کی نظر کہیں رکتی ہے۔۔۔؟

تفکر ایسا میکانزم ہے کہ بندہ جس شے پر غور کرے، سب سے پہلے اپنے آپ سے واقف ہوتا ہے کیوں کہ جس چیز کو وہ دیکھتا ہے، لامحالہ اندر میں کوئی، وہ شے اسے، اس کے اندر دکھاتا ہے۔

چائے کے دوران مرشد کریم نے بسکٹ اس کی طرف بڑھایا۔ بسکٹ لیا اور شکریہ ادا کیا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے فرمایا، ''لوگ کھانا کھاتے ہیں، ذہن کھانے کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن اللہ کی طرف نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں جاتے ہیں، انواع واقسام کے کھانوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن نہ کھاتے وقت خیال آتا ہے کہ رزق اللہ نے دیا ہے اور نہ عالی شان ہوٹل کی عمارت دیکھ کر ذہن اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لوگ کچھ دے دیں تو ان کا شکریہ ادا کرتے تھکتے نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کا خیال نہیں آتا جس نے وسائل عطا کئے ہیں۔''

اس نے تاسف سے سر ہلایا اور سوچا۔۔ واقعی لوگ کیسے ہیں، کھانا کھاتے ہوئے بھی اللہ کی طرف ذہن نہیں جاتا۔ اذہان (ذہن کی جمع) بند ہیں، غذا مرغوب ہوتی ہے لیکن عطا کرنے والے کا خیال نہیں آتا۔ افسوس جاری تھا کہ تھوڑی دیر بعد زبردست قسم کا جھٹکا لگا جیسے کسی نے جھنجھوڑ کر غفلت سے بیدار کیا ہو۔ کرنٹ اتنا شدید تھا کہ دیر تک لرزش محسوس کی۔

اندر میں سے آواز آئی، تمہارے ہاتھ میں بسکٹ ہے، کیا بسکٹ کھاتے ہوئے تمہارا ذہن اللہ کی طرف گیا؟ نہیں گیا! اپنا محاسبہ کرنے کے بجائے مرشد کریم کی بات کو دوسرے پر کیوں گمان کیا۔۔۔؟

www.ksars.org

ایک لمحہ کو ذہن سن ہو گیا۔ خود سے پوچھا، میں نے کیوں نہیں سوچا کہ یہاں لوگ نہیں، میں بیٹھا ہوں اور یہ بات میرے لئے کہی گئی ہے۔۔؟

آواز نے کہا، تم خود کو اچھا اور خامیوں سے پاک سمجھتے ہو۔ نظر اپنے عیوب پر نہ ہو تو دوسروں کے عیب نظر آتے ہیں۔ اسی وقت استغفار پڑھا، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی، بسکٹ کے ساتھ اصلاح احوال پر بھی اللہ کا شکر ادا کیا اور تہیہ کر لیا کہ دوسروں کے بارے میں رائے قائم کرنے کے بجائے، اپنے اندر دیکھوں گا۔

پانی کی طرح آواز بھی تصورات کا خول ہے۔ آواز میں تصویریں اور پیغام ہوتا ہے۔ ساحل پر ادراک ہوا کہ سمندر باتیں کر رہا ہے، اور بازگشت اتنی زیادہ ہے کہ محسوس ہوتا ہے یہاں صرف پانی کا نہیں، آواز کا بھی سمندر ہے۔

انسپائر ہوا کہ آواز اس وقت آتی ہے جب شے کسی چیز سے ٹکراتی ہے۔ پانی میں لہروں کے علاوہ دیوار ہے نہ دیوار جیسی ٹھوس شے، پانی۔ پانی سے ٹکرا رہا ہے اور آواز گونج رہی ہے۔ پانی میں ایسا کیا ہے کہ لہریں ایک دوسرے میں ضم ہونے کے بجائے ٹکراتی ہیں اور آواز پیدا ہوتی ہے۔۔؟ ممکن ہے کہ لہروں میں توانائی کی مقداریں مختلف ہونے کی وجہ سے ایسا ہو یا پھر اس میں خلا کا کوئی قانون ہے۔

مرشد کریم سے پوچھا، لہریں کیا کہتی ہیں۔۔۔؟

فرمایا، ''پانی مستقل محبوب کے اشتیاق میں حیران پریشان ہے، شور بھی مچاتا ہے اور خاموش بھی ہو جاتا ہے۔ پانی سمندر میں قید ہے اور سمندر مادیت ہے۔ فراق میں جل کر لہریں مادیت سے نکلنے کے لئے ساحل کی طرف آتی ہیں تو ساحل پر زمین انہیں واپس سمندر میں دھکیل دیتی ہے۔ لہریں خود سے کہتی ہیں کہ ہائے! ہمیں محبوب سے ملنا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو لہریں بارش کے قطروں کو قبول کرتی ہیں۔ رد اس لئے نہیں کرتیں کہ بارش کے قطروں میں محبوب موجود ہے۔''

www.ksars.org

اس شہر میں رہنا تو پھر اوقات میں رہنا

بحیرہ عرب میں موٹر بوٹ کے ذریعے ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر ایک جزیرہ میں پہنچا۔ ساحل پر رہنے والے ماہی گیر ہر سال یہاں فیسٹیول مناتے تھے۔ جزیرہ کی سجاوٹ نے حیران و پریشان کر دیا۔ یہ کوئی سہولیات سے آراستہ جزیرہ نہیں تھا بلکہ سمندر کی چند لہروں سے اوپر پتھریلی زمین تھی۔ پانی کے درمیان یہ جگہ سمندر سے اتنی اوپر تھی کہ بڑی لہر آتی اور زمین غائب ہو جاتی۔ پانی میں عمر گزارنے والے یہ لوگ بغیر کسی خوف کے یہاں تہوار منا رہے تھے۔

تھوڑی دور چل کر جھونپڑی نظر آئی، دروازہ بند تھا اور باہر دو تین بچے کھیل رہے تھے۔

ماہی گیر گائیڈ سے پوچھا کہ گہرے پانی کے بیچ خالی زمین پر کوئی رہتا ہے یا یہ بھی فیسٹیول کی سجاوٹ کا حصہ ہے۔۔۔؟

وہ بولا ، یہاں بوڑھی عورت اپنے پوتوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اس وقت گھر پر موجود نہیں، راشن خریدنے شہر گئی ہے۔ سخت تعجب ہوا کہ گہرے سمندر میں پوتوں کے ساتھ بوڑھی عورت۔۔۔؟ پوچھا کتنے طوفان ایسے آتے ہوں گے جن کی شہر والوں کو خبر نہیں ہوتی، ایسے میں یہاں رہنا کس طرح ممکن ہے؟ گائیڈ نے بتایا کہ موسم خراب ہو تو یہ لوگ شہر آجاتے ہیں لیکن اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔ جھونپڑی دیکھنے کے باوجود گائیڈ کی بات پر یقین نہیں آیا۔ جب بحیرہ عرب کا تذکرہ ہوتا ہے، بند جھونپڑی ذہن میں آجاتی ہے۔

واپس آتے ہوئے ادراک ہوا کہ جزیرہ کی پتھریلی زمین دراصل کسی بلند و بالا پہاڑ کی چوٹی ہے جو بحیرہ عرب کے گہرے پانی میں بھی نظر آتی ہے۔۔ پہاڑ کسی وقت بھی ظاہر ہو سکتا ہے!

گلاس میں کنکریاں ڈالتے ہیں تو پانی اوپر آتا ہے۔ اوپر آنے کا مطلب یہ نہیں کہ گلاس پانی سے بھرا ہوا ہے۔ پانی آدھا ہے، باقی کنکریاں ہیں۔ پتھر نکال لئے جائیں تو پانی نیچے چلا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سمندر پانی اتنا اوپر نہیں ہے، جتنا نظر آتا ہے۔ سمندر پیالہ کی مانند ہے اور پیالہ میں پانی کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ خیال نے یاد دہانی کرائی کہ ہر چیز پانی سے بنتی ہے، جو شے پانی کے علاوہ نظر آتی ہے وہ بھی دراصل پانی ہے لیکن ہیئت بدلنے کی وجہ سے ہم اس کو پانی نہیں کہتے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے خیالات کی فلم چل پڑی۔ اس نے سارے مناظر مفہوم کے ساتھ دوسرے صفحہ پر نوٹ کئے کیوں کہ یہاں پر لکھے تو بات کہاں سے کہاں نکل جائے گی اور جب گھوم پھر کر واپس آئے گی تو تجربات، مشاہدات اور کیفیات سے گزرنے کی وجہ سے لکھنے کا زاویہ تبدیل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ بات سمجھنا مشکل ہو جائے۔

www.ksars.org

سمندر کے اندر بلند و بالا پہاڑ ہیں جن کی بنیاد تہ میں میخوں کی طرح گڑی ہوئی ہے۔ پہاڑوں کو استحکام نہ ملے تو پہاڑ کی چوٹیاں یعنی جزیرے سمندر میں تیریں گے لیکن جزیرے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ سمندر میں پہاڑوں کی وجہ سے پانی اوپر آگیا ہے۔

کراچی کے مضافاتی علاقے بالخصوص وہ راستے جو بلوچستان یا حیدر آباد کی طرف جاتے ہیں، ان پر سفر کیا جائے تو پتھریلی زمین، چھوٹے بڑے پہاڑوں پر نشانات اور مٹی کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہاں پر کبھی پانی رہا ہو گا اور کسی زمانہ میں یہ سمندر کی تہ یا زمین ہو گی۔ ان علاقوں کو دیکھ کر Marine لائف سے متعلق دستاویزی فلمیں (ڈاکومینٹریز) ذہن میں آتی ہیں جن میں سمندر کے اندر علاقے دکھائے جاتے ہیں۔۔۔ پانی میں رہنے کی وجہ سے کچی پکی مٹی جیسی زمین، کہیں کہیں سمندری گھاس اور پودے، باغات، غار، ان کے درمیان چھوٹی بڑی رنگ برنگ مچھلیوں کا تیرنا، پانی سے گلنے کی وجہ سے کھلی ہوئی چٹانیں وغیرہ۔

بحیرہ عرب۔۔۔ بحر ہند کا حصہ ہے جس کے شمال میں پاکستان اور ایران، مغرب میں جزیرہ نما عرب (سعودی عرب، عمان اور یمن) متحدہ عرب امارات اور صومالیہ جب کہ مشرق میں بھارت ہے۔ بحیرہ عرب کا رقبہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ مربع میل اور گہرائی زیادہ سے زیادہ چار ہزار چھ سو باون (4652) میٹر بتائی جاتی ہے۔ اس کی حدود مغرب میں باب المندب یمن تک، شمال میں خلیج فارس ایران اور مشرق میں تامل ناڈو، بھارت کے ساحل کنیا کماری تک پھیلی ہوئی ہیں۔

جس جزیرہ پر وہ گیا تھا، شہر سے دور گہرے سمندر میں ہے۔ گہرے پانی میں پہاڑ کی چوٹی نظر آنے کا مطلب پہاڑ کی طوالت اس مقام پر سمندر کی جو گہرائی ہے، اس کے برابر ہے۔

طوالت کا اندازہ لگانا چاہا تو اپنا گاؤں یاد آگیا۔ پہاڑوں کے درمیان بل کھاتے دریا کے ساتھ ساتھ اونچے نیچے راستوں پر گاڑی گزرتی ہے تو اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم کتنا اوپر آ گئے ہیں۔ گاؤں جس علاقہ میں ہے وہ سطح سمندر سے اوسطاً نو ہزار فٹ (تین ہزار میٹر) کی بلندی پر ہے۔ گھر کے سامنے دریائے سندھ بہتا ہے جسے مقامی زبان میں اباسین کہتے ہیں۔ دور۔۔ نہیں معلوم کتنی دور۔۔۔ برف سے ڈھکی پہاڑیوں میں دنیا کی خطرناک ترین چوٹی K2 ہے۔

یہ بے انتہا خوب صورت اور جنت نظیر خطہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ناہموار راستوں، سہولیات کے فقدان اور قبائلی نظام کی وجہ سے سیاح یہاں تک نہیں پہنچے۔ چھ سال قبل یہ ''علاقہ غیر'' کہلاتا تھا لیکن اب صوبائی حکومت کے زیر انتظام ہے، قانون کی عمل داری ہے اور مکینوں کو تعلیم تک رسائی ملنا شروع ہو گئی ہے۔

www.ksars.org

دریائے سندھ (اباسین) کا پانی جب لداخ، چین سے پاکستان میں داخل ہوتا ہے تو پہلے ان علاقوں سے گزرتا ہے اور صوبہ سندھ کے شہر ٹھٹھہ پہنچ کر بحیرہ عرب میں داخل ہو جاتا ہے۔

اس نے سوچا کہ جب اس کا گاؤں سطح سمندر سے تقریباً تین ہزار میٹر (نو ہزار فٹ) کی بلندی پر ہے تو بحیرہ عرب میں اس پہاڑ کی طوالت جس کی چوٹی (جزیرہ) پر وہ گیا تھا، تقریباً اتنی ہی ہوگی یا اس سے تھوڑی کم کیوں کہ بحیرہ عرب میں سب سے گہرا مقام چار ہزار چھ سو باون میٹر بتایا جاتا ہے۔ اتنا طویل القامت پہاڑ بحیرہ عرب میں موجود ہے، اس سے آگے، دائیں بائیں یا پیچھے نا جانے ایسے کتنے پہاڑ ہوں گے جن کی چوٹی کبھی نظر آجاتی ہے اور کبھی پانی میں ڈوب جاتی ہے، مقام کی مناسبت سے گہرائی بھی کم یا زیادہ ہوگی۔

سمندر کی زمین اور خشکی پر زمین کو دیکھ کر لگتا ہے کہ پہاڑ اپنے مقام پر رہتا ہے۔۔۔ پانی کی جگہ بدلتی ہے۔۔ اسکول کے زمانہ میں کراچی کی ایک دیوار پر پڑھا ہوا شعر حافظہ میں روشن ہوا،

دن شہر میں اور رات مضافات میں رہنا
بہتر ہے یہ کہ گردش حالات میں رہنا
یہ شہر سمندر کے کنارے پر ہے آباد
اس شہر میں رہنا تو پھر اوقات میں رہنا

مرشد کریم سے سوال کیا تھا کہ پانی کو پانی میں دیکھنا کیا ہے؟ انہوں نے آیت پڑھی،

"اللہ ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لئے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان بے انصاف اور ناشکرا ہے۔"

www.ksars.org

(ابراھیم: ۳۲۔۳۴)

انہوں نے فرمایا کہ ''رزق کو وسائل سمجھ کر آیت پر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آجائے گی۔''

اس کے ساتھ سورہ نور کی آیت کی تلاوت کی اور غور کرنے کا طریقہ بتایا۔

''اور اللہ جس کو چاہتا ہے، بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔''(النور: ۳۸)

پوچھا، ''بے حساب رزق کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟''

عرض کیا کہ بے حساب رزق کا مطلب ہم یہی سمجھتے ہیں کہ پیسوں کی فراوانی۔ پیسے آئیں گے تو ضروریات پوری ہوں گی اور آسائشیں ملیں گی۔

فرمایا، ''اس کا مطلب پیسے نہیں ہیں، ہر چیز آ گئی اس میں ہوا، دھوپ، چھاؤں، چاندنی جو وسائل اللہ نے عطا کئے ہیں اس میں آکسیجن کتنی ہے، حرارت، ٹھنڈک، پانی، معدنیات، فاسفورس، مٹھاس اور نمک کتنا ہے، اس کے حصول کا آپ حساب نہیں کر سکتے، بالآخر وغیرہ وغیرہ لکھنا ہوگا۔ بغیر حساب کا مطلب یہ ہے کہ اس رزق کا کسی بھی طرح حساب یا درجہ بندی کریں تو ناکام رہیں گے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے تربوز اور خربوزہ پر غور کریں۔ ان کی مقداریں، رنگ، گودا، اوپر اور اندر کا رنگ تلاش کریں۔''

عرض کیا کہ تربوز کا چھلکا گہرا اور کہیں کہیں ہلکا سبز ہے۔ بعض پر ہلکے سبز رنگ کی دھاریاں ہوتی ہیں۔ تربوز کو کھولیں تو چھلکے کا سبز رنگ ہلکا ہوتے ہوتے پستئی اور اس کے بعد جب سفید رنگ میں تبدیل ہوتا ہے تو وہاں سے سرخ رنگ شروع ہو جاتا ہے۔ سرخ بھی کہیں گہرا اور کہیں ہلکا ہے، گودے کے درمیان جگہ جگہ بیج ہیں۔

سوال پوچھنا چاہتا تھا کہ سفید کے بعد ایک دم سے سرخ رنگ کہاں سے آ گیا۔ سوال ذہن میں آتے ہی ذہن میں تربوز کی تصویر بنی اور اس نے دیکھا کہ قاشیں کاٹی جاتی ہیں اور چھلکے کو گودے سے الگ کیا جاتا ہے تو جہاں سفید اور سرخ ملتے ہیں وہاں سرخ رنگ بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ سوال اپنی جگہ موجود تھا کہ سفید کے ایک رخ پر مقداریں بڑھنے سے سبز رنگ اور دوسری طرف سرخ رنگ بن رہا ہے۔ سوچا کہ جس کو میں سفید سمجھ رہا ہوں، وہ کیا ہے۔ کیا یہ رنگ اس میں موجود ہیں، مجھے نظر نہیں آ رہے اور کلر بلائنڈ ہو کر میں ان کو سفید کا نام دے رہا ہوں۔۔؟

www.ksars.org

مرشد کریم نے فرمایا، ''اب بیج پر غور کریں۔ بیج کالا ہے یا بھورا۔ بیج کو کھولیں اس میں گری بھی رنگین ہے۔ بیج میں دونوں دالوں کے درمیان باریک لائن ہوتی ہے، اس کا رنگ الگ ہے اور وہی تربوز کی اصل ہے۔ اب ظاہر ہونے کے لئے اس کے اندر حرارت چاہیئے۔ آکسیجن، وٹامن، گرمی، سردی کی صفات اور بھوک مٹانے کے لئے صلاحیت ہونی چاہیئے۔ اس کو اللہ نے فرمایا، 'پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے ہر شے معین مقداروں سے تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔' معین مقداروں کی ہدایت سے اس کی ایک تصویر بنتی ہے اور اس میں مزہ ذائقہ، خوش بو، رنگ سب سے الگ ہو جاتا ہے۔ آم بالکل الگ مقداروں سے بنتا ہے لیکن جب آپ گٹھلی کو کھولیں تو گٹھلی میں گری، گری میں بال اسپرم ہے، وہ الگ ہوگا۔ آم کی گٹھلی توڑ کر تجربہ کرو۔''

مرشد کریم نے فرمایا کہ ''کیا آپ کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ تربوز کا چھلکا سخت اور گودا نرم کیوں ہے۔۔۔؟''

احساس ہوا کہ تفکر کے دوران ہر زاویہ کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے لیکن یہ اس وقت ہو جب خیال آئے۔ خیال بولا، گہرائی میں سوچنے کی عادت ڈالو اور جس چیز پر غور کر رہے ہو اسے وقت دو تو خیال آ جائے گا۔

اس کے بعد مرشد کریم نے فرمایا، ''خربوزہ اور تربوز کو بھی غور سے دیکھو، کسی بھی بیج کو توڑو، اندر سے گری نکلے گی۔ گری کیا ہے۔۔؟ یہ بھی غور طلب ہے کہ تربوز کے بیج پر غلاف ہے جو سخت ہے اور بیج کے اوپر گودا نرم اور گودے کے اوپر پھر سخت چھلکا۔ یہ تین رخ بیان کئے گئے ہیں۔ ایک چھلکا، ایک گودا اور اس کے اندر تخلیق کا ریکارڈ! یہ سب کیا ہے۔۔۔؟''

تین رخ سے ذہن میں آیت روشن ہوئی:

> ''وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے۔ پھر تم کہاں سے پھرے جاتے ہو۔'' (الزمر: ٦)

شیخ طریقت کی بات جاری تھی۔۔ ''ریکارڈ میں تربوز اور اس کی پوری نسل موجود ہے۔ اگر وہ ایک کروڑ سال پہلے کی بھی ہے تو ایک کروڑ سال کی پوری تاریخ ریکارڈ ہے۔ سب سے پہلے چھلکا زیر بحث آتا ہے۔ چھلکا پرت در پرت ہونے کی وجہ سے سخت ہو گیا۔ یعنی چھلکے کا تعلق قائم رہے اور بارش سے گودا محفوظ رہے۔''

قلم تیزی سے چل رہا تھا کہ کوئی نکتہ نہ رہ جائے۔ بعض باتیں جب تک وہ لکھ نہ لے ذہن میں نقش نہیں ہوتیں۔ اور پھر یہ تو باطنی علم ہے اور جس آواز میں ہے وہ باطن کا نور ہے۔ ایسے میں الفاظ کی معنویت سے واقف ہونے کے لئے بار بار پڑھنا اور لکھنا ضروری ہے۔

www.ksars.org

انہوں نے سمجھایا، ''اسپرم میں حرارت پہنچنے سے نشو نما ہوتی ہے۔ گرمی کا پھیلاؤ مادیت ہے۔ وہ پھیلاؤ اسپرم میں داخل ہو کر اسے ثقل میں تبدیل کر رہا ہے اور نشو نما کے بعد ہلکے سے موٹے دھاگے کی طرح شاخ نکلتی ہے۔ شاخ جن مقداروں سے بنی ہے ان مقداروں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس میں معین مقداریں شامل ہیں۔ تعاون ہوتا ہے زمین کا اور پانی کا۔۔ یہ ہے بے حساب رزق! بارش ہوتی ہے تو زمین سے سوندھی خوش بو آتی ہے۔''

فرمایا۔۔ ''جو میں نے سمجھایا ہے اس پر غور کرو اور تجربہ کیا کرو۔ جو شے ہاتھ میں ہو اور جس شے پر نظر پڑے دیکھو کہ وہ کیا ہے۔۔ پانی، حرارت، ٹھنڈک، نمکین، مٹھاس، ہوا، زمین، بارش، بیج، بیج کی گری، پھل کا گودا، رنگوں کا ہلکا اور تیز ہونا، ذائقہ وغیرہ کیا ان سب کا شمار ممکن ہے۔۔۔؟''

www.ksars.org

چوتھا سوال۔۔۔؟

ممکن ہے پڑھنے والے کو ان تحریروں میں تکرار ملے اور ایسا ہونا فطری ہے اس لئے کہ مرشد جب مرید کی تربیت کرتا ہے تو ایک بات کئی زاویوں سے سمجھاتا ہے تاکہ ذہن قبول کرلے۔ تربیت دراصل تکرار ہے۔

کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ عمل کا وقت آیا، ذہن نے بغاوت کردی، شکوک و شبہات پیدا ہوئے۔ ایسے میں استغفار پڑھنے سے متعلق خواب یاد آجاتا لیکن باغی ذہن کسی طور استغفار کی تسبیح پر آمادہ نہیں ہوتا۔ خود سے لڑتے لڑتے تھک ہار کر آخری راستہ استغفار کا ہی نظر آتا ہے اور وہ کم زوری تسلیم کرکے اللہ سے کہتا ہے کہ جانتا ہوں میں غلط ہوں اور اس کیفیت سے نکلنے کی استطاعت چاہتا ہوں۔ اور تھوڑی دیر بعد ذہن پر سے دھند ہٹ جاتی ہے۔

کمرے میں خاموشی سے زیادہ سکون تھا۔ یہ سکون اس ہستی کی وجہ سے تھا جس کے وجود سے نکلنے والی پرسکون لہریں کمرے پر محیط تھیں۔ یہاں بیٹھ کر محسوس ہوتا ہے کہ باحواس دیواریں تعظیم سے سر جھکائے کھڑی ہیں۔ کتابیں، پانی کی بوتل، ٹشو پیپر کا بکس، کرسی، ہر شے ترتیب اور قرینہ سے رکھی ہوئی تھی۔ ایسے میں اپنا آپ بے ترتیب محسوس ہوا۔

عرض کیا، غلطی ہوجانے کے بعد شرمندگی کی وجہ سے سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

فرمایا، ''شرمندگی نہیں بڑھنی چاہئے، میرے پاس آکر عزم بڑھنا چاہئے، ارادہ بڑھنا چاہئے، ول پاور بڑھنی چاہئے۔''

جواب نے جھنجھوڑ دیا۔ کیا کچھ نہیں تھا اس میں۔ مرشد کا ایثار، یقین کی دنیا، محبت، درگزر۔

عرض کیا، میرے اندر بغاوت بہت ہے۔

فرمایا، ''یہ خاندانی روایات کی وجہ سے ہے جن سے نکلنے میں وقت لگتا ہے۔ غلطی کا احساس ہونا ضمیر کی راہ نمائی ہے۔ آپ کے ذہن میں خاندانی برتری کا احساس ہے کہ میرا خاندان، زبان، تعلیم وغیرہ وغیرہ۔ انا پر بار بار ضرب پڑنے سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی ہے اور بندہ اپنی نفی کرکے بالآخر خود کو سپرد کردیتا ہے۔ آپ اپنی مرضی چاہتے ہیں جو دراصل خود کو نمایاں کرنے کی خواہش ہے۔ یہ خود سپردگی نہیں ہے۔ جب تک خود کو سپرد نہیں کروگے، یہ ہوتا رہے گا۔''

www.ksars.org

مرشد کریم جب دیکھتے ہیں، لگتا ہے اسے نہیں، اس کے اندر دیکھ رہے ہیں۔ نظر آنکھوں پر پڑی، ان آنکھوں میں کیا ہے، دیکھا نہیں جا سکتا۔ شاگرد آنکھیں ذہن میں نقش کرنا چاہے تو ذہن میں تصویر نہیں بنتی۔ بلاشبہ آنکھوں کا رنگ بہت خوب صورت ہے، بندہ دیکھ نہیں سکتا البتہ نیل گوں اور سرمئی رنگوں میں موجود خمار میں کھو جاتا ہے۔

عرض کیا، یہ بات آپ مجھے کئی مرتبہ سمجھا چکے ہیں لیکن میں بار بار ایک ہی غلطی کرتا ہوں۔

فرمایا، ''آپ ایک چیز کو 'رد کر کے' آگے بڑھنا چاہتے ہیں، یہ طریقہ نہیں ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ گزر جاؤ۔ ایک دن میں نہیں گذرتے، وقت لگتا ہے۔''

پوچھا، آپ حکم کی تعمیل ایک ہی بار میں کر لیتے تھے؟

انہوں نے فرمایا، ''میں تعمیل اس طرح کرتا تھا کہ پھر اس طرف نہیں سوچتا تھا، خیال آتا تو دوسرے کام میں مشغول ہو جاتا۔ آپ اس لئے الجھ رہے ہیں کیوں کہ ترک کے قانون سے واقف نہیں ہیں، ترک کے معنی ہیں۔۔ سرنڈر!''

ہم بچوں کو معیاری اسکولوں میں پڑھاتے ہیں کہ وہ اچھے اور کام یاب بنیں۔ اسکول دنیا کی اچھی تعلیم دے سکتا ہے لیکن کام یاب، آدمی رویوں سے ہوتا ہے۔ ہر جگہ بندہ رویوں کی وجہ سے ناکام اور اسی کے سبب کام یاب ہوتا ہے۔ اصلاح کا عمل بہت تکلیف دہ ہے۔ آدمی ٹوٹتا ہے، بکھرتا ہے، جلتا ہے اور راکھ ہو جاتا ہے۔ راکھ سے نیا وجود جنم لیتا ہے جو ''میں'' اور ''تو'' کی قید سے آزاد ہے۔ آزادی قربانی مانگتی ہے، جتنا عظیم مقصد ہوتا ہے، اتنی بڑی قربانی۔ آدمی کے لئے اپنا آپ سب کچھ ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ جب تک مرید خود کو مرشد کے سپرد نہیں کر دیتا۔ مرشد کا نہیں ہو سکتا۔

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

مرشد تربیت کرتا ہے تو ابتدا میں سات آسمانوں کی باتیں نہیں کرتا نہ نور اور تجلی سے متعلق پڑھاتا ہے، وہ مرید کو رویہ میں خامیوں اور اندر کی تاریکیوں سے واقف کرتا ہے اس لئے کہ جس کا اندر پرنور ہو گا، بات اس کو سمجھ میں آئے گی۔

www.ksars.org

تاریکیوں سے واقف ہوا توسب سے بڑی خامی یہ نظر آئی کہ وہ خود کو دوسروں کی نظر سے دیکھتا ہے اس لئے احساس کمتری یا برتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی نے تعریف کر دی تو پھولے نہیں سمایا اور جب تنقید ہوئی تو دل چھوٹا ہو گیا۔ جس نے اچھا کہا، یہ اس کا ذہن ہے اور جس نے برا کہہ دیا، اپنے ذہن کی ترجمانی کی۔ لوگوں کی رائے پر خود کو جانچ کر آدمی تین میں ہوتا ہے نہ تیرہ میں۔

شیخ طریقت فرماتے ہیں کہ خامی کا ادراک ہو جائے تو اسے دہرانے کے بجائے اصلاح کرنی چاہئے۔ خود سے کہا، رویے کتنے ہی سرد یا پُر جوش ہوں، یہ لوگوں کی سوچ ہے۔۔۔ میں ایسا نہیں۔ میں کیا ہوں، یہ اللہ کو معلوم ہے، بس ضمیر مطمئن ہونا چاہئے۔ خود کو لوگوں کی نظر سے دیکھنے کے بجائے یہ جاننا چاہئے کہ مرشد کی نظر میں، میں کہاں اور کیا ہوں۔

دو سال پہلے کی بات ہے شام میں ٹیرس پر بیٹھا موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ خیال آیا۔۔ میں کہاں پھنس گیا! زندگی پہلے اچھی تھی، مرشد سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی، ان ہدایات پر عمل کر کے قرآن کریم میں تفکر کرتا تھا اب ہر طرف ہاہا کار ہے۔ یہ سوچ کر ایک بار پھر پرندوں کی بولیوں میں گم ہو گیا۔

دو دن بعد ملاقات میں شیخ طریقت نے ہو بہو اس کے الفاظ دہرائے۔

فرمایا، ''آدمی اکیلا ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں کہاں پھنس گیا، اچھی خاصی زندگی تھی۔''

پھر الفاظ پر زور دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔ ''خالص شیطانی خیال ہے، کبھی شیطان کے چکر میں مت پڑنا!''

بات سن کر مسکراہٹ گہری ہو گئی کہ چوری پکڑی گئی ہے۔

مرشد مرید سے ایک لمحہ کے لئے بے خبر نہیں ہوتا۔

ایک روز اسائنمنٹ ملا جسے مکمل کرنا مشکل ہو گیا۔ جھنجھلایا ہوا تھا کہ زبان سے نکلا۔۔ یہ کام تو میری جان کو آ گیا ہے۔

چند روز بعد مرشد نے فرمایا، ''ہاں بھئی پہلے یہ کام کر والو، یہ تو تمہاری جان کو آ گیا ہے۔''

سخت ندامت ہوئی اور اعتراف کیا کہ میں جھنجھلایا ہوا تھا اس لئے زبان سے ایسی بات نکل گئی۔

شفیق مرشد مسکرائے اور فرمایا، ''کام اس وقت مشکل ہو جاتا ہے جب آدمی سمجھتا ہے کہ میں کر رہا ہوں۔ سب وسوسہ اور شیطانی چکر ہے۔''

www.ksars.org

غصہ پہلے سے کم ہو گیا ہے اور ردِ عمل بھی۔ اگرچہ مکمل ختم نہیں ہوا لیکن بہت سی باتوں کو اب وہ نظرانداز کر دیتا ہے۔
تبدیلی کا احساس اس وقت ہوا جب ایک روز کسی نے نشان دہی کہ تم وہ نہیں ہو، جو پانچ چھ سال پہلے تھے۔ اب ٹھہراؤ آ گیا ہے۔
احساس دلانے پر متوجہ ہوا تو محسوس کیا کہ صبح سے کتنی باتیں ایسی ہو چکی ہیں جن پر وہ پہلے ردِ عمل ظاہر کرتا تھا، اب نظر انداز کر دینے سے ذہن ہلکا رہتا ہے۔
ایک روز چند باتیں ذہن کو ناگوار گزریں۔ ذہنی کش مکش بڑھی تو آنکھیں جلنا شروع ہو گئیں۔ خیال آتے ہی کہ یہ غصہ نہیں حسد ہے، اللہ کا شکر ہے اس کیفیت سے نکل گیا۔
مرشد کریم سے عرض کیا، میری سوچ غلط ہے، ہر ایک کو اپنی قسمت کا ملتا ہے۔ نہ کوئی کسی سے کچھ لے سکتا ہے نہ دے سکتا ہے۔ جس کو میں نے غصہ سمجھا، وہ حسد تھا۔ آدمی کو پتہ نہیں چلتا اور وہ راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرنی چاہئے۔
فرمایا، ''یہ احساس کس نے دلایا۔۔؟''
عرض کیا، اللہ تعالیٰ نے۔
فرمایا، ''اس سے پہلے جو سوچا، شیطان کی کارفرمائی تھی۔ اب جو کیا ہے یہ ضمیر کی آواز ہے۔ آپ نے ضمیر کی آواز کو سنا۔ اسی طرح سنتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔''

خواب میں دیکھا کہ وہ زمین پر بیٹھا ہے اور مرشد سفید لباس میں تخت پر۔۔
انہوں نے چار سوالات پوچھے۔۔
سوالات کیا تھے، یاد نہیں البتہ پہلے سوال پر اس نے کہا، جو آپ کا حکم!
دوسرا سوال کیا گیا، اس نے کہا، جو آپ کا حکم!
تیسرا سوال پوچھا گیا۔ اس بار پھر ذہن نے فرماں برداری کا اظہار کیا، جو آپ کا حکم!
البتہ چوتھ سوال پر وہ چونک گیا۔
مرشد گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے اور جواب کے منتظر تھے۔

www.ksars.org

سوال سن کر وہ گھبرا گیا۔ نفی میں جواب دینا نافرمانی تھی اور اثبات میں جواب دینے پر دل آمادہ نہیں تھا۔ وہ مرشد کا ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عرض کیا۔۔۔ سوال سمجھ میں نہیں آیا۔

مرشد ہنس پڑے اور سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا۔۔۔

نیند سے جاگتے ہی ذہن میں سوالات موجود تھے لیکن اگلے لمحہ ذہن خالی ہو گیا۔ یاد کرنے کی کوشش کے باوجود حافظہ خالی تھا۔ ادراک ہوا کہ خواب کے ذریعے خامی کی نشان دہی کی گئی ہے۔ کئی روز تک تعبیر پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ڈر بھی تھا کہ میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی جس پر معافی کی گنجائش نہیں۔ اس وجہ سے بھی ان سے تعبیر پوچھنے کی ہمت نہیں ہو سکی۔

اس روز جب مرشد کریم معافی کے حوالہ سے بات سمجھا رہے تھے تو ہمت ملی اور خواب سنایا۔

چوتھے سوال کی بات پر گہری مسکراہٹ تھی جیسے جانتے ہوں کہ سوال کیا تھا۔

انجان لہجہ میں انہوں نے پوچھ، ''چوتھا سوال کیا تھا۔۔۔؟''

عرض کیا، مجھے یاد نہیں۔ آپ بتا سکتے ہیں کیا تھا۔

لاتعلقی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ مجھے کیا معلوم۔

البتہ تعبیر بتائی کہ آپ کو بتایا گیا ہے کہ ذہن کیئر آف اللہ پیٹرن پر قائم نہیں ہے۔

کچھ دنوں بعد یاد آ گیا کہ چوتھا سوال کیا تھا۔

جب مرشد کریم کو بتایا انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فرمایا، ''ذہن میں شکوک و شبہات ہیں۔ کیا میں آپ کے لئے غلط فیصلہ کر سکتا ہوں۔۔۔؟''

عرض کیا۔۔۔ نہیں، بالکل نہیں۔

انہوں نے فرمایا، ''چھوٹے بچہ کی طرح خود کو استاد (مرشد) کے سپرد کر دو۔''

www.ksars.org

دل اندر عشق او بستم نمی دانم کجا رفتم

بندہ جب کسی سے متاثر ہوتا ہے تو پہلے ارادی طور پر یاد کرتا ہے اور پھر یاد غیر ارادی بن جاتی ہے، اپنی موجودگی مغلوب۔۔۔ ہر آن، ہر لمحہ محبوب کا احساس غالب ہو جاتا ہے۔

ذہن خیال میں قائم ہونے سے تصور واضح ہوا۔ تصور احساس میں داخل ہو گیا ہے اور اب ہر وقت حرارت محسوس ہوتی ہے۔ حرارت موجودگی کی اطلاع ہے لیکن پاس ہو کر بھی کوئی دکھائی نہ دے تو دل مضطرب اور اندر میں شور بڑھ جاتا ہے۔

احساس میں گم، خود سے بے خبر جب وہ سانس اندر لیتا ہے تو تکمیل چاہتا ہے، وصال ہوتا نہیں کہ فراق شروع ہو جاتا ہے۔۔۔ جدائی کی خلش بڑھ جاتی ہے۔

جدائی ایک روز کی ہو یا دس دن روز کی۔۔۔ ایک روز کی طوالت ایک سال اور دس روز کی دس سال کے برابر ہے۔ دس سال کا ہر روز مزید ایک سال ہے

اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ کچھ سجھائی دیتا ہے نہ ذہن کسی طور کام پر آمادہ ہوتا ہے۔ پہلے محسوس ہوتا تھا کہ تصور میں دیکھنا بھی قربت ہے لیکن اس قربت میں دوری ہے کیوں کہ تصور بھی تصویر ہے۔۔ تصویر عکس ہے اور عکس کو کسی نے نہیں پایا!

عرض کیا، یہاں سے جانے کے بعد میں خود کو یہیں پر چھوڑ جاتا ہوں، کسی کل قرار نہیں ہے۔

فرمایا، یہ تو اچھی بات ہے، شاعر نے کہا ہے،

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

عرض کیا، حضور! شاعری القا ہے اور کیفیت کے مطابق ورود ہوتا ہے۔ شعر یقیناً شاعر کے حسب حال ہے کیوں کہ یہ بھی محبت میں ایک مرحلہ ہے لیکن۔۔ تصویر اور محبوب میں فرق ہے۔ تصویر دل کے آئینہ میں ہی کیوں نہ ہو، ہے تو وہ عکس۔۔۔ محبوب کہیں اور ہے۔

فرمایا، ”بات صحیح ہے۔ تصور میں بندہ محسوس تو کرتا ہے لیکن تشفی نہیں ہوتی، جدائی کا احساس بڑھ جاتا ہے لیکن۔۔ تکمیل تو سامنے دیکھ کر بھی نہیں ہوتی!“

www.ksars.org

بات بہت گہری تھی۔ایسے وقت میں مرشد کریم کی نظر کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ٹھہری ہوئی آنکھیں اور مسکراہٹ میں رموز۔۔اسے سوچ کے سمندر میں گم کر کے وہ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔اس نے سوچا کہ تصویر دیکھ کر جدائی کے احساس میں اضافہ ہوتا ہے اور سامنے دیکھ کر اندر میں خلا بڑھ جاتا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بندہ کیا کرے۔ عجیب معاملہ ہے کہ تصور گہرا ہونے سے قربت کے بجائے دوری کا خیال غالب ہوتا ہے۔

ملاقات میں تعطل آجائے تو دنیا سے بےزاری بڑھ جاتی ہے۔زندگی بوجھ، بے رونق اور بے کشش محسوس ہوتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ ایک ہی طرح کی زندگی روزانہ کیسے گزارتے ہیں؟ یکسانیت سے اکتاہٹ بھی نہیں۔جب کہ وہ ایک جیسی زندگی روز جی کر اس قدر بےزار ہو چکا ہے کہ سوچتا ہے کسی وقت صاحب طریقت سے دریافت کرے گا کہ اللہ نے اس کے مقدر میں اور کتنی زندگی لکھی ہے۔دل بے چین اور اندر میں اس قدر خلا ہے کہ بعض اوقات دم نکلتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن نکلتا نہیں جیسے نزع کا عالم ہو۔ایسے میں وہ سوچتا ہے کہ اگر موت بھی آجائے تو دوسرے عالم میں بھی بے چین اٹھے گا۔ذوقؔ نے لکھا ہے،

اب کے گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

علاج زندگی میں ہے نہ موت میں۔۔۔صرف قربت چاہئے جو خود سے گزرے بغیر نہیں ملتی۔

خیال بولا، تم اچھائی اور برائی میں قید ہو جب کہ محبوب دونوں سے بے نیاز ہے۔ایسے میں خود سے گزرنے کا مرحلہ کیسے طے ہو۔۔۔؟

پہنچیں گے رہ گزرِ یار تلک کیوں کر ہم
پہلے جب تک نہ دو عالم سے گزر جائیں گے

خیال نے کہا، تم انا کے قیدی ہو۔کسی کے قریب ہونے کے لئے پہلے خود کو خود سے دور ہونا ضروری ہے۔

دل۔۔۔دنیا میں نہیں ہے لیکن زندہ رہنے کی کوئی وجہ تو ہے۔سبب نہ ہو تو اسباب بھی ختم ہو جاتے ہیں۔تعطل ذہن کو مفلوج کر دیتا ہے۔اگرچہ بظاہر غیر موجودگی میں مرشد کریم کی موجودگی کا خیال محیط ہوتا ہے لیکن یقین کی کمی سے شکوک وشبہات بڑھ جاتے ہیں۔

www.ksars.org

ایک روز فرمایا، ''شیطان کے بہکاوے میں کیوں آتے ہو؟ بندہ محبت کرتا ہے تو کھونے کا ڈر دل میں بیٹھ جاتا ہے، یہ سب شیطانی وسوسہ ہے۔ مرشد کے ذہن میں شک نہیں ہے، تمہارے ذہن میں بھی شک نہیں ہونا چاہئے!''

عرض کیا، آپ استاد ہیں اور میں شاگرد، اس تعلق میں انتظار بہت ہے۔ کبھی دو گھنٹے، کبھی دو دن، دو ہفتے یا اس سے زیادہ۔ ایسا وقت بھی آتا ہے جب اندر میں وحشت بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ آنکھیں شہادت دیتی ہیں۔

فرمایا، ''انتظار موت سے زیادہ شدید ہے۔''

مرشد کریم کا انتظار سوہانِ روح بن جاتا ہے۔

ہر محسوس کی ہوئی بات لکھی نہیں جاسکتی، لکھ لی جائے تو محدود ہو جاتی ہے۔ کئی مرتبہ سوچا کہ محسوسات کو الفاظ میں بیان کرے۔۔۔ سوائے چند الفاظ کے کیفیت کسی طور لفظوں میں نہیں ڈھلتی۔ بہت کم ایسا ہوا کہ مرشد کریم کے سامنے اپنی کیفیت بیان کی مگر الفاظ جذبات بیان کرنے سے قاصر تھے اور مخاطب ہستی الفاظ کی پابند نہیں ہے لہذا وہ خاموش ہو جاتا ہے، مرشد صرف مسکراتے ہیں، کچھ نہیں کہتے۔ جذبات میں شدت سے دل ہر شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔۔ بندہ اپنا نہیں رہتا، یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں پر ہے، ہے بھی یا نہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کا کلام اسے بہت پسند ہے، فرماتے ہیں،

منم محو جمال او ، نمی دانم کجا رفتم
شدم غرق وصال او، نمی دانم کجا رفتم
غلام روئے او بودم، اسیر موئے او بودم
غبار کوئے او بودم، نمی دانم کجا رفتم
بآں مہ آشنا گشتم ، ز جان و دل فدا گشتم
فنا گشتم فنا گشتم ، نمی دانم کجا رفتم
شدم چوں مبتلائے او ، نہادم سر بپائے او
شدم محو لقائے او، نمی دانم کجا رفتم
قلندر بو علی ہستم ، بنام دوست سر مستم

www.ksars.org

دل اندر عشق او بستم ، نمی دانم کجا رفتم

ترجمہ: میں اس کے جمال میں محو ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں اس کے وصال میں ڈوبا ہوا ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں اس کے چہرہ کا غلام، زلف کا اسیر اور اس کے کوچہ کا غبار تھا، اب نہیں جانتا کہ میں کہاں گیا۔ میں اس چاند سے آشنا ہوں، جان و دل سے اس پر فدا ہوں، میں فنا ہو گیا ہوں اور نہیں جانتا کہاں ہوں۔ جب عشق میں مبتلا ہوا تو سر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ اس کے چہرہ میں محو ہوا اور نہیں جانتا کہ میں کہاں گیا۔ میں قلندر بو علی ہوں، دوست کے نام میں مست ہوں۔ دل میں اس کا عشق بسا ہے۔ نہیں جانتا میں کہاں گیا۔

ایک روز عرض کیا، جدائی میں اذیت ہے۔

فرمایا۔۔''اذیت نہیں، لذت ہے۔''

حضور! لذت نہیں، اذیت ہے۔

سر نفی میں ہلایا اور دہرایا۔۔''اذیت نہیں، لذت ہے!''

اور وہ خاموش ہو گیا۔

ہر شے کو مرکز اور وجود کو قرار چاہئے۔ قرار کا قانون راسخ ہونا ہے۔ راسخ کا مطلب شے کا قائم ہو جانا ہے۔ قائم ہونا۔۔۔ ٹھہراؤ ہے یعنی اب وہ شخص حرکت نہیں کرتا جو قائم ہوا ہے بلکہ وہ وجود حرکت کرتا ہے ''جس میں'' وہ شخص قائم ہوا ہے۔ مرید جب مرشد میں راسخ ہوتا ہے تو مرید کی حرکت ختم اور مرشد کی حرکت۔۔۔ مرید کی حرکت بن جاتی ہے۔

ایک مرتبہ پوچھا تھا کہ راسخ ہونا کیا ہے؟

فرمایا کہ مشاہدہ کر لینا، شک ختم ہونا، یقین حاصل ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''جو لوگ علم میں راسخ ہو جاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ ہر شے من جانب اللہ ہے۔'' (آل عمران:۷)

——— ✳ ———

کام میں مشغول تھا کہ موجودگی کا احساس بڑھ گیا، یک لخت ہاتھ رک گئے، دائیں بائیں اور پھر پورے کمرے میں دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آیا البتہ یہ احساس غالب رہا۔ تھوڑی دیر آنکھیں بند کیں اور مراقبہ کیا۔ محبت میں سرور ہے۔ بندہ خود کو ان

www.ksars.org

لہروں میں تحلیل ہوتا محسوس کرتا ہے جو اس کی بنیاد ہیں۔ تحلیل لامحدودیت اور ترتیب۔۔۔ محدودیت ہے۔بنیاد سے قربت تسکین دیتی ہے اور تسکین سے تکمیل کی طلب بڑھ جاتی ہے۔

حال یہ ہے کہ تصویر آنکھوں میں ہے اس طرح کہ نظر صوفہ پر پڑے تو خالی صوفہ۔۔ خلای نہیں۔گلاس میں پانی ہو تو گلاس غائب اور پانی عکس بن جاتا ہے۔۔سانس۔آواز اور۔۔۔آواز ایک ہے۔آواز اندر میں گونجتی ہے،ارتعاش پیدا ہوتا ہے لیکن سماعت بصارت کے مرحلہ میں منتقل نہیں ہوتی اور بے چینی بڑھ جاتی ہے۔ایسا ہو نہیں سکتا کہ وہ آواز دے اور جواب نہ آئے۔۔۔لیکن جواب سنائی نہیں دیتا۔پوچھا،جب میں پکارتا ہوں تو مجھے پکار کا جواب سنائی کیوں نہیں دیتا؟

فرمایا،''بندہ سکت کی مناسبت سے لہریں قبول کرتا ہے،دل کا آئینہ صاف ہو گا تو آواز آجائے گی۔''

جب وہ چلتا ہے تو اکیلا نہیں ہوتا،بیٹھتا ہے تو کوئی موجود ہوتا ہے۔پہلے کبھی کبھار خوش بو کا جھونکا آتا تھا مگر اب عود کی مہک اکثر حصار میں لے لیتی ہے۔ہر جگہ ایک چہرہ نظر آتا ہے،ہاتھ بڑھا کر چھونا چاہے تو غائب ہو جاتا ہے۔مناظر کا رنگ بھی ایک ہے جس میں داخل ہو کر وہ بے رنگ ہو جاتا ہے۔خیال کے محیط ہونے اور موجودگی کو محسوس کرنے کی کیفیت کو جن الفاظ میں بیان کیا جائے وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جن سے بندہ گزرتا ہے۔خواجہ میر دردؒ فرماتے ہیں،

جب نظر سے بہار گزرے ہے
جی پہ رفتار یار گزرے ہے
وہ زمانہ سے باہر اور مجھے
رات دن انتظار گزرے ہے
جس کے تو ہو کے سامنے گزرا
آپ سے بار بار گزرے ہے
نالۂ راز دردؔ کا ہر ایک
چھوٹتے ، دل کے پار گزرے ہے

جس طرح موسم بہار اپنے ساتھ خوش بو،تازگی اور مستی لاتا ہے یہی حال محبوب کے حسن اور مہک کا ہے۔جس کا دن رات انتظار ہے،اسے دیکھنے کے لئے دل بینا چاہئے۔۔دل بینا۔۔۔اپنی نفی سے کھلتا ہے اور نفی کے بعد اثبات ہے۔اے میرے

www.ksars.org

محبوب! جس نے تجھے دیکھ لیا، وہ تیرے حسن کا اسیر ہو گیا، روز زندگی سے گزرتا ہے، روز مرتا اور روز جیتا ہے۔ جب اس کے دل سے آہ نکلتی ہے تو سننے والے کے دل پر اثر کرتی ہے۔

www.ksars.org

تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی

پہلے محسوس ہوتا تھا کہ وہ مرشد کریم کو یاد کرتا ہے، اب کئی روز سے لاشعوری طور پر یہ احساس محیط ہے کہ میں نہیں، وہ یاد کر رہے ہیں۔ابتدا میں اس کیفیت کو ذہن کی اختراع سمجھا مگر مسلسل ایک ہی کیفیت۔۔ کیف میں سکون، سکون سے سینہ میں شور، شور میں حرارت، حرارت میں حدت اور حدت میں قربت کا احساس۔۔ سب لاشعوری طور پر ایک ہی بات کہتے ہیں کہ مرید حصار میں ہے۔ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے لیکن لوگ اس طرف دھیان نہیں دیتے۔ جو شخص جس فرد، جذبہ یا شے کے بارے سوچتا ہے وہ اس شے، جذبہ یا فرد کے حصار میں آجاتا ہے۔

پوچھا، میں یاد کرتا ہوں یا آپ یاد کرتے ہیں؟ فرمایا، ''بلب میں بجلی کہاں سے آتی ہے؟''

عرض کیا، گرڈ اسٹیشن سے۔ اور بات ختم ہو گئی۔

ادراک ہوتا ہے کہ آنکھیں خلا ہیں، خلا میں کوئی ہے جو دیکھ رہا ہے۔۔ جاننے کی کوشش کی تو لاشعور میں دیکھا کہ آنکھ کی پتلی میں کسی کی تصویر نقش ہے، جس کی تصویر ہے وہ اس کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔

یاد میں میں شدت سے سینہ میں حدت بڑھتی ہے، جلن آنکھوں میں محسوس ہوتی ہے اور بدن میں ناقابل بیان سنسناہٹ دوڑ جاتی ہے۔ کیفیت برداشت سے باہر ہو جائے تو سب کام چھوڑ کر سونے کی کوشش کرتا ہے تا کہ جو وقت شعور میں نہ گزرے، وہ لاشعور میں گزر جائے۔

وہ کھو سا گیا ہے۔۔اندر میں کوئی ہے جو محیط ہونے کے باوجود مطمئن نہیں اور کہتا ہے کہ نظروں میں یا پاس موجود ہو کر بھی خود سے الگ دیکھنا، وصال نہیں۔۔۔ فراق ہے۔

اولیاءاللہ سے متعلق ایک کتاب مطالعہ میں تھی جس میں حضرت بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کی اپنے مرشد سے پہلی ملاقات کے ذکر نے بہت متاثر کیا۔اس نے سبق آموز واقعہ کو ڈائری میں نوٹ کر لیا۔

حضرت شیخ بہاالدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شہاب الدینؒ کی خانقاہ میں داخل ہوئے، نظر پڑتے ہی بے اختیار دل سے آواز آئی۔۔۔''بہاالدین! یہی تیری منزل اور یہی تیرا گوہرِ مقصود ہے۔''

www.ksars.org

کچھ دیر تک جذب کی کیفیت طاری رہی۔ پھر والہانہ انداز میں شیخ شہاب الدین عمر سہر وردیؒ کی طرف بڑھے اور مرد جلیل کے سامنے جھک گئے۔ دست بوسی کی سعادت حاصل کی اور شعر پڑھا،

ما به عشق تو نه امروز گرفتار شدم

که گرفتاری مرا به تو زروز ازل است

ترجمہ: میں آج تیرے عشق میں گرفتار نہیں ہوا بلکہ یہ گرفتاری تو روزِ ازل سے میرا مقدر ہے۔

شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ نے شعر سنا تو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کو گلے لگا لیا۔

عرض کیا، شیخ! میں بہت تھک گیا ہوں۔

فرمایا، ''فرزند! ہم بھی تمہارے فراق میں تڑپ رہے تھے۔ خالق عالم کا یہی نظام ہے۔۔ فراق کے بعد وصال اور وصال کے بعد فراق ہے۔ شکر ادا کرو کہ آسودۂ منزل ہوگئے ورنہ بے شمار لوگ راستہ ہی میں پیاسے مر جاتے ہیں۔''

وہ مرشد کریم کے پاس بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا، انہوں نے مصرعہ پڑھا،

؎ تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی

مرشد کریم کے لبوں پر خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ قلم روک دیا اور مسکراہٹ کی وجہ جاننا چاہی لیکن پوچھ نہیں سکا۔

تھوڑی دیر بعد مرشد کریم نے فرمایا۔۔ ''جن دنوں میں انگلینڈ میں تھا، وہاں ایک صاحب نے کہا، دور رہنے والوں کے لئے مشکل یہ ہے کہ طویل عرصہ بعد ملاقات ہوتی ہے۔

میں نے کہا، خواب میں ملاقات ہو جاتی ہے۔

وہ صاحب بولے، خواب میں دیکھنا بھی کیا دیکھنا۔۔ آنکھ کھلی، سب غائب!

میں نے سوچا، بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ ان صاحب کی بات یاد آتی ہے تو یہ مصرعہ زبان پر آجاتا ہے، پتہ نہیں محض مصرعہ ہے یا پورا کلام۔''

مصرعہ اس کے حال کے مطابق تھا اس لئے پہلی فرصت میں تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ غزل ہے جو شاعر فیاض ہاشمی نے 1940ء میں لکھی۔

تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی

یہ تیری طرح مجھ سے تو شرما نہ سکے گی

www.ksars.org

میں بات کروں گا تو یہ خاموش رہے گی
سینے سے لگالوں گا تو یہ کچھ نہ کہے گی
آرام وہ کیا دے گی جو تڑپا نہ سکے گی
تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی
یہ آنکھیں ہیں ٹھہری ہوئی ، چنچل وہ نگاہیں
یہ ہاتھ ہیں سہمے ہوئے اور مست وہ بانہیں
پرچھائیں تو انسان کے کام آ نہ سکے گی
تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی
ان ہونٹوں کو فیاضؔ میں کچھ دے نہ سکوں گا
اس زلف کو میں ہاتھ میں بھی لے نہ سکوں گا
الجھی ہوئی راتوں کو یہ سلجھا نہ سکے گی
تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی

عرض کیا کہ حضور! محاورہ ہے، ایک انار سو بیمار لیکن جب انار ایک اور بیمار ہزاروں ہوں تو سب کو تو انار نہیں مل سکتا، پھر کیا کیا جائے۔۔۔؟

فرمایا، ''خیال آجائے تو اس پر خوش ہو جایا کرو۔''

پوچھا، کیا اس طرح تشنگی دور ہو جائے گی؟

فرمایا، ''جس کی تشنگی ہے اس کی طرف ذہن کر لو، وژن بنے گا تو کام ہو گا، وژن نہیں بنا تو کام نہیں ہو گا۔'' مزید وضاحت کی۔۔۔ ''اطلاع کے بغیر دنیا میں کچھ نہیں ہوتا۔ پہلے واہمہ آتا ہے، پھر خیال۔ خیال میں توجہ مرکوز ہو جائے تو تصور قائم ہو تا ہے، ذہن تصور میں یک سو ہونے سے احساس بنتا ہے اور احساس میں گہرائی مظہر ہے۔ تصور کا مظاہرہ ضروری ہے۔ مظہر بننے سے زمان و مکان مغلوب ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہو تو وہ ظاہر ہو جائے گا یا ہم وہاں حاضر ہو جائیں گے۔ یہ جو واہمہ اور خیال میں سمجھا رہا ہوں، اس پر غور کرنا۔ کوئی شے وہم، خیال، تصور، احساس اور مظہر سے باہر ہے۔۔ وہم۔۔ خیال میں تبدیل

www.ksars.org

ہوتا ہے تو ہلکا سا خاکہ بنتا ہے، اس میں ذہن رکا تو خیال فوراً تصور کی شکل اختیار کر گیا، محسوس کرنے سے مظہر بنا اور قربت مل جاتی ہے۔"

غور کیا تو یہ سمجھا کہ واہمہ، خیال، تصور، احساس اور مظہر۔۔ہر مرحلہ سے واقف ہونے کے لئے مشترکہ نکتہ "یک سوئی" ہے ورنہ واہمہ خیال میں، خیال تصور میں، تصور احساس میں اور احساس مظہر میں داخل نہیں ہوگا۔ یک سو ہونا۔۔داخل ہونا ہے۔

جون 2017ء کے "آج کی بات" میں لکھا ہے:

ا۔ روشنی کے لئے روشنی اور اندھیرا دیکھنے کے لئے اندھیرا ضروری ہے۔

۲۔ کسی شے سے واقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اندر میں "کنہ" کا کھوج لگایا جائے۔

۳۔ نگاہ رات میں یک سو ہو تو سیاہی سے مانوس ہوتی۔ یک سو ہونا، شے میں داخل ہونا ہے۔

۴۔ مکان کے باہر کھڑے رہ کر نہیں بتایا جا سکتا کہ اندر کیا ہے۔۔اندر کیا ہے۔۔یہ دیکھنے کے لئے مکان کے اندر جانا ہوگا۔ ایک طرف فرد مکان کے اندر اور دوسری طرف مکان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔

پوری تحریر قانون ہے۔ جتنی بار پڑھ کر غور کیا جائے، ایک کے بعد ایک راز کھلتا ہے۔

"یک سو ہونا، داخل ہونا ہے" پر تفکر کیا تو ادراک ہوا داخل ہونے کا مطلب مقداروں کا ایک ہونا ہے۔ پانی، پانی سے ملنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں پانیوں کی مقدار ایک ہو ورنہ ساتھ رہ کر بھی وہ الگ ہوتے ہیں۔ ایک ہونے کے لئے ذہن ملنا ضروری ہے اور ذہن اس وقت ملتا ہے جب ذہن۔۔۔ذہن میں داخل ہوتا ہے۔ یعنی جس سے محبت ہوتی ہے، اس کے حکم کی تعمیل سے اس کا ذہن ہمارے ذہن میں داخل ہو جاتا ہے۔ صاحب دل نے فرمایا تھا کہ خیال آ جائے تو خوش ہو جایا کرو۔ سارا راستہ سوچتا رہا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے۔۔جواب خیال ہی دے سکتا ہے۔ بولا۔۔خیال اس وقت آتا ہے جب کوئی یاد کرتا ہے۔

جب تک مرید جسم اور مرشد جان نہ بن جائے، خلا باقی رہتا ہے۔ خلا پر نہ ہو اور دوئی باقی رہے تو فراق۔۔وصال اور وصال، فراق میں الٹ پلٹ ہتا رہتا ہے۔

ایک روز پیر طریقت نے قانون سمجھایا۔۔شئے کتنی ہی قریب ہو، خلا موجود رہتا ہے۔ وجود ایک نہیں ہوتا، دو رہتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا، "کیا فاصلہ ختم ہو گیا۔۔؟"

www.ksars.org

جی! فاصلہ ختم ہو گیا۔

''کیسے۔۔؟''

عرض کیا، ہاتھ۔۔۔ہاتھ سے مل گیا۔

''لیکن ہاتھ تو دو ہیں۔ کیا اس کو قربت کہیں گے۔۔؟''

بات سمجھ میں آئی تو اس نے سر نفی میں ہلایا۔

فرمایا، ''ہاتھ اس لئے ایک نہیں ہوئے کہ دونوں ہاتھوں کی مقداریں الگ ہیں۔ ہاتھ ملانے سے فاصلہ کی پیمائش نہیں ہو سکتی لیکن فاصلہ موجود ہے۔''

حضور! ہاتھ۔۔۔ہاتھ سے مل کر بھی فاصلہ موجود ہے لیکن (دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے عرض کیا) یہاں جو قربت محسوس ہوئی وہ کیا ہے۔۔؟

فرمایا۔۔''وہ اور بات ہے!''

www.ksars.org

بدتر کا مقابلہ خوب تر ہونا ہے

محاسبہ کیا جائے تو زندگی آسان ہے۔ تنگ دستی کے باوجود اللہ کا شکر ادا کر کے زندگی گزر جاتی ہے لیکن اگر کوئی فرد یا ماحول میں لوگ درپے آزار ہو جائیں تو نفسیاتی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ مسائل کا جائزہ لیا جائے تو ہم کسی کے لئے یا کوئی ہمارے لئے مصیبت ہے۔ وجہ عدم تحفظ اور ایک دوسرے کو قبول نہ کرنا ہے۔ جب محسوس ہوتا ہے کہ فلاں شخص سے مفادات کو خطرہ ہے یا وہ ہمیں نہیں پسند تو بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ہم رکاوٹ بن جاتے ہیں۔

فرد رکاوٹ کو دیوار سمجھ لے تو وہ تاثر قبول کر کے اثرات کو خود پر غالب کر لیتا ہے اور ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی منفی لہریں اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ نظر انداز کر دے تو حقیقت یہ ہے کہ یہاں کوئی کسی کا برا کر سکتا ہے نہ اچھا۔ ہر عمل اپنے لئے ہے۔

ایک بار مرشد کریم نے واقعہ سنایا کہ ایک شخص کسی دفتر میں ملازم تھا۔ جس کمرے میں وہ بیٹھتا تھا وہاں اس کی پشت کی طرف دیوار میں سوراخ تھے۔ ایک روز سانپ نے ڈس لیا، وہ صاحب سمجھے کسی کیڑے نے کاٹا ہے لہذا سانپ کے زہر کا اثر زائل ہو گیا اور انہیں خبر نہیں ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد کہیں اور تبادلہ ہو گیا۔

دس سال بعد واپس آئے تو دیکھا کہ سوراخوں کو بند کر دیا گیا ہے۔

وجہ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہاں سانپ تھا جس نے آپ کو ڈس لیا تھا۔ انہیں یقین نہیں آیا اور دیوار کو کھرچنا شروع کیا۔ سوراخ ظاہر ہوا تو اندر سانپ کی کینچلی تھی۔ کینچلی دیکھی تو یقین ہو گیا کہ مجھے سانپ نے ڈسا ہے۔ زہر کے اثرات ظاہر ہوئے اور وہ صاحب مر گئے۔

دس سال بعد اس شخص نے سانپ کے ڈسنے کے تاثر کو قبول کیا تو زہر کا اثر مظہر بن گیا جب کہ جس وقت سانپ نے ڈسا تھا، بے خبری کی وجہ سے زہر نے اثر نہیں کیا۔

www.ksars.org

کسی کا خیال آنے پر تناؤ اور وسوسوں کی یلغار ہو جاتی ہے، ممکن ہے کہ ہمارا خیال آنے پر بھی دوسرے اسی کیفیت سے گزرتے ہوں۔ جب اسے مسئلہ درپیش ہوتا تو کوشش ہوتی ہے کہ خود کو دوسرے کی جگہ پر رکھ کر دیکھے کہ مقابل حالات کو کس تناظر میں دیکھ رہا ہے جس سے ذہن منفی ہو گیا۔ خود کو دوسرے کی جگہ پر رکھا جائے تو وجہ سمجھ آجاتی ہے، اپنی غلطی سامنے آئے تو دہراتا نہیں ہے، دوسرا شخص عدم تحفظ کا شکار ہو تو پھر الجھتا نہیں، رویوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس عادت سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

ایک روز کسی نے مسئلہ بیان کیا کہ آفس میں انتظامیہ کی طرف سے مشکلات ہیں، سب کے سامنے تذلیل اور دباؤ میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے جب کہ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں اور جواب نہیں دیتا لیکن اندر میں تناؤ سے کارکردگی متاثر ہو گئی ہے۔ بتایئے اس مشکل کا مقابلہ کیسے کروں؟

مرشد کریم نے فرمایا، "بدتر کا مقابلہ کرنا یہ ہے کہ آدمی خوب تر ہو جائے۔ مقابلہ کرلوگے تو خوب تر ہو جاؤ گے۔" عرفیؔ کا یہ شعر وہ اکثر پڑھتے ہیں،

عرفیؔ تو میندیش زغوغائے رقیباں
آوازِ سگاں کم نہ کند رزق گدا را

ترجمہ: عرفی غم نہ کر، رقیبوں کے شور سے نہ گھبرا۔ تو اپنے کام میں لگا رہ۔ کتوں کے بھونکنے سے گداگر کی روزی کم نہیں ہوتی۔

اس کے بعد فرمایا، "آپ کھڑے ہو جائیں گے تو وہ اور زیادہ شور کریں گے۔ جواب دینا بہت خراب ہے۔ کہیں جواب نہ دینا خرابی ہے۔ آدمی کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جواب کہاں دینا چاہئے۔ سو(100) میں سے اٹھانوے(98) فی صد باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔ جب آپ جواب نہیں دیں گے تو سامنے والا کب تک بولے گا۔؟ زبان اور ذہن کو غیر ضروری باتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے یاحی یاقیوم پڑھتے رہنا چاہیئے۔
اللہ کا تصور قائم اور آپ دوسروں سے متاثر نہیں ہوں گے۔"

بعد میں اس شخص نے بتایا کہ مشورہ پر عمل سے میرے اندر یقین پیدا ہوا اور جو لوگ مخالف تھے، بالآخر خاموش ہو گئے۔ کہتے ہیں کچھ بھی بول دو، اسے فرق نہیں پڑتا۔

www.ksars.org

مرشد کریم نے فہرست بنانے کا کہا کہ روزانہ محاسبہ کریں، اچھے کام بھی لکھیں اور جو غلط کیا ہے وہ بھی جیسے غصہ، حسد، غیر ضروری باتیں۔ اسی طرح کسی کی مدد، تفکر، معاف کرنا، اچھی سوچ۔ محاسبہ سے پہلی بات یہ سامنے آئی کہ کون سی باتیں وہ روز دہراتا ہے اور اس کے اثرات ذہن کو کتنی دیر تک متاثر کرتے ہیں۔ یہ باتیں حذف ہو جائیں تو تناؤ اور وسوسے سے متاثر نہیں کریں گے۔

ایک روز عرض کیا، بعض باتیں ایسی ہیں کہ جب ذہن میں آتی ہیں تو فلم چلنا شروع ہو جاتی ہے اور شروع سے آخر تک جو کچھ ہوا وہ بار بار ذہن پر نقش بنتا ہے، غصہ سے ذہن پراگندہ ہو جاتا ہے۔

فرمایا، ''معافی کا خانہ خالی ہے۔ غصہ سے روشنیاں جل جاتی ہیں، لاحول پڑھ کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ کوئی گالی دے اور ہم گالی کو یاد کریں تو ہم کیا کر رہے ہیں۔۔۔؟ خود کو گالی دے رہے ہیں۔ راستہ میں بدبودار شے ہو، گزرنے کے بجائے کھڑے ہو جائیں تو کیا ہوگا۔۔۔؟ بدبو آتی رہے گی یہاں تک کہ ہم بدبو کا حصہ بن جائیں گے اور پھر بدبو محسوس نہیں ہوگی۔۔ یعنی ہم اس کے اندر داخل ہو گئے اور وہ ہمارے اندر داخل ہو گئی۔ اس طرح کے خیالات کی وجہ دل میں شکوہ ہونا ہے کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ معاف کردو اور آگے بڑھ جاؤ۔''

احساسات کی دنیا لوگوں کو نظر آجائے یا خیال کے زون کی تصویر کھینچی جا سکے تو معلوم ہوگا کہ محبوب ہمہ وقت محبّ کے ساتھ ہے۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، تفکر میں گم، گاڑی چلاتے اور کھانا کھاتے ہوئے، لوگوں کے درمیان، ٹی وی دیکھتے یہاں تک کہ مضمون لکھتے ہوئے بھی ذہن ہر وقت محبوب سے باتیں کرتا ہے۔

مرشد کریم ''اولی الالباب'' ہستیوں میں سے ہیں جن کا ذہن ہمہ وقت تخلیق کی ساخت میں تفکر اور خالق کائنات کے تشکر میں مشغول ہوتا ہے۔

قانون ہے کہ متوجہ ہونے سے صفات منتقل ہوتی ہیں۔ توجہ سے مرید کے ذہن میں تفکر کی صفات کا کسی نہ کسی حد تک غلبہ ہو جاتا ہے۔ نظر ہر شے پر ٹھہرنا چاہتی ہے، توجہ چند سیکنڈ رک جائے، ذہن شے میں داخل محسوس ہوتا ہے اور دیگر چیزیں دھندلا جاتی ہیں۔ اس کیفیت میں لطف و سکون اور ایسی دنیا سے واقفیت ہے کہ جہاں الفاظ نہیں مشاہدہ ہے اور مشاہدہ سے تفکر کا ذہن واقف ہے۔

کئی روز سے سورہ شمس زبان پر اور ذہن اس تلاش میں ہے کہ،

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شمس کیا ہے؟

www.ksars.org

''ضحاھا'' کی جو تشریح مرشد کریم نے بیان فرمائی ہیں اس میں کون سا قانون ہے ؟
اللہ نے ''قمر، تلاھا، نہار، جلاھا، لیل، یغشاھا، سماء، بناھا، ارض اور سواھا'' کیسے فرمایا ہے ؟
اس نے سورہ شمس کے ہر لفظ کو انڈر لائن کیا اور معنی تلاش کر کے تفکر شروع کیا۔ لغت سے بہت مدد ملتی ہے لیکن وہ لغت کے معنی کو حتمی نہیں سمجھتا۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور وہ اسے اندر کی آواز سے سمجھنا چاہتا ہے۔ معنی تلاش کر کے عربی ذہن میں دہراتا ہے اور عربی سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تجربہ ہے کہ اس مشق سے کسی بھی وقت ادراک ہو جاتا ہے۔ قربت میں راہ نمائی ملتی ہے، جتنا بتانا ہو، بتا دیتے ہیں یا پھر مزید تفکر کے لئے کوئی اشارہ ہوتا ہے۔ پہلے اس لئے نہیں پوچھا کہ انہوں نے فرمایا تھا اگر میں بتا دوں تو تم تفکر کرنا کیسے سیکھو گے۔
لہذا اپنا ہوم ورک مکمل رکھتا ہے، اس کے بعد شیخ راہ نمائی کرتے ہیں تا کہ شاگرد سوچنا اور بتائے ہوئے راستہ پر چلنا سیکھے۔

ایک مرتبہ کسی نے خط لکھا اور پوچھا کہ میں چاہتا ہوں آپ کا جنون میرا جنون بن جائے۔
جواب لکھوایا۔۔ ''لغت کے اعتبار سے جنون کا مطلب دیوانگی، کسی کام کو کرنے کی دھن یعنی اس طرح کام کیا جائے کہ اس کے پیچھے کوئی ایک مقصد متعین ہو۔ اس مقصد کے حصول میں آدمی اس طرح کوشش کرے کہ سوتے جاگتے زمین پر، فضا میں، خلا کی وسعتوں اور خلا کے سمٹنے میں کوئی حرکت 'مقصد' کے خلاف نہ ہو۔
تفکر و کوشش کا ہر زاویہ ایک معین مقصد ہو۔ آسان الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں خیالات کے ہجوم میں کسی ایک خیال کا انتخاب کیا جائے اور اس ایک خیال میں اس طرح بے خیال ہو جائے کہ آگے پیچھے ظاہر یا چھپے ہوئے ہر عمل میں مقصد کا تعین ایک ہو۔ بندہ عشق کا دعویٰ کرتا ہے، دعویٰ صحیح ہے غلط ہے، اس کے پیچھے کسی بھی طرح مادی تقاضا در آئے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جذبہ صادق نہیں ہے۔ ہم جب اسکول جاتے ہیں، اسکول میں ضرورت کے علاوہ کسی اور طرف ذہن مشغول ہو جائے تو طالب علم کبھی فارغ التحصیل نہیں ہو سکتا۔ آپ جنون کا جو بھی مفہوم سمجھیں وہ نہیں ہے۔ جنون کا مطلب کسی ایک نقطہ پر وہ نقطہ محبوب، محبوبہ، دنیا یا کوئی اور تقاضا بھی ہو سکتا ہے، ایک ہستی میں خود کو فنا کر لینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔''
خط کا اختتام اس شعر پر کیا،

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی

www.ksars.org

تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

روحانیت راز ہے اور راز یہ ہے کہ مرشد کے ایک حکم پر بھی عمل کیا جائے تو بندہ روحانیت کے دائرہ میں آجاتا ہے اس لئے کہ ایک حکم سارے حکموں سے منسلک ہے۔ مرشد کریم نے تفکر کا حکم دیا۔ ابتدا میں حکم کی اہمیت سے غافل، توجہ نہیں دی لیکن اللہ کی مہربانی سے ایک وقت آیا جب احساس ہوا کہ شیخ طریقت درس وتدریس کے دوران جو قوانین سمجھاتے یا سوالات پوچھتے ہیں، وہ ذہن میں کیوں نہیں بیٹھتے، جواب مجھے معلوم کیوں نہیں۔۔؟ بہت مرتبہ ایسا ہوا جواب نہ ملنے پر انہوں نے سوال اس طرح دہرایا کہ محسوس ہوا، جواب سامنے اور واضح ہے۔ ہمیں نظر نہیں آرہا۔

بالآخر ایک روز فرمایا۔۔"تم ٹھوٹ ہو ٹھوٹ !"

خود سے پوچھا، مرشد کی آواز پر میرا ذہن کیوں نہیں کھلتا؟

www.ksars.org

خیال بولا، اس لئے کہ ذہن۔۔۔ذہن سے نہیں ملتا۔ جب تم حکم کی اہمیت کو نہیں سمجھتے تو پھر کیسی بیعت؟ اس دن اس نے سوچا۔۔۔ میں ڈھٹائی سے سبق کو دہرائے اور تفکر کئے بغیر لیکچر میں شریک ہو جاتا ہوں اور ہر ہفتہ مستقل مزاجی سے اس مشق کو دہراتا ہوں۔ کیا یہ اُس ہستی کا ادب اور عقیدت و محبت ہے جو سراسر ایثار ہے، صحت اور موسم کی سختی کی پرواہ کئے بغیر اپنے مرشد کے حکم کی تصویر بن کر ہماری تربیت کرتی ہے۔۔؟

اس نے اپنے سامنے جنون دیکھا اور ندامت کے سمندر میں ڈوب گیا۔

زندگی کی روش تبدیل ہوئی۔ مرشد کریم نے اگر دن رات کے بارے میں سمجھایا، لہروں کا قانون بتایا یا پھر خلا اور قدرت کی طرف متوجہ کیا۔ اس نے وقت مقرر کر کے ہر روز لیکچر میں سمجھائے گئے نکات کو بار بار پڑھا، ان کی تحریروں میں مضمون سے متعلق جہاں پر جو کچھ لکھا ہے، سمجھنے کی کوشش کی اور نوٹس بنائے۔ قرآن کریم میں آیات تلاش کیں۔ اس دوران ذہن میں آنے والے الفاظ کو مفہوم کے ساتھ نوٹ کرتا پھر سارے ہوم ورک کو

سامنے رکھ کر غور و فکر کے بعد خلاصہ لکھ لیتا۔ علیحدہ نوٹ بک بنائی جس میں ہر ہفتہ دیئے گئے لیکچر کو اپنی رائٹنگ میں لکھا۔ اس مشق سے مرشد کریم کے الفاظ ذہن میں نقش ہو گئے۔۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ حکم پر عمل سے ضمیر کی ملامت کم ہو گئی۔ ڈر ختم ہو گیا کہ جواب صحیح ہو یا غلط۔۔ میرا کام کوشش ہے۔

اب جب کوئی سوال کیا جاتا، کوشش ہوتی کہ جواب دینے کے لئے ہاتھ بلند کرے۔

مرشد کریم نے اس بات سے بے نیاز کہ جواب صحیح ہے یا غلط۔۔۔ حوصلہ افزائی کی۔ جواب بتانے میں مشکل ہوتی تو وہ سوال در سوال کر کے بالآخر اس نکتہ پر لے آتے جو انہوں نے پوچھا تھا۔ یقین راسخ ہو گیا کہ سبق اچھی طرح سے پڑھ کر جانے سے شیخ خوش ہوتے ہیں جو شاگرد کے لئے اطمینان قلب ہے۔ تعمیل حکم سے ذہن میں غیر ضروری باتوں کا غلبہ کم اور مرشد کی باتیں غالب ہونا شروع ہوئیں۔ تعلق کا ایک قلبی سلسلہ بن گیا۔ میر طاہر علی رضوی کہتے ہیں،

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

سات سال پہلے کی بات ہے تعلیمی نشست کے دوران مرشد کریم نے آدم و حوا کے جنت سے زمین پر آنے کی وجوہات اور اس واقعہ میں حکمت سمجھائی۔ اس کے بعد سوال پوچھا،

www.ksars.org

"وہ کون سا محرک ہے جس کی وجہ سے جنت کی فضا نے آدم وحوا کو رد کر دیا۔۔؟"

مختلف جوابات دیئے گئے لیکن وہ مطمئن نہیں ہوئے۔

اس سے پوچھا، "تم بتاؤ۔"

سب کی طرح اس نے بھی عرض کیا، نافرمانی کی وجہ سے۔

پوچھا، "نافرمانی کیوں ہوئی۔۔؟"

عرض کیا، شیطان کے بہکاوے میں آ گئے۔

"شیطان کے بہکاوے میں کیوں آئے۔۔؟"

اس لئے کہ ذہن اللہ سے ہٹ گیا۔

اللہ سے ذہن ہٹنے کا مطلب کیا ہے؟"

اللہ سے ذہن ہٹنا ناخوشی ہے۔

فرمایا، "ٹھیک ہے۔ جنت کے ماحول میں ناخوشی نہیں ہے۔ ناخوشی کا سبب کیا بنا۔۔؟"

عرض کیا، نافرمانی۔

پوچھا، "نافرمانی کیوں ہوئی۔۔؟"

سوال در سوال کر کے وہ پہلے سوال پر آ گئے۔

خاموش رہا کہ اب کیا جواب دے۔ پشیمانی ہوئی کہ ذہن اس حد تک بند ہے کہ آسانی کرنے کے بعد بھی جواب تک نہیں پہنچ رہا۔

فرمایا، "شاباش بتاؤ جنت سے زمین پر آنے کی بنیادی وجہ کیا ہے۔۔۔؟"

اس نے ایک نظر شیخ کو دیکھ کر شرمندگی سے سر جھکا لیا اور دل میں مدد کے لئے پکارا کہ مجھے کچھ نہیں آتا، میں ناقص ہوں، میری مدد کریں۔

بارعب مردانہ آواز گونجی۔۔۔ "بغاوت!"

اور اس نے کہا۔۔۔ حضور، بغاوت۔۔۔ اللہ کے حکم سے بغاوت کی وجہ سے جنت سے زمین پر آئے۔

پُرزور لہجہ میں فرمایا۔۔ "جی! نافرمانی بغاوت ہے۔"

بشمول اس کے سب کی جان میں جان آئی۔

www.ksars.org

بات یہ نہیں ہے کہ مرشد ڈانٹ دیں گے، وہ نرمی سے کام لیتے ہیں۔ اہمیت اس امر کی ہے کہ شاگرد نہیں چاہتا مرشد کو ناگواری محسوس ہو۔

نشست کے بعد قریبی دوست سے پوچھا، مجھے جواب کس نے بتایا تھا۔۔۔؟

حیرت سے دیکھا اور کہا، کسی نے نہیں۔ مرشد کریم نے تم سے سوال پوچھا، ایسے میں کوئی درمیان میں کیسے بول سکتا ہے۔۔۔؟

زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہوتے ہیں جنہیں آدمی اتفاق کہہ کر گزر جاتا ہے۔ اللہ کے نظام میں کوئی شے اتفاق نہیں۔۔ حکمت سے مرکب ہے۔ جب ہر شے کی مقداریں معین ہیں تو پھر حالات وواقعات کو اتفاق سمجھنا۔۔ لاعلمی ہے۔

اولیائے کرام۔۔۔ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ کے دوستوں کی محفل میں سکون اور خالق کائنات سے محبت و قربت ہے۔

مرشد کریم نے سکھایا کہ غور و فکر کیسے کرتے ہیں۔ فرمایا، ''قرآن کو ترتیب سے پڑھو۔ اس میں ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ نفس مضمون یا اس لفظ کو پورے قرآن میں تلاش کرو اور پھر غور کرو۔ اللہ کی رحمت سے ذہن کھلے گا اور نفس مضمون کا مفہوم واضح ہوگا۔''

ترتیب کے لحاظ سے قرآن کی ابتدا سورہ فاتحہ سے ہوتی ہے۔ اس سورہ میں کائناتی قوانین ہیں۔ سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔

مرشد کریم بسم اللہ پڑھتے ہیں تو دل پر ضرب محسوس ہوتی ہے۔ ایک روز سوچا کہ ضرور بسم اللہ میں بہت بڑی حکمت ہے جس کی وجہ سے اندر میں کوئی بار بار متوجہ کرتا ہے۔ ماسوائے سورہ توبہ کے ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ لکھا ہے۔ کام کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ غور کیا کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔۔۔؟

لاشعور نے کہا کہ اعوذ باللہ پڑھ کر ہم فکشن حواس سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ بسم اللہ پڑھ کر حقیقت میں داخل ہوتے ہیں۔ شیطان الرجیم۔۔۔ فکشن حواس ہے، وہ جس کی ملامت کی گئی۔

اللہ نے فکشن حواس سے دیکھنے کی ملامت کی ہے اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اکثر سوالوں پر شیخ طریقت نے ایک ہی جواب دیا کہ دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔

www.ksars.org

بسم اللہ۔۔۔اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ کسی کام کو کرنے سے پہلے اللہ کا نام اس لئے لیتے ہیں تا کہ وہ ہو جائے۔ اللہ جب کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو حکم دیتا ہے ''ہو'' اور وہ ہو جاتا ہے۔ مخلوق اللہ کے تصرف کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔ بسم اللہ میں تخلیق کا قانون ہے کہ اس ذات کے تصرف سے ''ہو جا'' جس نے کائنات
تخلیق فرمائی ہے۔ خود سے کہا، صورت حال یہ ہے کہ اشرف المخلوقات ہو کر ہم ''تسمیہ'' پڑھتے ہیں لیکن کام نہیں ہوتا۔۔؟

اندر میں آواز نے ملامت کی کہ تخلیقات میں اشرف ہونے کا جو تقاضا ہے وہ پورا نہیں ہوا۔ ذہن شے کو تخلیق کرنے یا باطن سے ظاہر میں لانے کی توانائی سے ناواقف ہے۔ اللہ کے حکم میں تاخیر نہیں ہے۔ تاخیر سے دوسرا خیال آتا ہے اور شک پیدا کرتا ہے۔ اللہ حکم دیتے ہیں اور وہ ہو جاتا ہے۔ شک شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور ہم شیطان الرجیم۔ فکشن حواس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کسی سورہ سے پہلے جب اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھتے ہیں تو دراصل ہم اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں شک وسوسہ سے محفوظ رکھ، خالص بندوں میں شامل کر اور اپنے کلام کے اسرار ہم پر ظاہر فرما یعنی یقین کی دنیا میں داخل کر دے۔

اعوذ باللہ من شیطٰن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد سورہ فاتحہ کی آیات پر تفکر سے پہلے سورہ کا نام غور طلب ہے۔

فاتحہ کے بنیادی حروف ف ت ح۔۔ فتح کے ہیں جس کے معنی ''کھولنا'' ہیں۔ فتح سے متعلق آیات تلاش کیں تو مفہوم یہ سمجھ میں آیا کہ حقائق و معارف اور اسپیس در اسپیس عالمین کا مشاہدہ۔۔ غیب کے راستوں کا علم اللہ کے پاس ہے جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا بجز اس کے اللہ کسی کو ان راستوں کا علم عطا فرمائے۔

خشک اور تر۔۔۔ بحر و بر میں سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے۔۔۔ شے کھلنے کا مطلب یہ ہے کہ کھلنے سے پہلے وہ بند ہے۔ بند سے مراد یہ ہے کہ شے موجود ہے لیکن فرد کو ادراک نہیں یا ادراک مشاہدہ کے درجہ میں داخل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

'' اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیماشرف
سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں

www.ksars.org

اپنے مال اور نفس سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اور اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی ۔ اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی حاصل ہو جانے والی فتح۔اہل ایمان کو بشارت دے دو۔'' (الصّف:۱۰۔۱۳)

ایمان کیا ہے،اللہ اور رسولؐ پر ایمان کا مطلب کیا ہے،مال اور نفس کا جہاد کسے کہتے ہیں، باغ کیا ہے اور نہروں سے کیا مراد ہے ابدی قیام کے کیا معنی ہیں، قائم ہونا کسے کہتے ہیں؟ جنت کی ٹائم اور اسپیس کے بارے میں اللہ کا کیا فرمان ہے؟ جو لوگ ان احکامات پر عمل کریں گے تو عن قریب انہیں اللہ کی مدد اور فتح حاصل ہو گی۔ ہر لفظ کو انڈر لائن کر کے قرآن میں تلاش کریں تو اس ایک آیت میں اسرار معانی کا جہاں آباد ہے۔

اسی طرح بیعت رضوان کے موقع پر ارشاد باری ہے:

''اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم بیعت کر رہے تھے۔ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکنیت نازل فرمائی۔ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔'' (الفتح:۱۸)

حامل علم لدنّی قلندر باباولیاءؒ کے ارشاد پر تفکر سے ''فتح'' کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

''اگر انسان خالی الذہن ہو کر اس نسبت* کی طرف متوجہ ہو جائے تو ثابتہ کی تمام تجلیات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ یہ نسبت دراصل ایک یادداشت ہے۔اگر کوئی شخص مراقبہ کے ذریعے اس یادداشت کو پڑھنے کی کوشش کرے تو ادراک، ورود یا شہود میں پڑھ سکتا ہے۔انبیا اور انبیا کے وراثت یافتہ گروہ نے تفہیم کے طرز پر اس یادداشت تک رسائی حاصل کی ہے۔

www.ksars.org

طرز تفہیم: طرز تفہیم دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ایک گھنٹہ، دو گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے سونے اور باقی وقت بیدار رہنے کی عادت ڈال کر حاصل کی جاسکتی ہے۔ طرز تفہیم کو اہلِ تصوف 'سیر' اور 'فتح' کے نام سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔"(کتاب: لوح و قلم)

*یہاں نسبت سے مراد، نسبت علیم ہے۔

ایک ایک لفظ پر تفکر کر کے آگے بڑھا جائے تو سورہ فاتحہ کے معانی روشن ہوتے ہیں اور وہ راستہ حاصل ہوتا ہے جسے اللہ نے صراطِ مستقیم فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ اہلِ عشق کے لئے انعام۔۔۔اللہ کی قربت، اللہ کا عرفان و دیدار ہے۔

www.ksars.org

میں کون، میں کون۔۔۔؟

حضور مرشد کریم خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب بات سمجھاتے ہوئے رکے، پنکھے کی طرف دیکھا اور فرمایا، ''کیا پنکھا 'یا اللہ یار حمٰن' نہیں کہہ رہا۔۔۔؟''

وہ چونک گیا، حیران ہو کر پنکھے کو اور پھر سوالیہ نظروں سے مرشد کریم کو دیکھا۔

فرمایا، ''غور سے سنو۔''

آواز سننے کی کوشش کی۔ چند ثانیے بعد محسوس ہوا کہ پنکھا ''یا اللہ یار حمٰن'' کہہ رہا ہے۔

فرمایا ''اب تم کوئی لفظ کہو۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا۔۔۔ فرمایا، ''دیکھو! اب کہہ رہا ہے، میں کون میں کون۔''

یہ تجربہ اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ ایک بار پھر پنکھے کی طرف متوجہ ہوا۔۔۔ میں کون میں کون کی گونج تھی۔ صرف پنکھا نہیں، کمرے کی فضا اور در و دیوار بھی یہی پوچھ رہے تھے۔ میں کون میں کون!

فرمایا، ''اچھا اب تم کوئی لفظ بتاؤ۔''

عرض کیا، اللہ ھو۔

فرمایا، ''ٹھیک ہے اللہ ھو۔''

چند ساعت بعد فرمایا، ''اب اللہ ھو کی تکرار ہے۔''

اندر باہر۔۔۔ باہر اندر ہر شے میں اللہ ھو تھا۔

آوازوں میں گم تھا کہ شیخ نے پوچھا، ''آپ کیا سمجھے، یہ سب کیا ہے۔۔۔؟''

جواب نہ دے سکا تو فرمایا، ''جو سوچیں گے وہ echo ہونے لگے گا۔

سوال یہ ہے کہ ایکو کیا ہے۔۔۔؟''

عرض کیا ایکو باز گشت ہے۔

www.ksars.org

پوچھا، ''بازگشت کیا ہے۔۔؟'' پھر خود ہی بتایا کہ ''جو آواز آرہی ہے، اس کا پھیلاؤ بازگشت ہے۔ ہر آدمی ذہن کے مطابق مفہوم سمجھتا ہے۔ فلم ایک ہے، ایک شخص نرم مزاج اور دوسرا سخت ہے، افسردہ منظر دیکھ کر ایک آدمی رونے لگتا ہے اور دوسرے کو معلوم ہے کہ یہ فلم ہے، وہ نہیں روتا۔ ذہن میں مفہوم کا اثر ماحول میں پھیلتا ہے۔''

مزید فرمایا، ''زبان کے معنی بازگشت ہیں۔ کھانا کھالیجیئے، کھانا ٹھونس لیجیئے۔۔۔ بازگشت کا فرق ہے۔ 'ٹھونس' ناگوار تاثر دیتا ہے۔ اچھا آدمی اچھی زبان بولتا ہے۔ اب دیکھو پنکھا 'سبحان اللہ' کی تکرار کر رہا ہے۔'' پنکھا سبحان اللہ کہہ رہا تھا۔

انہوں نے فرمایا، ''مشق کر کے دیکھ لو، تم جس شے کی تکرار کرو گے ماحول میں اس کی بازگشت ہو جائے گی۔''

اس نے سوچا، یااللہ یار حمٰن، میں کون میں کون، سبحان اللہ۔۔۔ مرشد کریم کے اندر کی آواز ہے جس کی بازگشت ماحول میں موجود ہر شے پر محیط ہو گئی۔ ہر آواز میں اللہ کی حمد اور میں کون کی بازگشت تھی۔ بابا بلھے شاہؒ فرماتے ہیں،

بلھیا کی جانا میں کون

بلھیا کی جانا میں کون

در و دیوار اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب ہم آواز ہو کر حمد باری تعالیٰ بیان کر رہے تھے۔ ورد بدلا تو قرب و بعد میں اشیا نے ورد کرنے والے کی تقلید کی۔

فرد جو کچھ بولتا، کرتا یا سوچتا ہے اس کی بازگشت فضا میں پھیلتی ہے اور ماحول پر محیط ہو جاتی ہے۔ اولیاءاللہ کا قلب اللہ کا ذکر کرتا ہے، اسی مناسبت سے ماحول میں ہر شے رد عمل ظاہر کرتی ہے۔ سطحی سوچ کا حامل فرد کہتا ہے کہ گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک ٹک کرتی ہیں جب کہ اعلیٰ اسپیس کا مکین سنتا ہے ہر گھڑی کی سوئیاں ٹک ٹک نہیں کرتیں، ''اللہ ھو'' کہتی ہیں۔ فرد جب آواز کی فریکوئنسی سے مانوس نہ ہو تو ظاہری تاثر کو ٹک ٹک سمجھتا ہے۔ ہر فرد کی اسپیس ذہن کی وسعت کے مطابق ہے۔

یہ بات بہت اہم ہے کہ آواز کا پھیلاؤ بازگشت ہے۔ پھیلاؤ سے اسپیس تخلیق ہوتی ہے اور اسی کے مطابق وقت کا تعین ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسپیس آواز پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن'' کی بازگشت کائنات کی اسپیس ہے۔ جو شخص آواز کو جتنا قریب سے سنتا ہے، اس کے لئے اسپیس سمٹتی ہے اور جو آواز کو دور سے سنتا ہے یا پھر سنتا ہی نہیں، اس کے لئے اسپیس پھیلتی جاتی ہے۔

رب العالمین اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

www.ksars.org

" ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔"

(ق:١٦)

صورت حال یہ ہے کہ بعض اوقات اپنا لکھا ہوا سمجھنے کے لئے ذہن کو اس اسپیس میں جانا پڑتا ہے جس وقت تحریر لکھی گئی ورنہ مفہوم ذہن میں نہیں آتا۔

ایک روز صاحب علم و عرفان کو تحریر سناتے ہوئے پوچھا، محسوس ہوتا ہے کہ اس تحریر میں جھول ہے جیسے کہیں کوئی بات رہ گئی ہے۔

فرمایا، "آپ اس تحریر سے مانوس نہیں ہیں، اس لئے ایسا کہہ رہے ہیں۔ جھول نہیں ہے۔"

پوچھا، فرد اپنی تحریر سے مانوس نہ ہو، یہ کیسی بات ہے؟

فرمایا، "یہاں کچھ بھی اپنا نہیں، تحریر اپنی کیسے ہو سکتی ہے!"

یہ بات سن کر ذہن میں "میں کون میں کون" کی تکرار ہونے لگی۔

کتنی بار اس نے سوچا ہے کہ میں کون ہوں؟

میرے اندر آواز کیسے پیدا ہوتی ہے؟

مجھے کس طرح سنائی دیتی ہے؟

جسم کیسے حرکت کرتا ہے؟

حرکت کیا ہے اور مجھے ہدایات دینے والا کون ہے؟

اکثر کان بند کر کے وہ اپنی آواز اندر سنتا ہے یہ جاننے کے لئے کہ آواز کیا ہے۔۔۔؟

ابتدا میں تجربہ سے گونج محسوس ہوئی لیکن ساخت واضح نہ ہو سکی۔

جب شیخ نے ایکو (بازگشت) کی طرف متوجہ کیا تو تفکر کے دوران ایک بار پھر ہاتھ کان پر رکھ کر باہر کی آواز سے توجہ ہٹائی اور کہا،

"آواز کیا ہے، میں آواز کی ساخت سمجھنا چاہتا ہوں۔"

www.ksars.org

ٹھہر ٹھہر کر متعدد مرتبہ جملہ دہرایا۔ابتدا میں محض گونج تھی۔اس کے بعد پھیلاؤ محسوس ہوا یعنی آواز کے ساتھ متوازی عناصر ہیں جیسے ایک ساتھ کئی لائنیں آگے بڑھ رہی ہیں۔آواز ایک لائن نہیں ہے،بہت ساری لائنوں کا مجموعہ ہے۔اس کے بعد base واضح ہوئی اور ادراک ہوا کہ آواز پر غلاف محیط ہے۔غلاف کی آواز ایسی ہے جیسے ریڈیو میں فریکوئنسی سیٹ کرتے ہوئے ''ہس'' کی آواز ہوتی ہے۔بہت ممکن ہے کہ جس کو اس نے ''ہس'' سمجھا وہ ذہن کی فریکوئنسی سے ماوراہے اس لئے احاطہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ اسے ''ہس'' سمجھ رہا ہے۔

خود سے پوچھا، پھیلنے سے جو کچھ آواز میں ہے، وہ ظاہر ہوتا ہے یعنی اسپیس تخلیق ہوتی ہے ہم سب اسپیس ہیں، اگر آواز نہ پھیلے تو کیا ہمارا وجود ہو گا۔۔؟

یعنی بازگشت کا ایک مفہوم دوری یا دوئی ہے۔

کائنات کی تخلیق اور حرکت کی ابتدا آواز ہے۔تصور میں جسم کا اندرونی حصہ بوتل میں خلا کی مانند نظر آیا۔دیکھا کہ اندر میں سے آواز نشر ہوتی ہے، دائرہ کی شکل میں آگے بڑھتی ہے، خلیات سے ٹکراتی ہے اور لہروں میں چھپا مفہوم واضح ہوتا ہے۔مرکز جہاں سے آواز نشر ہو رہی ہے، دیکھنا چاہا تو نظر دھندلا گئی جیسے پردہ ہو۔

بعض اوقات جاگنے کے بعد سینہ کے درمیان میں خلا محسوس ہوتا ہے۔جن دنوں اس کیفیت میں شدت تھی، زیادہ سے زیادہ یاحی یاقیوم کا ورد کیا۔شعور مغلوب اور لاشعور غالب ہونے سے خود کو بلندی پر دیکھا۔نظر آیا کہ نیچے منظم لشکر جا رہا ہے، اچانک لشکر میں بے چینی پھیل گئی۔

منظر دیکھنے میں مگن تھا کہ باطن میں آواز گونجی۔دیکھا کہ اندر خلا ہے، انتہائی مدھم دودھیا روشنی پھیلی ہوئی ہے، آواز کی لہریں دائرہ کی شکل میں گردش میں ہیں اور کہہ رہی ہیں،

''جب یہ اللہ کی آواز سنیں گے تو انہیں سرور مل جائے گا۔''

کمرے میں گہری خاموشی تھی۔خیال نے کہا کہ خاموشی بھی اسپیس ہے اور اسپیس آواز پر قائم ہے۔خاموشی کو سنیں تو ''ھو'' کی آواز آتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ ہوا سائیں سائیں کرتی ہے۔دھیان دیا جائے تو ہواؤں میں ''ھو'' کا ساز ہے۔درختوں پر مینا، چڑیا، کوئل، بجلی کے تاروں پر بیٹھے کبوتر، پتوں کی سرسراہٹ یہاں تک کہ پنکھا،

www.ksars.org

کاغذ پر پنسل کی آواز۔۔۔ ہر گونج ''ھو'' یا ''اللہ ھو'' کہتی ہے۔ ہر آواز پر ''ھو'' کا گمان لئے ہوتا ہے کہ جب وہ جسم کی طرف متوجہ ہوا تو خلا میں ''ھو'' کی بازگشت تھی۔

مرشد کریم سے پوچھا، میں بات کرتا ہوں تو میرے چہرہ کے آگے کچھ نہیں ہے، ہونا یہ چاہیئے کہ آواز فضا میں بکھر جائے اور واپس نہ آئے لیکن جب ہم بات کرتے ہیں تو اپنی آواز خود بھی سنتے ہیں۔ آواز کس چیز سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔۔۔؟

فرمایا، ''ایکو خلا ہے۔ خلا بھی تو وجود رکھتا ہے، اس سے ٹکراتی ہے اور ٹکرا کر آپ کے اندر مادی زبان کا ریکارڈ ہے اس میں ترجمہ کر دیتی ہے۔ کوئی واٹر کہے تو ذہن میں نقشہ پانی کا بنے گا نقشہ کو دیکھ کر ترجمہ ہو گا۔ ہم جو کہہ رہے ہیں الفاظ تو کچھ نہیں، خیالات ہیں۔ خیال بھی آواز ہے جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہے۔ جب انسان کائنات میں غور و فکر کرتا ہے تو جہاں تک ذہن کی رسائی ہوتی ہے، لہریں ذہن کی اسکرین سے ٹکراتی ہیں اور آواز بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے سعی کی۔ سعی بھی ایکو ہے۔''

ذہن قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوا۔ چند روز بعد شیخ طریقت سے عرض کیا کہ ایکو سے متعلق آیات تلاش کرنا چاہیں تو ذہن میں ''راجعون'' آیا۔

فرمایا، ''رجع کا مطلب ہے کہ مسلسل ایک چیز جائے اور پلٹ کر آ دمئے۔ ہر زبان میں زمین کے مختلف نام ہیں لیکن زبان کے فرق کے باوجود سب اسے زمین سمجھتے ہیں۔ وجہ کیا ہے۔۔۔؟ وہ بازگشت سے سمجھ رہا ہے۔ جیسے ہی بازگشت ہو گی، فوراً پانی کا نقشہ آئے گا اور اتنا گہرا ہو گا کہ آپ کو دماغ میں تراوٹ محسوس ہو گی۔''

بازگشت کو عربی میں رجع کہتے ہیں۔ لغت میں اس کے معنی پلٹنا یا گردش کر کے اس مقام پر آنا ہے جہاں سے چلی تھی۔ رجع کے بنیادی حروف ر ج ع ہیں۔ اس کے تحت بننے والے الفاظ کے معانی پہلی حالت کی طرف رجوع کرنا، لوٹنا، دہرانا یا بازگشت کے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر echo کا قانون بیان فرمایا ہے۔

خالق کائنات فرماتے ہیں،

''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔'' (البقرۃ:۱۵۶)

قرآن کریم میں لکھا ہے،

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ

والأرض ذات الصدع

www.ksars.org

سماء۔۔۔آسمان،ذات۔۔۔وجود،الرجع۔۔۔بازگشت(ایکو)ہے۔ارض۔۔۔زمین اور صدع شگاف کو کہتے ہیں۔ تفکر سے ادراک ہوتا ہے کہ آیت میں آسمان اور زمین کی صفات،ایکو کیا ہے،ایکو کے Source کی نشان دہی اور تکرار کا قانون بیان کیا گیا ہے۔

آسمان لاشعور اور زمین شعور کے قائم مقام ہے۔ بازگشت یا ایکو دراصل اطلاع ہے۔ اطلاع میں کسی لمحہ تعطل نہیں ہے، جہاں سے آتی ہے وہیں لوٹ جاتی ہے اس لئے بازگشت کہا گیا ہے۔

آیت میں لاشعور سے ہونے والی بازگشت کی قسم کھائی گئی ہے کہ جب وہ زمین پر پھیلتی ہے تو زمین اس اطلاع کو قبول کرتی ہے اور تخلیقات کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ہر تخلیق اطلاع ہے، جہاں سے آتی ہے، وہیں لوٹ جاتی ہے۔ آسمان، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان میں اطلاع گردش کر رہی ہے۔ بازگشت کا ایک مفہوم محیط ہونا ہے۔

"اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے اور وہی زبردست اور دانا ہے۔ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے۔ زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول بھی ہے اور آخر بھی اور ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام تم کرتے ہو وہ اسے دیکھ رہا ہے، وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام امور اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں۔" (الحدید: ۱-۵)

ایک ایک لفظ میں مفصل انداز سے ایکو (بازگشت) کا Source، قانون اور زاویے بیان ہوئے ہیں۔ جو کائنات تخلیق ہو چکی ہے، ہم اس کی بازگشت ہیں۔

www.ksars.org

مزید بیان کرنے کی اجازت نہیں

آج مراقبہ کے بعد ڈائری اٹھائی اور گزرے دنوں کو یاد کرتے ہوئے لکھا۔۔۔

ماہ و سال گزرتے رہے، دن رات بن گئے راتیں دن میں تبدیل ہو گئیں۔ جب وہ صاحبِ طریقت کے در پر آیا تو آنکھوں میں ویرانی، اندر ٹوٹ پھوٹ، اعصاب مضمحل اور چہرہ غم والم کی تصویر تھا۔ شفیق مرشد نے شکستگی کو شگفتگی میں بدل دیا، امید کی کرن دکھائی اور آنے والے وقت نے کرن میں روشنیوں کے جہان آباد دیکھے۔ روشن ہستیوں سے ملاقات ہوئی، کسی نے نفیس اور خوب صورت لباس تحفہ میں دیئے تو کسی نے رنگوں سے نواز دیا۔ کسی نے در پر بلایا اور حاضری کا شرف بخشا تو کسی نے سر پر ہاتھ رکھ کر استحکام کی دعا دی۔ یہاں تک کہ کوئی دل میں براجمان ہو گیا، عکس منعکس ہوا تو آنکھیں چمک اٹھیں اور نظر نے ہر منظر اس کی نظر سے دیکھا۔

اس نے اندر میں دیکھا کہ چہرہ بدل گیا ہے اور دوست کا عکس دوست بن گیا۔ برے وقت میں مذاق اڑانے والے اعتراف پر مجبور ہو گئے کہ ہم پیچھے رہ گئے اور تمہیں منزل مل گئی۔

ایک روز صاحبِ طریقت سے عرض کیا تھا کہ میں کسی حال میں نہیں ہوں۔

فرمایا، ''پھر آجاؤ حال میں۔''

پوچھا، کیسے؟

فرمایا، ''جیسا کہتا ہوں ویسا کرو!''

مرشد کریم کے حکم پر عمل کیا۔ راستہ کٹھن اس لئے تھا کہ بیچ میں انا کی دیوار تھی جسے ٹوٹنے میں وقت لگا اور سخت تکلیف ہوئی۔ تکلیف کی شدت سے گھبرا گیا تو مہربان مرشد نے کمزوری کو تحمل میں بدل دیا اور سفر طے ہوتا گیا۔

ایک روز اس نے نادانی میں کہا، آپ جس بات کو ہاں کہہ دیں، اگر نہ بھی کرنا چاہوں تو وہ کام لازمی کرنا ہوگا۔ وہ خاموش رہے البتہ اگلے روز اس کی موجودگی میں کسی نے فرمایا، ''سب کچھ لوگوں کی مرضی سے ہو تو نظام میں تصادم ہو جائے گا۔''

اندر کی آواز نے متوجہ کیا کہ یہ کل کی بات کا جواب ہے۔

www.ksars.org

پھر تین روز ایک ہی خواب دیکھا، اس دوران ذہنی کارکردگی متاثر ہوگئی، باور ہوا کی کوئی غلطی ہوئی ہے۔ شیخ سے ذکر کیا تو فرمایا، ''غلطی ہوئی ہے جس سے شعور ہل گیا ہے۔''

وہ گھبرا گیا اور پوچھا کہ کیسی غلطی؟

انہوں نے براہ راست نشان دہی سے گریز کرتے ہوئے مثال سے سمجھایا، سمجھ نہیں آیا۔ ذہن سُن تھا کہ کوئی گستاخی ہوئی ہے۔ انہوں نے مثال دہرائی لیکن بات سمجھ نہیں آئی۔

تیسری مرتبہ مثال کو دہرایا تو دل میں صاحبِ علم سے عرض کیا، میں کم ظرف اور آپ اعلیٰ ظرف ہیں، مدد کیجیئے۔ یکایک ذہن میں بجلی کوندی اور اس نے کہا، حضور! وہ والی بات۔۔۔؟

فرمایا، ''جی! کیا میں آپ کے لئے غلط فیصلہ کر سکتا ہوں؟''

عرض کیا، بالکل نہیں، میں نادان ہوں۔

اس نے معافی مانگی، انہوں نے سینہ سے لگالیا۔

اس کے بعد جب ملاقات ہوتی تو وہ شیخ طریقت سے معافی مانگتا، شرمندگی بہت زیادہ تھی کیوں کہ محبت کی ناقدری کی تھی۔

فرمایا، ''بچہ اگر دل کی بات باپ سے نہیں کہے تو کس سے کہے گا اور اصلاح کیسے ہوگی؟''

اور وہ مزید شرمندہ ہوگیا۔

حکم کی تعمیل کے دوران جہاں اس سے غفلت یا زیادتی ہوئی، اللہ غفورالرحیم کے فضل و کرم سے بیداری کے علاوہ خواب میں بھی راہ نمائی ہوئی۔

صاحبِ طریقت سے عرض کیا کہ میں نے خواب میں ''اللہ نورالسمٰوٰت والارض'' دیکھا۔ پھر طاق نظر آیا جس میں نور ہے لیکن نور نظروں سے مخفی ہے۔ وہاں میرے علاوہ کوئی موجود ہے جو نظر نہیں آتا۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ طاق خرید لو، قیمت سو روپے ہے۔ طاق کے اندر نور ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کیا سو روپے میں طاق خرید کر اس کے اندر نور دیکھ سکتا ہوں؟ میں نے کہا، نہیں! سو روپے صرف طاق کے ہیں، نور دیکھنے کے لئے دل کا صاف ہونا ضروری ہے۔

خواب سن کر انہوں نے پوچھا، ''آپ اس خواب سے کیا سمجھے؟''

عرض کیا، جاگنے کے بعد پہلا خیال یہی آیا کہ کسی خامی کی نشان دہی ہے۔

www.ksars.org

پوچھا، ''کون سی خامی؟''

عرض کیا، کوئی اخلاقی خامی ہے کیوں کہ اخلاقی بیماریاں آدمی کو اللہ سے دور کر دیتی ہیں اسی لئے خواب میں نور نظر نہیں آیا۔۔۔آپ تعبیر بتادیجئے۔

فرمایا، ''خواب میں سوروپے کی بہت اہمیت ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔''

عرض کیا، سوروپے پر گہرائی میں نہیں سوچا البتہ یہ بات ذہن میں ضرور آئی کہ میں نے طاق کی قیمت سوروپے کیوں لگائی۔ جس طاق میں نور ہو، وہ سوروپ کا کیسے ہو سکتا ہے یا اس کی قیمت کیسے ہو سکتی ہے!

شیخ نے فرمایا، ''سوروپے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جس راستہ پر قدم رکھا ہے، آپ اس کی قیمت لگا رہے ہیں۔''

وہ دہل گیا اور پوچھا، کیسی قیمت۔۔۔؟

فرمایا، ''طلب اور تقاضا ہے کہ جو آپ چاہتے ہیں وہ ہو۔ تقاضے کی تکمیل سے ذہن ہٹالو۔''

عرض کیا، جس کی طلب ہے اور وہ اندر میں ہے پھر بندہ متاثر کیسے نہ ہو؟

فرمایا، ''ہاں! اب یہ طریقہ ہے کہ توقع قائم مت کرو۔ دیکھو! ایک تقاضا ہے اور ایک طلب ہے، طلب رہتی ہے لیکن تقاضے کے لئے ضدمت کرو کہ جو تم چاہتے ہو ویسا ہو جائے۔ اللہ کے قانون میں شے اور وقت معین ہے۔ اچھا کر کے اچھائی یاد مت رکھو۔ بھول جاؤ۔ معاف کرنا سیکھو اور منفی رویوں سے متاثر مت ہونا۔ آپ کسی کو بدل سکتے ہیں نہ کوئی آپ جیسا ہو سکتا ہے، بس یہ یاد رکھو کہ مقصد کیا ہے۔ شکوک و شبہات سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ توجہ محبوب کی طرف ہو۔

دو رنگی خوب نہیں یک رنگ ہو جا
سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا
برہ کی آگ میں ثابت قدم چل
سراجؔ اب شمع کا ہم رنگ ہو جا

عرض کیا، میں ہمیشہ ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ صاحبِ طریقت نے فرمایا،

''جو سسٹم کے مطابق چلتا ہے، وہ ہمیشہ سسٹم میں رہتا ہے۔ تابع داری اور فرماں برداری ایسی صلاحیت ہے جس سے ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔''

www.ksars.org

اللہ کی مہربانی سے زندگی حکم کے مطابق ڈھل گئی۔ شیخ نے جھکنا سکھایا، انا کو درمیان میں لائے بغیر وہ جھک گیا۔ جب فرمایا بات کرو اس نے بات کی اور جب خاموشی کا حکم دیا، خاموش رہا۔

ایک روز پوچھا تھا کہ اگر آپ دن کو رات کہیں تو کیا مجھے بھی اسے رات کہنا چاہئے؟

فرمایا، ''صرف کہنا نہیں، دیکھنا بھی چاہئے!''

پھر شیخ نے دن کو رات کہا اور محبوب کی نگاہ نظر بن گئی۔

دوسروں میں نظر آنے والے عیب کو اپنے اندر تلاش کیا، اپنی اصلاح سے لوگوں کے عیب نظر انداز ہو گئے۔ یہ بھی سیکھا کہ ہر بات کا جواب ہوتا ہے لیکن ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ مرشد کریم نے غصہ کو نظر انداز کرنا سکھایا۔ انہوں نے ہدایت کی دو باتوں کا خاص خیال رکھنا ہے، معافی اور عیب سے پردہ پوشی۔ اس سے کم کوئی بات مجھے قبول نہیں۔ اس نے دونوں پر عمل کیا اور لب بہ بند و چشم بہ بند و گوش بہ بند کی مانند ہو گیا۔

جھکنا اور معاف کرنا مشکل ہے، اس نے کوشش کی لیکن پھر دماغ میں فلم چلتی اور سوچ میں تلخی پیدا ہو جاتی۔ ایک روز صاحبِ طریقت نے مشکل یہ کہہ کر آسان کر دی کہ، ''تعمیل میں پس و پیش، محبت میں عدم خلوص ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ معاف کر دیں، یہ آپ نے میرے لئے کیا ہے۔''

یہ بات سن کر وہ تکلیف بھول گیا اور ان کے سامنے عہد کیا کہ میں نے معاف کر دیا ہے، اگر مجھ سے کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو اللہ سے دعا کریں کہ وہ میری معافی قبول فرمائے، شیخ نے آمین کہا۔

حکم کی تعمیل سے پہلے سے زیادہ محبت ملی۔ جب کبھی تقاضے سے پیچھے ہٹنا مشکل ہوا اور تعمیل میں ضرورت سے زیادہ تاخیر ہوئی تو حالات سزا بن گئے۔ شیخ نے شفقت فرمائی اور سکھایا کہ،

''محبت ایثار ہے، راستہ میں گڑھے ہیں لیکن نظر انداز کر دو گے تو ایک وقت آئے گا گڑھے بھر جائیں گے۔''

اس کے پاس رقم تھی۔ پیسے سونے کے بسکٹ میں بند کر کے سوچا کہ ضرورت پر کام آجائیں گے، دیگر چھوٹی ضرورتوں کے لئے بھائی سے کہہ دوں گا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

www.ksars.org

اس رات خواب میں دیکھا کہ وسیع کچا صحن ہے۔ چارپائی پر مرشد کریم بیٹھے ہیں۔ سورج زمین پر آیا ہے اور مرشد کریم سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ صحن میں داخل ہوا اور چارپائی کے قریب گیا۔

مرشد کریم نے سخت سرزنش کی اور فرمایا، ''یہ سورج دن رات اللہ کی عبادت کرتا ہے، ایک لمحہ کو بھی اس کا ذہن اللہ سے نہیں ہٹتا۔۔ تمہارا کیسے ہٹ گیا۔۔۔؟''

خوف سے آنکھ کھل گئی۔

صبح بسکٹ فروخت کر کے پیسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیئے اور یہ بات یقین بن گئی کہ اللہ کے علاوہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن۔۔۔ ہر ضرورت پہلے سے زیادہ اچھی طرح پوری ہوتی ہے۔ چھوٹی رقم درکار ہو یا بڑی۔ اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام فرماتے ہیں۔

صاحبِ علم و عرفان نے خامیوں پر سے پردہ اٹھانے کے ساتھ توجہ غیر ضروری باتوں سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کے کلام اور کائنات کی تخلیق کی طرف مبذول کی۔ بتایا کہ قرآن کے ایک ایک لفظ پر غور کرو، چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات میں تخلیقی میکانزم تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی موجود ہے۔'' (القمر: ۵۳)

الہامی کتاب کو شیخ طریقت کے حکم کے مطابق پڑھنے سے ذوق و شوق اور ذہن میں گہرائی پیدا ہوئی۔ اب کلی کے پھول بننے کی مانند آیات ذہن میں کھلتی ہیں اور خوش بو روئیں روئیں میں سرایت کر جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صادقین کی قربت اختیار کرو، اہلِ ذکر سے دریافت کرو، مجھ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ربط اولی الالباب گروہ کے ایک فرد سے جوڑ دیا ہے جس نے بتدریج انا کو توڑا اور ظلمت سے نکال کر اسے نور میں داخل کیا۔

خود سے گزر کر خود کو پانے کے لئے کئی نشیب و فراز آئے مگر ایک خیال غالب رہا کہ اللہ تعالیٰ یہاں تک لائے ہیں، آگے بھی لے کر جائیں گے۔

لاشعور میں دیکھا کہ ڈبے میں چڑیا بند ہے اور پھڑ پھڑا رہی ہے۔ ڈبا کھول کر چڑیا کو آزاد کر دیا۔ چڑیا اس کے گرد دائرہ میں اڑنے لگی۔ صاحبِ علم نے تشریح کی کہ ''آپ خاندانی روایات، زبان کے زعم اور خود نمائی سے آزاد ہو جائیں گے لیکن اس میں وقت لگے گا۔''

www.ksars.org

کیفیت یہ ہے کہ بظاہر غیر موجودگی میں بھی محبوب کو موجود محسوس کرتا ہے۔ غیر موجودگی میں موجودگی کا احساس شدت سے ہوا کیوں کہ محبوب سامنے نہ ہو تو ذہن ہر شے سے ہٹ کر ان کو تلاش کرتا ہے اور قرب چاہتا ہے۔ اور جب محبوب سامنے ہو تو ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں وہ بھول جاتا ہے کہ میں ہوں! بات سمجھ میں یہ آئی کہ میں نہیں ہوں، جو ہوں وہ نہیں جانتا کہ کیا ہوں۔

ایک روز دل کا حال بیان کرتے ہوئے عرض کیا، ملاقات میں تاخیر سے میں بے حال ہو جاتا ہوں، ایسے میں آپ بتایئے میرا رویہ نارمل ہوگا یا ایب نارمل۔۔۔؟

فرمایا، ''ایب نارمل۔۔۔ اور یہ اچھی بات ہے۔۔۔ اس دنیا میں ایب نارمل ہو گے تو دوسری دنیا میں نارمل ہو گے نا۔ اور جو یہاں نارمل ہے وہ وہاں ایب نارمل ہے۔''

وہ ہنس پڑا کہ اتنا گہرا اور بھرپور جواب کہیں سنا نہ پڑھا۔

شیخ طریقت نے فرمایا، ''لوگ کہتے ہیں کہ دل خفا ہے، دل اداس ہے، دل گھبرا رہا ہے، دل یہ کہتا ہے، دل کو برا لگا، دل کو اچھا لگا، ہر شے کا سبب دل کو بتاتے ہین لیکن یہ نہیں سوچتے کہ دل کیا ہے؟ دماغ کام نہ کرے مگر دل کام کر رہا ہے تو آدمی کوما میں چلا جاتا ہے لیکن مرتا نہیں۔ دل کام کرنا بند کر دے، آدمی مر جاتا ہے۔ یہ بات پھر دل پر آجاتی ہے لیکن دل کیا ہے یہ کوئی نہیں سوچتا!''

خالق کائنات نے معراج شریف میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا،

''دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔'' (النجم:۱۱)

آیت پڑھ کر انہوں نے آنکھیں بند کیں جیسے اسرار الٰہی میں ڈوب گئے ہوں۔

جب اس نے اندر کی آواز کو سننا شروع کیا تو احساس ہوا کہ دل میں کون ہے اور آواز کس کی ہے۔ تنہائی محسوس ہوئی تو آواز نے باتیں کیں اور وہ اندر کی دنیا سے متعارف ہوا۔ دوستی قائم ہونے سے ٹکڑے جڑنے لگے اور تصویر بتدریج واضح ہو گئی لیکن۔۔۔ واقفیت کا مرحلہ باقی تھا۔

www.ksars.org

آواز کو سننے سے خیالات وحالات میں تسلسل کی طرف ذہن گیا۔ کیفیت کے مطابق چیزیں رونما ہوتی ہیں، بندہ گزرتا چلا جائے تو راستہ بنتا جاتا ہے۔ آواز پر کائنات قائم ہے جس نے قدم قدم پر راہ نمائی کی اور مرشد نے اندر میں آواز کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا۔ ایک مرحلہ پر غور کیا کہ آواز کس کی ہے، اسے سنتا کون ہے اور آتی کہاں سے ہے۔ طویل تفکر کے بعد ادراک ہوا کہ آواز وجود کی صفت ہے۔ اس سے زیادہ بیان کرنے کی اجازت نہیں۔

مرشد کریم سے پوچھا، کیا اصل اور عکس میں فرق ہے؟

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

عرض کیا، فرق کیسے ہو سکتا ہے وہ تو اصل ہی کا عکس ہے۔

فرمایا، ''عکس تو اصل ہے لیکن فرق ہے۔ شیشہ آئینہ میں چمک کے تحت رنگ دکھائے گا۔ آئینہ چمک دار ہو گا تو رنگ تبدیل ہو جائے گا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم تفکر نہیں کرتے۔ تجربات کرنے چاہئیں اس سے ذہن کھلتا ہے۔ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ اور دیکھنا، جو رنگ چہرہ پر ہیں وہ آئینہ نہیں دکھائے گا، ہم آئینہ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔''

گھر میں دس شیشے ہیں، ہر شیشہ میں تصویر الگ تھی۔ کسی آئینہ نے سرخ و سفید دکھایا تو کسی نے پھیکا۔ وہ ایک ہے، دس نہیں، پھر ہر آئینہ الگ کیوں دکھاتا ہے؟ تجربہ کر کے سیکھا کہ ہم خود کو نہیں آئینہ کے دیکھنے کو دیکھتے ہیں۔ پھر آئینہ کے بغیر خود کو کیسے دیکھا جائے۔۔۔؟

مرشد کریم نے راہ نمائی فرمائی کہ، ''جب تک معلوم نہیں ہو گا کہ تم کون ہو، حرکت کیا ہے اور کس کی ہے، خود کو نہیں دیکھ سکتے۔ دل کے آئینہ میں دیکھنا، اصل دیکھنا ہے۔''

توجہ اندر میں مرکوز کر دی۔ دل کے آئینہ میں تصویرِ یار تھی جس میں جذب ہو کر تصویر، آئینہ اور تصویر دیکھنے کا احساس ختم ہو گیا۔

مشاہدہ ہوا کہ باہر کی دنیا فلم ہے، وہ خاموش ناظر ہے اور اسکرین پر مناظر گزر رہے ہیں۔

عرض کیا، شب و روز آنکھوں کے سامنے مناظر گزرتے ہیں لیکن انکھوں میں ایک ہی تصویر ہے۔

صاحبِ دل نے فرمایا، ''اتنی داری تصویروں میں ایک ہی تصویر پر نظر کیوں ٹھہر گئی؟ اس پر سوچنا، جواب ملے گا اور آپ خوش ہو جائیں گے۔''

www.ksars.org

شیخ سے ملاقات کے لئے ایک صاحب آئے۔

شیخ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ''یہ فنافی الشیخ ہیں۔''

بے ساختہ ان صاحب کو دیکھا۔ چہرہ پر یقین، صداقت اور محبت تھی۔

وہ صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، ''کسی کام کو کرتے وقت کبھی یہ نہیں سوچا کہ یہ میں نے کیا ہے، ہم کون ہوتے ہیں!''

کچھ دیر بعد انہوں نے مرشد کریم سے رخصت چاہی۔ وہ قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا، دعا دی کہ ''اللہ آپ کو ہمیشہ اپنی رحمت اور مرشد کی نظر میں رکھے۔ کبھی مت کہنا کہ یہ میں نے کیا۔'' دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، ''سب یہاں سے ہے۔''

صاحب شہود ہستی نے جو سمجھایا، اس نے پہلے دن ڈائری میں باقاعدگی سے لکھا اور مختلف اوقات میں دہراتا گیا۔

ایک روز فرمایا، ''خوبیوں کے ساتھ خامیاں بھی لکھو۔''

عرض کیا، خامیاں ظاہر کرنے کے لئے ہمت چاہیئے۔

وہ ہنس پڑے۔

عرض کیا، آپ کا حکم ہے، میں ضرور لکھوں گا۔

حکم کی تعمیل سے وہ اچھائی اور برائی سے بے نیاز ہو گیا۔ پرواہ نہیں رہی کہ کوئی اسے اچھا سمجھے یا برا، اہمیت اس بات کی ہے کہ زندگی۔۔۔بندگی بن جائے۔

اللہ کی توفیق، رسول اللہ ﷺ کی رحمت اور اللہ کے دوست کی محبت سے مرشد کی باتیں تربیت کا نصاب بن گئیں، خوف و غم سے نجات مل گئی، قلب میں اطمینان داخل ہوا اور چہرہ سکون کی تصویر بن گیا۔ الحمد اللہ۔

جب وہ حال کا موازنہ ماضی سے کرتا تو افسوس ہوتا کہ قیمتی وقت ضائع کر دیا مگر خوشی اس بات کی ہے کہ رحمٰن و رحیم نے کرم فرماتے ہوئے ایسی ہستی سے قربت عطا فرمائی جو ماں، باپ، دوست اور محبوب ہے۔

مرشد کی باتیں۔۔۔مرید کے لئے مرشد کا ایثار ہے جس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

شک سے یقین کے سفر میں کامیابی کا ایک بھی سبب ایسا نظر نہیں آتا جسے وہ خود سے منسوب کر سکے۔۔۔سب اللہ جل جلالہ کی رحمت اور صاحب عرفان کی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

www.ksars.org

''جو لوگ علم میں راسخ ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔''(آل عمران:۷)

ڈائری لکھنے کی ابتدا ہوئی تو مرشد کریم نے فرمایا تھا، ''یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا اس لئے کہ مرشد کی باتیں ختم نہیں ہو تیں، ہمیشہ کے لئے ہیں۔''

قارئین! باتیں ختم نہیں ہوئیں لیکن مزید بیان کرنے کی اجازت نہیں۔

www.ksars.org